سلسلة المنشورات 70



بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ

اور یقیناً یہی میرا سیدھا راستہ ہے لہٰذا تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمہیں اس (اللہ) کے راستے سے ہٹا دیں گے۔" (الانعام: 153/6)

تنقیدِ سدید

بر رسالہ اجتہاد و تقلید محمد ادریس کاندھلوی

تصنیف

شیخ العرب والعجم علامہ ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ تعالیٰ

مقدمہ

(شارح سنن نسائی) استاذ العلماء محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ تعالیٰ

مکتبۃ الإمام البخاری
الدار العلمیۃ لنشر التراث الإسلامی
متصل مسجد اہل حدیث کورٹ روڈ کراچی
Ph:2217337 , 0321-8750161

مکتبۃ السنۃ
الدار السلفیۃ لنشر التراث الإسلامی
منظور کالونی گجر چوک، کراچی
Ph:8246734 , 0300-2160113

سلسلة المنشورات (70)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وان هذا صراطي مستقيما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله

''اور یقیناً یہی میرا سیدھا راستہ ہے لہٰذا تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمہیں اس (اللہ) کے راستے سے ہٹا دیں گے''۔ (الانعام 153/6)

تنقید سدید

بر رسالہ اجتہاد و تقلید محمد ادریس کاندھلوی

تصنیف

شیخ العرب والعجم علامہ ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ تعالی

مقدمہ

(شارح سنن نسائی) استاذ العلماء محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ تعالی

مکتبۃ السنۃ
الدار السلفية لنشر التراث الإسلامي
منظور کالونی گجر چوک، کراچی
Ph:8246734 , 0300-2160113

مکتبۃ الامام البخاری
الدار العلمية لنشر التراث الإسلامي
متصل مسجد اہل حدیث کورٹ روڈ کراچی
Ph:2217337 , 0321-8750161

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حقوق طبع محفوظ ہیں

نام کتاب ـــــ تنقیدِ سدید بر رسالۂ اجتہاد و تقلید
نام مصنف ـــــ شیخ العرب والعجم علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ تعالیٰ
طبع اول ـــــ ادارۂ احیاء تراث اہل السنۃ اللہ آباد، وزیر آباد
اہتمام ـــــ حکیم عبدالمجید اللہ آبادی
تعداد صفحات ـــــ 424 سائز 23x36=16
طبع ثانی ـــــ 20 رجب 1428ھ ـ 2007ء
قیمت ـــــ Rs 250.00 روپے
مراجعہ و تصحیح ـــــ محمد افضل اثری / فضل اکبر
ناشر ـــــ مکتبۃ السنۃ / مکتبۃ الامام البخاری، منظور کالونی کراچی

ضروری اعلان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

کتاب "تنقید سدید بر رسالہ اجتہاد و تقلید" شیخ العرب والعجم استاذنا السید بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ کے علمی اور تحقیقی شاہ پاروں میں سے ایک ہے شاہ صاحب رحمہ اللہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ یہ کتاب شاہ صاحب رحمہ اللہ نے دیوبندی مکتبِ فکر کے عالم مولانا محمد الیاس کاندھلوی کی کتاب "اجتہاد و تقلید" کے جواب میں تصنیف فرمائی تھی جس کو سب سے پہلے حکیم عبدالمجید اللہ آبادی نے ادارہ احیاء تراث اہل السنۃ وزیر آباد سے شائع کیا جو کہ ادارہ کی طرف سے پہلی شائع کردہ کتاب تھی کتاب کا مسودہ مولانا محمد صدیق الحسن چیمہ صاحب نے پڑھ کر کتابت کی غلطیاں درست فرمائی تھیں اور تصدیر عظیم محدّث علامہ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ نے لکھی تھی۔

اب الحمدللہ ادارہ "مکتبۃ السنۃ" شاہ صاحب رحمہ اللہ کی اس تصنیفِ لطیف کو شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم نے پوری کتاب بڑی محنت اور عرق ریزی سے پڑھی ہے۔ کتاب کے آخر میں ۶ صفحات پر مشتمل اغلاط نامہ کی غلطیاں کتاب میں لگا دی گئی ہیں جبکہ کتابت کی مزید بہت ساری غلطیوں کی بھی تصحیح کر کے کتاب کو اغلاط سے پاک کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے حتی الوسع محولہ کتب کے حوالہ جات کے سلسلہ میں اصل کتب کی طرف رجوع کیا گیا ہے۔ ہم اپنی کاوشوں میں کس حد تک کامیاب

ہوتے ہیں؟ اس کا فیصلہ ہم معزز قارئین پر چھوڑتے ہیں۔ ہم اپنے عزیز بھائی نصرت اللہ شاہ صاحب کے بے حد شکر گزار ہیں کہ انھوں نے کتاب "تنقیدِ سدید" شائع کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

جبکہ راقم الحروف کو محترم شاہ صاحب رحمہ اللہ سے انکی تصانیف شائع کرنے کی اجازت کا بھی شرف حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ کتاب کو ہر قسم کی عبارتی غلطیوں سے پاک کرنے کی پوری کوشش کے باوجود اگر کسی جگہ کوئی غلطی رہ گئی ہو تو اس کے لئے ادارہ معذرت خواہ ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ جہاں بھی کوئی غلطی دیکھیں ہمیں مطلع فرمائیں اِن شاءاللہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کردی جائے گی۔

مراجعہ و تصحیح کے سلسلہ میں دینی بھائی فضل اکبر حفظہ اللہ تعالیٰ کا تعاون قابلِ قدر ہے جس پر ان کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ ادارہ کے جملہ متعلقین اور معاونین کی محنت قبول فرمائے۔ اللہ کریم اس کتاب کو لوگوں کے لئے ذریعۂ ہدایت بنائے اور اس کے مصنف کے لئے صدقۂ جاریہ۔ رب العالمین سے دُعا ہے کہ وہ ادارہ "مکتبۃُ السنۃ" کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور مزید علمی اور مالی وسائل سے نوازے تاکہ دینِ اسلام کی خدمت کے لئے کوشاں رہے۔ اللہ رب العزت ہماری اس حقیر سی خدمت کو ہمارے گناہوں کا کفارہ بنائے۔ (آمین یَا رَبَّ الْعَالَمِیْن

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن

خادم السنۃ النبویۃ المطھرۃ، محمد افضل الاثری مدیر مکتبۃ السنۃ کراچی

۱۰ رجب ۱۴۲۸ھ بمطابق ۳۱ جولائی ۲۰۰۷ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تصدیر

"تقلید اور عمل بالحدیث" کے مباحث صدیوں پرانے ہیں۔ تقلید جامد کے رسیا اور اُمت کا درد رکھنے والے مُصلحین اس موضوع پر سیر حاصل بحثیں کر کے خوب خوب دادِ تحقیق دے چکے ہیں۔

خیر القرون کے سیدھے سادھے دَور کے مُدتوں بعد ایجاد ہونے والے مذاہب اربعہ کے بعض مُقلد فُقہاء نے اپنے اپنے مذہب کی ترجیح میں کیا کیا گل نہیں کھلائے حتیٰ کہ اپنے مذہب کے جنون میں اپنے مخالف امام تک کو نیچا دکھانے سے بھی دریغ نہیں کیا گیا جیسا کہ ساتویں آٹھویں صدی کے شافعی اور حنفی فقیہوں کی بعض کتابیں جن لوگوں کی نظر سے گزری ہیں وہ اس سے بخوبی واقف ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے "حجۃ اللہ البالغۃ" میں اسلام کے صدرِ اول کے عُلماء کی دو قسمیں قرار دی ہیں۔ فقہائے محدثین اور فقہائے اہل الرائے۔ اول الذکر میں امام احمدؒ اور امام بخاری رحمہ وغیرہما کا ذکر فرمایا۔ جب کہ حضرت امام ابراہیم نخعیؒ اور امام ابو حنیفہ رحمہ وغیرہما کو اہل الرائے کا سرخیل تبلایا ہے۔ ساتھ ہی دونوں کے طریقِ استدلال کی تفصیل دے دی ہے۔ اس طرح انھوں نے فقہ حنفیہ پر جمود کی اس سرزمین میں عمل بالحدیث کی طرح ڈال دی کیونکہ موصوف نے حجۃ اللہ البالغہ اور مصفّٰی، مسوّٰی (مؤطا امام مالکؒ کی دونوں شرحوں) میں عموماً اول الذکر کی موافقت کی ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمہ کے بعد ان کے پوتے مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ نے "تنویر العینین" اور "ایضاح الحق" اپنی دو کتابوں کے ذریعے سے اس مسلک کو آگے بڑھایا بلکہ عملاً اس کو نافذ فرمایا۔ پھر حضرت شاہ محمد اسحٰق رحمہ (نواسہ و فیض یافتہ شاہ عبد العزیز رحمہ) کے جانشین، تلمیذِ خاص حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلویؒ کے پون صدی کے درسِ حدیث کی برکت سے اس مسلک (عمل بالحدیث) نے نشو و نما پائی تو اس کی وسعت پذیری

کو تقلیدِ جامد کے حامل حنفی حضرات برداشت نہ فرما سکے، چنانچہ اس رو پہ بند باندھنے کی مختلف تدبیریں کی گئیں جن میں سے ایک یہ تھی کہ کتاب "تنویر الحق" تالیف کی گئی جس کا اصل ہدف "ایضاح الحق" اور "تنویر العینین" (تالیف مولانا شہید مرحوم) کا توڑ مہیا کرنا تھا کیونکہ ان دونوں کتابوں سے تقلیدِ جامد کی انحصاری دیوار ٹوٹتی نظر آرہی تھی۔

چنانچہ حضرت مولانا سید میاں محمد نذیر حسین (شیخ الکل) کو "معیار الحق" کتاب میں تنویر الحق کا تفصیلی جائزہ لینا پڑا جو تحقیق و سنجیدگی کا شاہکار ہے۔

اندریں صورت ولی اللہی فکر کے حامل اصحاب دو حلقوں میں بٹ گئے اہل تقلید اور اہل حدیث — اول الذکر بعد میں دیوبندی احناف کی صورت اختیار کر گئے جنھوں نے اہل الرائے کی نمائندگی و ترجمانی کو اپنی تدریس و تالیف کا ہدف بنا لیا اور ذاتی تاویلات کو خوب کام میں لائے اور اس کو اصل حنفیت قرار دیا جب کہ اصحاب الحدیث کی تائید اور صدرِ اوّل کے طرزِ علم و عمل کی تبلیغ و اشاعت اہلحدیث کے حصے میں آئی فللّٰہ الحمد۔

وہ دن جاتا ہے اور یہ دن آتا ہے کہ آج تک ان دو طبقوں کی متقابل تالیفات کا ایک انبار لگا ہوا ہے اور یوں دونوں طرف کے دلائل و متمسکات پورے طور پر سامنے آگئے ہیں مزید کاوش کی بالکل ضرورت نہیں رہی لیکن حنفی بزرگ ابھی تک حدیث پر عمل کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں اور آئے دن کسی نہ کسی بہانے "غیر مقلدیت" کے خلاف فرسودہ اور سر دودہ بحثیں چھیڑتے رہتے ہیں۔

اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے کہ گذشتہ قریبی سالوں میں "اجتہاد و تقلید" عنوان سے لاہور کے ایک حنفی دیوبندی مرحوم بزرگ نے بے ضرورت کاوش فرمائی تھی جس میں ترکِ تقلید ہی کا رد فرما دیا گیا ہے اسی کتاب کا تنقیدی جائزہ زیرِ تالیف — تنقید سدید بر اجتہاد و تقلید — میں لیا گیا ہے۔ تقلیدِ جامد کی حمایت میں لکھی گئی اس کتاب میں کوئی نئی بات نہیں، وہی عامۃ الورود مغالطات جو علمائے دیوبند کی کتابوں اور رسالوں میں آج تک آتے رہے ہیں یعنی حنفی مذہب کے جذبات پر مبنی فضائل، مذاہب اربعہ پر اس کی ترجیح کا سفسطہ، متبوع و مقلد ہونے کی حیثیت سے حضرت امام ابوحنیفہ رح کے مناقب میں غلو اور مبالغہ آرائی،

اصحاب الحدیث پر اہل الرائے کے تفوق کا مغالطہ، محدثین پر مقلد ہونے کا الزام بے ثبوت، مذاہب اربعہ میں حق کے انحصار کا دعوائے بلا دلیل، ترکِ تقلید کے مزعومہ مفاسد اور یہ کہ اجتہاد کا دروازہ اب مدتوں سے بند ہے وغیرہ وغیرہ۔

ہماری جماعت کے فاضل محقق اور سندھ کے نامور راشدی خاندان کے گلِ سرسبد حضرت مولانا سید بدیع الدین شاہ صاحب (پیر آف جھنڈا) دامت برکاتہم وعمت فیوضہم نے "تنقیدِ سدید" میں مقلدینِ احناف کے ان سب متمسکات پر مدلل ومبرہن اور سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے۔ انداز ایسا متین اور دل نشین ہے کہ اہلِ ذوق مطالعہ شروع کریں تو چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ طعن وتشنیع سے احتراز کیا گیا ہے، بس نفسِ موضوع کو سامنے رکھا ہے، غیر ضروری باتوں سے اجتناب ہے اور ہر بات با حوالہ ہے، اہلِ علم اور عوام دونوں کے لیے یکساں مفید، یقین افروز اور بصیرت افزا۔ اُمید ہے کہ یہ کتاب دلچسپی سے پڑھی جائے گی واللہ الموفق

آخر میں دیوبندی حضرات سے دردِ دل سے استدعا ہے کہ شاہ ولی اللہ رح کی مساعی اس سلسلے میں اس لیے تھیں کہ حدیث پر عمل کرنے کو برداشت کر کے آپس میں مل جل کر رہنا چاہیے اور مل کر اسلام کے وسیع تر مفاد میں مشترکہ طور پر کام کرنا چاہیے کہ یہی اس دور میں ملتِ اسلامیہ کے مفاد کا تقاضا ہے۔ جماعت اہل حدیث اس کے لیے ہمیشہ تیار رہتی ہے اور عمل کی حد تک مسلک حنفیت کو برداشت کرتی ہے۔ تاہم اس پر اور اس کے اکابر پر حملہ ہو تو اس کو حقائق سامنے لانے پڑتے ہیں جیسا کہ رسالہ "تنقیدِ سدید" میں آپ دیکھیں گے۔ ھٰذا وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

خادم الحدیث وأھلہ

خاکسار: ابو الطیب محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی

دَارُالدَّعْوَۃُ السَّلَفِیَّۃُ۔ لاہور

۹ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ ——— ۲۶ دسمبر ۱۹۸۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی وضح لاھل التحقیق النھج الداح وسیر لھم علوماً فھی لھم بمنزلۃ العین الرحراح وارسل رسولا یعلمھم الکتب والحکمۃ ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم بکسرھا وطعنھا بالرماح فقبلتہ صدورھم بالاستبشار والانشراح وتضیقت قلوب اھل التقلید وانقبضت فما قبلت بل بقوا فی الظلام ولم یتعقب لیلھم الصباح۔

اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ العلیم الحکیم الفتاح واشھد ان سید العالمین محمداً عبدہ ورسولہ حامل لواء النجاۃ والفلاح شھادۃ تتکفل لصاحبھا بالفوز والنجاح صلی اللہ علیہ وسلم وعلیٰ الہ واھلہ وصحبہ ومن تبعھم بالاحسان والصلاح۔ امابعد:۔

کتاب "تنقید سدید" کا پہلا ایڈیشن ہمارے واجب الاحترام قارئین کے سامنے ہے۔ اس کی تصنیف کا باعث یہ ہے کہ چند سالوں کی بات ہے کہ حیدرآباد ضلع میں ایک مولوی صاحب نے تقلید شخصی کے مسئلہ پر مناظرہ کرنے کے لیے چیلنج کہلوا بھیجا۔ ہم نے چیلنج منظور کیا اور جانے کی تیاری کرنے لگے۔ جب مولوی صاحب موصوف کو یہ علم ہوا

تو ایک رسالہ بنام الاجتہاد والتقلید ہماری طرف بھیجا۔ اور ان کی طرف سے یہ پیغام موصول ہوا کہ مناظرے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ اسی رسالے کا جواب لکھ کر بھیج دیں۔ ہم نے رسالے کا مطالعہ کیا تو اس کے اندر دو باتیں پائیں ایک تقلید شخصی کے وجوب پر زور دیا گیا ہے اور ادھر ادھر کی باتوں سے جن کو مصنف دلائل سمجھ کر تقلید کرنے پر بہت زور دے رہا ہے اور فی زمانہ اس کو بہت ضروری اور اہم ثابت کر رہا ہے اور دوسری یہ چیز کہ قیاس شرعی حجت اور بہت ضروری ہے اور ان کے اپنے خیال میں جو دلائل تھے ان سے قیاس کی فضیلت اور فوائد کو بیان کرتے ہیں۔ اور یہ دونوں کوششیں ایک دوسرے کے سخت معارض اور متناقض ہیں۔ کیونکہ مصنف رسالہ اور ان کے ہمنواؤں کے نزدیک قیاس حجج اربعہ شرعیہ میں سے ہے اور حجج شرعیہ سے مسائل کا نکالنا یا ادلہ شرعیہ کو استنباط یا استدلال کے لیے استعمال کرنا مجتہد کا کام ہے نہ کہ مقلد کا۔ پس اگر قیاس کو ثابت کیا جاتا ہے۔ یا اس کی ترغیب دی جاتی ہے تو اس کا صاف معنیٰ یہ ہے کہ مجتہد اور غیر مقلد ہو کر رہنے کی ترغیب دی جا رہی ہے اور قیاس کو استدلالاً استعمال کرنا دائرہ تقلید سے باہر نکل جانا ہے۔ اور اسی طرح یہ سارے عذر ختم ہو گئے کہ اب اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ یا اب اجتہاد کرنے کا کوئی اہل نہیں یا اب تقلید کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اور دوسری طرف اگر تقلید واجب ہے۔ اور اس کے بغیر چارہ نہیں تو پھر قیاس کی ترغیب دینا چہ معنی دارد اور بقول مصنف رسالہ اب ہم سب تقلید ہی کے دائرہ میں رہ سکتے ہیں تو پھر قیاس کون کرے گا؟

قیاس یا کسی اور دلیل شرعی سے استنباط کرنا یا استدلال کرنا صرف مجتہد کا کام ہے حالانکہ مصنف رسالہ جہاں اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اس وقت کسی کو تقلید کے بغیر کوئی

اور چارہ نہیں، وہاں اس پر بھی بہت زور دیتے ہیں کہ قیاس کے بغیر کوئی چارہ نہیں کئی مسائل میں بقول اُن کے علماء کو مجبور ہو کر قیاس ہی سے حل تلاش کرنا پڑتا ہے۔ اب انصاف فرمائیں ان دو متضاد باتوں میں سے کس بات کو اپنایا جائے۔ اگر تقلید کرنی ہے تو ان کو ادلہ شرعیہ (قیاس وغیرہ) سے استدلال کرنے کا کوئی حق نہیں رہتا بلکہ اُس کے لیے اُن کے امام کا قول ہی سند ہے۔ اما المقلد فمستنده قول امامه لاظنه ولاظنه (مسلم الثبوت) اور اگر قیاس کرنے کے لیے آمادہ ہوتے ہیں اور جرأت کرتے ہیں تو ان کو دائرہ تقلید سے باہر نکلنا پڑتا ہے۔ ؎

ان كنت لا تدري فتلك مصيبة
وان كنت تدري فالمصيبة اعظم

رسالہ مذکورہ کے رد کرنے کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ اُن کے مضمون کے دونوں حصے ایک دوسرے سے متعارض ہیں اور ایک دوسرے کا رد کرتے ہیں۔ بایں ہمہ ہم نے اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے رسالہ کا مفصل جواب بصورت کتاب تحریر کیا جو کہ ناظرین کی خدمت میں ہے۔ تفصیلی جواب سے پہلے اجمالی جواب لکھا گیا ہے جس میں رسالہ مذکورہ کے ستّرہ مقام نقل کر کے اُن پر مختصر تنقیدی نوٹ لکھے گئے ہیں جو کہ الزامی ہونے کے ساتھ اُن کے اندر ایک تحقیقی انداز بھی ہے۔ اور یہ ستّرہ مقام ایسے ہیں جن پر پورے رسالے کا محور چلتا ہے۔ ان کے جواب سے پورے رسالے کی بنا اُکھڑ جاتی ہے۔ اور انہی مختصر جوابات سے اہل علم کو تفصیل جواب سمجھنے میں نہایت آسانی ہو گی۔ تفصیلی جواب میں ہم نے آیات اور احادیث پھر اقوال علماء خصوصاً اقوال حنفیہ کو جمع کیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ان شاء اللہ اس تحقیقی دور کے علماء تقلید کی حقیقت کو بخوبی سمجھ لیں گے۔ حافظ ابن عبد البر جامع بیان العلم وفضلہ ص ۲۹۱ میں قصیدہ

لکھتے ہیں۔ جن میں سے کچھ اشعار پیش کیے جاتے ہیں۔ ؎

یا سائلی عن موضع التقلید خذ

عنی الجواب بفہم لب حاضر

واضع الی قولی ودن بنصیحتی

واحفظ علی بوادری ونوادری

لا فرق بین مقلد وبہیمۃ

تنقاد بین جنادل ودعاثر

دراصل یہی تقلید جس کی وجہ سے علم حدیث کی طلب اور سمجھنا یا حفظ کرنا اور اُس پر عمل کرنا۔ ان سب باتوں کا دروازہ تنگ نظر آرہا ہے۔ ورنہ سلف صالحین کو دیکھئے کہ وہ باوجود اس کے کہ اُن کو کئی مشاغل تھے۔ تجارت۔ ہنر۔ مزدوری اور ملازمت وغیرہ کے باوجود حدیث کے راوی۔ سامع۔ حافظ۔ کاتب۔ مُملی اور مُستملی وغیرہ نظر آتے ہیں۔ اور حدیث کے مذاکرہ اور مدارسہ وغیرہ میں مشغول پائے جاتے ہیں کتب احادیث کی سند وں میں راویوں کی نسبتیں دیکھتے ہیں۔ تو پتا لگتا ہے کہ یہ لوگ بموجب آیت رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله۔ الآیۃ (النور ع ۵ پ ۱۸) باوجود ان مصروفیات اور مشاغل کے کس قدر علم حدیث کے حاصل کرنے اور اُس کے نشر کرنے میں منہمک تھے۔ اُن میں سے چند نسبتیں یہ ہیں:۔ مثلاً۔

الآجری۔ الابار۔ الاسقاف۔ الاشنانی۔ البزار۔ البزاز۔ البقال۔ البواب۔ التاجر۔ التبان۔ التبوذکی۔ التراس۔ التمار۔ الثلاج۔ الجزار۔ الجصاص۔ الجلودی۔ الجندی۔

الجوهری۔ الحائك الحال۔ الحداد۔ الحذاء۔ الحرقی۔ الحریری
الحصری۔ الحطاب۔ الحفار۔ الحلوانی۔ الحفاء۔ الخباز۔ الخزاز۔
الخشاب۔ الخفاف۔ الخلال۔ الخیاط۔ الدباس۔ الدباغ۔ الدقاق۔
الدولابی۔ الدلال۔ الدیباجی۔ الذراع۔ الذہبی۔ الرزاز۔ الرفاع۔
الرماتی۔ الزیبتی۔ الزجاج۔ الزراد۔ الزعفرانی۔ الزیات۔ الساجی۔
السباق۔ السختیانی۔ الشالنجی۔ الشرطی۔ الشعیری۔ الصابونی۔
الصائغ۔ الصباغ۔ الصراف۔ الصفار۔ الصواف۔ الصیدلانی۔
الصیاد۔ الضراب۔ الطاطری۔ الطبیب۔ الطحان۔ الطسطی۔
الطیالسی۔ العسال۔ العصار۔ العصفری۔ العطار۔ الغزال۔
الفاکھی۔ الفامی۔ الفحام۔ الفراء۔ الفلاس۔ القاضی۔ القباب۔
القراطیسی۔ القراظ۔ القزاز۔ القصاب۔ القطان۔ القفال۔
القناد۔ القواریری۔ القواس۔ الکاغذی۔ الکباش۔ الکجی۔
الکحال۔ الکرابیسی۔ الکیال۔ اللباد۔ اللجام۔ اللؤلوی۔
اللارستانی۔ المجبّر۔ المجمر۔ المحاملی۔ المشاط۔ المطرز۔ المنجنیقی
المؤذن۔ المنجاد۔ النجار۔ النخاس۔ النحالی۔ النقاش۔ الوزان۔ الوزیر۔
الوکیل۔ اللالکائی۔ الیاقوتی۔ وغیرہ۔

وما یعلم جنود ربك الا ھو۔

چونکہ یہ لوگ تقلید کے پھندے سے آزاد تھے اس لیے باوجود ان مصروفیات
کے علم حدیث کو گاؤں بہ گاؤں، شہر بہ شہر جاکر کہیں سوار کہیں پیادے جاکر حاصل کرتے

اور دوسروں تک پہنچاتے۔ مگر بُرا ہو تقلید کا کہ ہم کو گھٹنوں کے بل بٹھا کر اس علم سے کافی محروم کر دیا۔ اور ہم صرف فقہی اقوال وآراء، واقیسہ پر قناعت کفایت کرنے لگے۔ اور تحقیق و دلائل کی چھان بین کر کے صحیح مسلک تلاش کرنا۔ یا مختلف اقوال میں سے حق کا انتخاب کرنا۔ اس کے لیے کسی محنت یا کاوش کو ضروری نہیں سمجھا اور صرف اسی فتویٰ کو سہارا سمجھا کہ ہمارے بڑوں نے فرمایا ہے کہ اب اجتہاد کا دروازہ بند ہے لہٰذا یہی طریقہ باقی ہے۔

فلیبك علی الاسلام من کان باکیا۔

اسی طرح سلف کی طوفانی کوششوں کو ہمیشہ کے لیے مسدود کرنے کی راہ نکالی گئی۔ حالانکہ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو فی زمانہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے کئی گنا اجتہاد اور تحقیق کی راہیں نہایت آسان کر دی ہیں۔ ہمارے اسلاف جو کہ ایک روایت کے لیے کئی مہینے پیدل سفر کرتے تھے۔ وہ اکثر سب حدیثیں ہمارے سامنے کتب اور مجموعات کی حیثیت سے موجود ہیں۔ پھر محدثین کے ابواب اور تراجم اور علماء کی شرح اور حواشی اور حواشی پھر لغت وادب اور بلاغت کی کتابوں کا عام ہونا۔ پھر جگہ جگہ مدارس اور جوامع کیا یہ سب اس بات کی دلیل نہیں کہ اس وقت تحقیق اور اجتہاد کا راستہ نہایت سہل ہے حدیثوں کی کتنی کتابیں جن کا صرف نام سنتے تھے۔ وہ آج پوری یا کچھ زیور طبع سے آراستہ ہو کر کتب خانوں کی زینت بنی ہوئی ہیں۔ مثلاً صحیح ابن خزیمہ۔ صحیح ابن حبان۔ مصنف عبدالرزاق۔ مصنف ابن ابی شیبہ معجم الکبیر للطبرانی۔ مسند الحمیدی۔ سنن سعید بن منصور وغیرہا۔ کیا ایسے دور میں بھی کسی عالم کے لیے شایان شان ہے کہ اتنے اسباب میسر ہونے کے باوجود بھی تقلید کے دائرے میں مقید رہے۔ یا اپنے آپ کو مقلد کہلائے۔ حاشا وکلا ہ

ساقی بیا کہ موسم عیش است وانبساط
خواہم شدن بسیر سنن اھدنا الصراط

آمدم برسر مطلب ہم نے جواب لکھ کر مولوی صاحب موصوف کی طرف روانہ کیا مگر حیلہ ساز را بہانہ بسیار۔ مولوی صاحب نے یہ جواب دے کر کتاب واپس کی کہ ہم نے کتاب مطبوع پیش کی تھی۔ آپ بھی مطبوع پیش کریں۔ اس جواب کا کیا مطلب ہے۔ اور اس کا کیا باعث ہے۔ یہ فیصلہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں۔

میرے دل کو دیکھ کر میری وفا کو دیکھ کر
بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

اس کتاب کا کچھ حصہ کچھ وقت پہلے ہفتہ وار اخبار الاسلام میں قسط وار شائع ہوا تھا۔ اب یہ کتابی صورت میں شائع ہو کر قارئین کے سامنے ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مقبولیت عام بخشے اور مصنف اور کاتب اور جن لوگوں نے اس کی طباعت کے لیے جانی و مالی محنت کی ہے۔ اُن سب کی اس نیک سعی کو قبول فرمائے۔ اور اس کتاب کو لوگوں کی رہنمائی کا سبب بنائے۔

انہ تعالیٰ قریب مجیب۔

المؤلف:۔ ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی غفرلہ ولوالدیہ

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمہ

اما بعد :- یہ رسالہ ہدایت مقالہ علامہ محمد ادریس کاندھلوی کے رسالہ " اجتہاد و تقلید " کے جواب میں لکھا جاتا ہے اور نام تنقید سدید بر رسالہ اجتہاد و تقلید " رکھا گیا ہے ۔ اُمید ہے کہ طالبان تحقیق کو حق و باطل کا امتیاز معلوم ہو جائے گا ۔ مفصل جواب سے پہلے چند عبارات نقل کر کے اجمالی نوٹ دیئے جاتے ہیں ۔

(۱) " سب سے بڑا شاہد عدل خود حضرات محدثین کا عمل ہے " ص۹ س۱ اب دیکھنا ہے کہ ان کا عمل اہل حدیث کے موافق ہے یا موجودہ علماء حنفیت کے ۔ نیز شاہد عدل کی بات ماننا تقلید نہیں تحقیق ہے ۔ اصول فقہ حنفی کی معتبر کتاب فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ص۴۰۰ ج ۲ فی ذیل المستصفی میں ہے وکذا رجوع العامی الی المفتی والقاضی الی العدول لیس ھذا الرجوع نفسہ تقلیداً اھ ۔ یعنی عامی کا مفتی کی طرف یا قاضی کا شواہد عدول کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں ہے ۔ ثابت ہوا کہ محدثین کا فیصلہ ماننا تقلید نہیں ہے بخلاف فقہا کے وہ تو ان کی شہادات (روایت کی ہوئی حدیثوں) کی طرف رجوع کرتے ہیں اور

انہی کے شواہد پر ان کا نفقہ موقوف رہا جیسا کہ قاضی کا فیصلہ شواہد پر موقوف ہوتا ہے پس دراصل یہ سلسلہ محدثین کا رہا نہ فقہار کا نیز فقہا بھی مقلد نہیں رہے اس لیے کہ گواہ کی گواہی کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں۔ کما مضیٰ۔

۲- "اہل حدیث تو تمام صحابہ تھے" صلا۱۳ ع الفصل ما شہد بہ الاعداء اس سے ثابت ہوا کہ اہل حدیث کوئی نیا فرقہ نہیں جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔ بلکہ یہ عہد نبوی کی قدیمی جماعت ہے۔ لیکن یہ بتائیں کہ کوئی ان میں حنفی، شافعی، مالکی یا حنبلی بھی تھا؟ اور ملا ایں خود انکار کر رہے ہو۔

۳- "سب کی اتباع کیا جائے تو اجتماع النقیضین لازم آئے گا" صلا جس کا مطلب یہ ہے کہ ائمہ کے یہ اقوال ایک دوسرے کے ایسے مخالف و معارض ہیں جو ایک کے قبول کرنے سے دوسرے کا رد لازم آئے گا جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ مختلف اقوال میں حق ایک ہی قول ہے۔ پھر چاروں مذہب کیسے حق ہوئے جو قول حق ہے اس کا معارض باطل ہوگا۔ نص قرآنی ہے کہ فماذا بعد الحق الا الضلال (یونس ع پ۱۱) اب حق و باطل کا معیار کیا ہر گا دلیل یا اور کوئی چیز؟ علی الاول اجتہاد ہوا تقلید نہیں رہی۔ فقہاء حنفیہ نے تصریح کر دی ہے کہ

التقلید العمل بقول الغیر من غیر حجۃ (فواتح الرحموت ص۴۰۰ ج ۲)

ترجمہ: "کسی قول پر بغیر دلیل کے عمل کرنا تقلید ہے۔"

اسی طرح آپ نے بھی صلا پر کہا ہے کما سیأتی۔ اور بصورت تقلید قول و حق باطل کا فرق معلوم نہیں ہوگا۔ اس لیے قرآنی حکم ہے کہ

فان تنازعتم فی شیءٍ فردوہ الی اللہ والرسول (النساء ع پ۵)

ترجمہ: "جس چیز میں اختلاف کریں اس کو (فیصلہ کے لیے) اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹاؤ۔"

یہ تقلید کا استیصال اور بیخ کنی ہے۔

۴۔ بلا دلیل دریافت کیے کسی فتوے پر عمل کرنا یہی تقلید شخصی ہے"۔ ص۱۱ س۱۹ یہی تعریف اہل لغت نے بھی کی ہے دیکھو صحاح جوہری ص۵۲۴ ج ۱ تاج العروس ص۲۱۵ ج ۲۔ اقرب الموارد ص۱۰۲۹ ج ۲۔ تہذیب اللغات للنووی ص۱۰۱ منجد ص۴۶۵ وغیرہ نیز فقہا بھی یہی کہتے ہیں دیکھو امام غزالی کا المستصفی ص۳۸۷ ج ۲ فواتح الرحموت ص۴۰۰ ج ۲ مع المستصفی اور دلیل فقہاء کے نزدیک چار قسمیں ہے۔ قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس دیکھو تلویح ص۱۹ ج ۱۔ نور الانوار ص۹ حسامی ص وغیرہ۔ یہاں چند اُمور معلوم ہوئے اوّل یہ کہ تقلید علم نہیں بلکہ جہل ہے امام غزالی فرماتے ہیں کہ

التقلید ھو قبول قول بلا حجۃ ولیس ذالك طریقا الی العلم لا فی الأصول ولا فی الفروع (المستصفی ص۳۸۵ ج ۲) "بلا دلیل کسی قول کو قبول کرنا تقلید ہے اور یہ علم کی طرف پہنچنے کا طریقہ نہیں ہے نہ اُصول میں نہ فروع میں"۔

اور فواتح الرحموت ص۴۰۰ ج فی ذیل المستصفی میں ہے کہ

لیس التقلید طریقا الی تحصیل العلم الیقینی "تقلید علم یقینی کے حاصل کرنے کا طریقہ نہیں ہے"۔

پس جو چیز علم حاصل کرنے کا طریقہ نہیں اس کو واجب یا ضروری کہنا کب درست ہے

دوم تقلید اس کو متلزم ہے کہ ان چار دلائل کو نہ دیکھا جائے۔ پھر جو چیز قرآن، حدیث کے دیکھنے سے مانع ہو وہ واجب یا ضروری تو کجا مباح یا درست بھی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ آپ کے فقہاء نے صاف لکھا ہے کہ

اما المقلد فمستندہ قول مجتہدہ لا ظنہ ولا ظنہ (مسلم الثبوت ص۵ مجتبائی دہلی)

"مقلد کا دلیل فقط اس کے مجتہد (جس کا مقلد ہے) کا قول ہے نہ اس کا اپنا ظن اس کے مجتہد کا۔

پس مقلد کے لیے قرآن و حدیث حجت نہیں رہے اور وہ ان سے محروم رہا۔

سوم امام ابوحنیفہ رح کا فرمان ہے کہ

لا ینبغی لمن لم یعرف دلیلی ان یفتی بکلامی (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۷ ج ۱)

"جو شخص میری دلیل کو نہ جانے اس کو مناسب نہیں کہ میرے کلام پر فتوے دے۔

اور فواتح الرحموت ص ۴۰۲ ج ۲ فی ذیل المستصفی میں ہے کہ

وعن ائمتنا لا یحل لاحد ان یفتی بقولنا ما لم یعلم من این قلنا ای من ای اصول قلنا وفتینا فان کان من الخبر فمن ای سند روی وان کان من قیاس فیاتی علۃ قیس ویعلم موانع تلک العلۃ ثم فی النص یعلم ما یتعلق بہ کذا نقل فی التفسیر عن الشیخ ابی بکر الجصاص الرازی" ہمارے ائمہ سے مروی ہے کہ اس شخص کو ہمارے قول پر فتوے دینا حرام ہے جس کو یہ علم نہیں کہ ہم نے کہاں سے کہا اور کس اصول سے کہا یا فتوے دیا اگر حدیث ہے تو وہ کس سند سے مروی ہے اور اگر قیاس ہے تو کس علت سے اور علت کے موانع اور نصوص کے متعلق جو باتیں ہیں وہ بھی اس کو معلوم ہوں"

اور دلیل چہارم ہے کما مر۔ اس بنا پر ائمہ حنفیہ کے قول کے مطابق تقلید حرام ہوئی کیونکہ تقلید بلا دلیل کسی قول پر عمل کرنا ہے۔

۵۔ اُمت نے بلا دلیل دریافت کیے ان کے فتوؤں پر عمل کیا اور ان کی تقلید کی اور اتباع کو اپنے لیے ذریعۂ ہدایت سمجھا اور اسی پر تمام اُمت کا اجماع ہو گیا" ص ۸۳ س ۳ **تفصیلی بحث تو اپنی جگہ** پر آئے گی مگر بقول مصنف یہ معلوم ہوا کہ تقلید اجماع کی مؤید ہے اور مقلد رہنا اجماع پر عمل کرنا ہے۔ پس یہ بھی تقلید نہ رہی کیونکہ :۔

فالرجوع ..... الی الاجماع لیس منہ فانہ رجوع الی الدلیل (فواتح الرحموت

منہ ج ۲ مع المستصفی) "اجماع کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں کیونکہ یہ رجوع الی الدلیل ہے۔"

۶۔ "صحابہؓ و تابعینؒ کے زمانہ میں تقلید شخصی کا التزام اس لیے نہ تھا" الخ اسی طرح شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ ص۱۵۲ ج ۱ میں فرمایا ہے کہ:۔

ان اھل المائۃ الرابعۃ لم یکونوا مجتمعین علی التقلید الخالص علی مذھب واحد والتفقہ لہ والحکایۃ لقولہ کما یظھر من التتبع" چوتھی صدی کے لوگ کسی خاص شخص کی تقلید خالص پر متفق نہیں تھے اور نہ کسی خاص شخص کی فقہ کے پابند تھے۔ اور نہ ہر امر میں اس کے قول کو نقل کرتے تھے جیسا کہ تتبع سے ظاہر ہوتا ہے۔ (نعمۃ اللہ السابغہ ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ ص۲۵۵ ج ۱ المطابع

پس جو چیز قرون اولیٰ میں موجود ہی نہ تھی اس کو واجب یا فرض کہنا جرأت ہے اور جو ضرورت بتائی جاتی ہے کہ شاید اگر ایسا ہوتا تو ضرور اللہ کے علم میں ہوتا۔ اور ضرور قرآن میں یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ایسی ضرورت بتا دیتا واذ لیس فلیس۔

۷۔ "ایک کا ذوق اور فہم دوسرے پر حجت نہیں" ص۹۲ س۱۶ جس کا مطلب کہ ایک دوسرے کی تقلید نہ کرے بلکہ ہر ایک اپنی فہم کے مطابق عمل کرے جو کچھ قرآن حدیث سے سمجھے اس کو عمل میں لائے اسی طرح ص۶۸ س۱۶، ۱۷ پر آپ کا یہ قول کہ "پس جس طرح انبیاء کرام کی اطاعت عین حق تعالیٰ کی اطاعت ہے اس طرح ائمہ دین کی اطاعت بھی بلاشبہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی ہی اطاعت ہے" غلط ہے کیونکہ قرآن کو حدیث کی روشنی میں سمجھنا سب مسلمانوں کا مذہب ہے۔ اور قرآن میں بھی یہی ارشاد ہے کہ:۔ ویعلمھم الکتاب والحکمۃ (البقرۃ، آل عمران، الجمعۃ) لیکن اللہ اور رسولؐ کے قول کو کسی دوسرے کی فہم کی روشنی میں سمجھنا یہ نہ اللہ کا حکم ہے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ اس پر اجماع امت ہے۔

۸ "ہر چیز کا حکم نص قرآن اور نص حدیث میں موجود نہیں" صفحہ ۹ سطر ۱۲ یہ غلط ہے احکام شرعیہ چار صورتوں میں منحصر ہیں۔ جیسا کہ ذیل کی حدیث سے ظاہر ہے۔

عن ابی ثعلبة الخشنی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ فرض فرائض فلا تضیعوھا وحد حدودا فلا تعتدوھا وحرم اشیاء فلا تنتھکوھا وسکت عن اشیاء رحمة لکم من غیر نسیان فلا تبحثوا عنھا۔ حدیث حسن۔ "ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرائض فرض کیے ہیں اُن کو ضائع نہ کرو اور حدود مقرر فرمائے ہیں ان سے آگے مت گذرو اور کئی چیزیں حرام کی ہیں ان کے قریب مت جاؤ اور بعض کے متعلق تم پر مہربانی کرتے ہوئے سکوت فرمایا ہے۔ اور اس کو بھول نہیں ہوئی۔ ان سے بحث نہ کرو" رواہ دارقطنی وغیرہ (الاربعین النوویة ص۲۶)

سب احکام انہی چار چیزوں میں آجاتے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو ہر چھوٹا بڑا مسئلہ آیات یا احادیث سے مل جاتا ہے آپ کے اس قول کے بجائے یہ صحیح تھا کہ کئی مسائل ہم کو بوجہ قصور فہم و علم و استدلال نہیں معلوم ہوتے۔ لیکن دوسروں کو ہو سکتے ہیں وفوق کل ذی علم علیم۔ (یوسف ع ۹ پ ۱۳) ولنعم ما قیل ؎

جمیع العلم فی القرآن لکن تقاصر عنہ افہام الرجال

لیکن اس قصور کی بناء پر یہ کہہ دینا کہ کئی مسائل قرآن و حدیث میں نہیں غلط ہے۔ علاوہ ازیں استنباطی مسائل میں فقہا کا اختلاف لازمی ہے پس کیا آپ کا قول بمطابق "ایک کا ذوق اور فہم دوسرے پر حجت نہیں"۔ یہاں مسئلہ کو صاف نہیں کر دیتا ہے اور تقلید کو ختم نہیں کر دیتا ہے؟

۹ - "علم اور تقویٰ میں غیر معمولی انحطاط ہو گیا" صفحہ ۹ سطر ۱ بلکہ واقعہ یہ بتاتا ہے کہ متاخرین

میں کئی لوگ بلنسبت متقدمین کے زیادہ اعلم وافقہ نظر آتے ہیں مثال کے طور پر دوسرے مکاتب فکر کو چھوڑ کر مذہب حنفی کو لیجئے اور امام محمد کی کتاب الحج و موطأ و آثار کا الجوہر النقی سے مقابلہ کریں اسی طرح امام ابو یوسف کی کتاب الآثار کا طحاوی کی شرح معانی الآثار سے مقابلہ کریں نیز معانی الآثار کا نصب الرایہ للزیلعی سے شرح مسند ابی حنیفہ علی قاری کو المواہب اللطیفہ شرح مسند ابی حنیفہ محمد عابد سندھی سے عقود والجواہر المنیفہ کا آثار السنن نیموی سے مرقاۃ کا التعلیق الصبیح سے الجوہر النقی کا عمدۃ القاری سے مقابلہ کریں۔ آپ کو بھی نظر آئے گا کہ یہ متأخر زبان حال کہہ رہا ہے کہ ؎

وانی وان کنت الاخیر زمانہ لآت بما لم تستطعہ الاوائل

اسی بنا پر امام شوکانی رح نے کہا ہے کہ

فان الاجتہاد علی المتأخرین ایسر واسہل من الاجتہاد علی المتقدمین ولا یخالف فی ھذا من لہ فہم صحیح وعقل سوی (ارشاد الفحول ص۲۵۴)

"متقدمین کی بہ نسبت متاخرین پر اجتہاد آسان اور سہل ہے اس کا کوئی صاحب فہم وعقل خلاف نہیں کر سکتا ہے۔

پس جب اجتہاد آسان ہے تو تقلید ممنوع ہوئی جیسا کہ آپ نے خود لکھا ہے کہ "جس شخص کو حق تعالٰے نے قوت اجتہادیہ عطا فرمائی ہے اس کو تقلید جائز نہیں اس کو اپنے اجتہاد پر عمل کرنا واجب ہے۔" ص۶۶ سالا

۱۰ "صحیح بخاری جس کے اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہونے پر امت کا اجماع ہے۔"

یہاں چند امور معلوم ہوئے۔

(الف) اس کتاب کی صحت اور معتبر ہونا یقینی ہے کیونکہ جو چیز اجماع سے ثابت

ہو وہ یقینی ہوتی ہے کما فی کتب الاصول اور کسی دوسری کتاب کی صحت پر ایسا اتفاق واجماع نہیں لہذا آپ کے فیصلہ کے مطابق وہ سب یقینی نہیں ہوئے پس دع مایریبک الی مالا یریبک پر ہی عمل کیا جائے۔

(ب) صحیح بخاری پر عمل کرنا تقلید نہیں کیونکہ جو اس کی طرف رجوع کرے گا وہ اس کو صحیح سمجھ کر جس پر کہ اجماع ہو چکا ہے۔ پس یہ رجوع إلی الاجماع ہے تقلید نہیں۔

(ج) جو کتاب سب سے اصح ہے اس کے ہوتے ہوئے دوسری فقہی کتابوں کی طرف رجوع کرنا مناسب نہیں۔ اگر کہیں گے کہ سارے مسائل بخاری شریف میں نہیں ہیں لیکن جو اس میں مذکور ہیں کم از کم ان کے متعلق آپ کو بقول اپنے اسی کتاب پر قناعت وکفایت کرنی چاہیے نیز باقی مسائل حدیث کی دوسری کتابوں میں مل سکتے ہیں اور ہمارا حسن ظن ہے کہ آپ حدیث کی کتابوں کو کم از کم ان فقہی کتابوں سے تو اقدم جانتے ہوں گے۔

(د) بخاری کی حدیثیں دوسری کتابوں کی حدیثوں کے لیے معیار کا درجہ رکھتی ہیں۔

۱۱۔ " اگرچہ صحابہؓ میں مذاہب اربعہ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی نہ تھے" صلا سلا اس شہادت حقہ کے بعد اب کیا رہ گیا۔ جب کہ پہلے تسلیم کر چکے ہو کہ صحابہؓ سب اہل حدیث تھے جیسا کہ فقرہ ۲ میں گذرا۔ پس قدیم جماعت اور اصل اہل حدیث ہی ہوئی اور باقی جدید اور بعد کی پیداوار ہیں اور حدیث شریف ذیل کی ملاحظہ فرمائیں۔

تفترق أمتی علی ثلاث وسبعین ملة کلھم فی النار إلا ملة واحدة قالوا من ھی یا رسول اللہ قال ما أنا علیہ وأصحابی رواہ الترمذی (مشکوٰۃ ص۳۰)

"آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے ایک کے سوا سب جہنم میں جائیں گے (صحابہؓ نے) کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ (نجات پانے والی) کون سی جماعت ہے فرمایا کہ جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں"۔

آپ نے خود مانا کہ اہل حدیث صحابہؓ تھے اور چاروں فرقے صحابہؓ کے زمانہ میں نہیں تھے۔ اور بعد کی پیداوار ہیں۔ اب اس حدیث کے مطابق خود فیصلہ کریں کہ ناجی فرقہ کون ہے

مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے آئینہ دیکھئے گا ذرا دیکھ بھال کے

۱۲ "قواعد محدثین کی پابندی اور اتباع واجب ہے" ص۱۰۳ ۱ ان کے قواعد میں یہ بھی فقرات ہیں کہ

(الف) صحیحین کی متفق علیہ روایات مقدم ہیں (شرح نخبۃ ص۳ تہذیب الراوی ص۲۶ مقدمہ شیخ عبدالحق بر مشکوٰۃ ص۳ المدخل فی أصول الحدیث للحاکم ص۸ مقدمہ ابن الصلاح ص۹ الباعث الحثیث لابن کثیر ص۲۵ عجالہ نافعہ شاہ عبدالعزیز ص۶ وغیرہا من کتب الاصول

(ب) مرسل و منقطع روایتیں غیر مقبول ہیں۔ دیکھو شرح نخبۃ ص۵ الفیۃ للسیوطی ص۱۳ معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص۲۶ الباعث الحثیث ص۴۸ مقدمہ ابن الصلاح ص۳۶ وغیرہ

(ج) جو روایت صرف عراق و کوفہ سے آئی ہو اور حجاز میں اس کا اصل نہیں ملتا ہو وہ بے اصل ہے ملاحظہ ہو تدریب الراوی ص۲۳ وغیرہ

کیا ان فقرات کے بھی پابند رہیں گے؟

۱۳ "ہم نے امام اعظم ابو حنیفہ رحؒ کو سب ائمہ مجتہدین سے افضل سمجھ کر ان کی تقلید کو اختیار کیا اور ان کے مذہب کو دیگر ائمہ کے مذاہب سے راجح سمجھ کر اپنے لیے راہ عمل بنایا" ص۱۱۴ سطر۲

اعلم و افضل کو معلوم کرنا خود اجتہاد ہے۔

وھو ضرب من الاجتھاد فانہ لایکون الا بالتأمل فی الرجال لیعرف اعلم۔ فواتح الرحموت ص۲۹۲ ج ۲ مع المستصفی۔) "زیادہ جاننے والے کو معلوم کرنا بھی اجتہاد کی قسم ہے کیونکہ لوگوں کے حالات میں تامل کیے بغیر یہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

پس جب آپ نے امام ابوحنیفہ رح کا اعلم وافضل ہونا معلوم کر لیا تو آپ غیر مقلد ٹھہرے اسی طرح ترجیح مذہب کا آپ کو کیسے علم ہوا؟ جب کہ آپ اپنے کو مقلد سمجھتے ہیں کیونکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ سب ائمہ کے دلائل معلوم ہوں پھر ان کا وزن پھر دلالت پھر طریقۂ استدلال معلوم ہو پھر اتنی استعداد ہو کہ ان میں ترجیح دے سکے۔ یہ سب کام مجتہد کے ہیں نہ مقلد کے اب آپ ایمان سے کہیں کہ آپ مقلد ہیں یا مجتہد غیر مقلد علی الاول آپ کو امام ابوحنیفہ رح کا اعلم ہونا یا اس کے مذہب کا راجح ہونا کیسے معلوم ہوا وعلی الثانی آپ غیر مقلد ہو گئے اور اگر کسی اور کے کہنے پر فیصلہ دیا ہے تو آپ اس کے مقلد ہوئے ؎

من نہ گویم کہ ایں مکن آں کن   مصلحت بیں وکار آساں کن

جو وجوہات آپ نے لکھی ہیں ہم ان کی داد دیتے ہیں لیکن اپنے آپ کو خواہ مخواہ مقلد کہہ کر آیت ولو شئنا لرفعناہ بھا ولکنہ اخلد الی الارض (الاعراف ع ۲۲ پ ۹) کا مصداق نہ بنیے۔

۱۴ "اور تابعیت کی فضیلت ائمۂ مجتہدین میں سوائے امام ابوحنیفہ رح کے اور کسی امام کو حاصل نہیں ہوئی"۔ ص۱۴ سنا اور تابعین کی تقلید حنفیہ کے نزدیک ممنوع ہے دیکھو عبارات وفی ظاھر الروایۃ لاتقلید اذھم رجال ونحن رجال (تلویح ج ۲ ص ۱۶ مصری)
"فقہ کی ظاہر روایت بموجب تابعیوں کی تقلید نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ وہ بھی مرد ہیں ہم بھی مرد ہیں"۔

وفی روایۃ لا اقلد ھم ھم رجال اجتھدوا ونحن رجال نجتھد

(فواتح الرحموت ص۱۸۸ ج ۲ مع المستصفی) "امام ابوحنیفہ رح سے ایک روایت ہے کہ میں تابعیوں کی تقلید نہیں کروں گا۔ بلکہ وہ مرد تھے جنھوں نے اجتہاد کیا ہم بھی مرد ہیں اور اجتہاد کریں گے۔"

اسی طرح نورالانوار ص۲۱۷ میں بھی ہے البتہ فقہاء نے اس کی تقلید کو جائز رکھا ہے جس کا فتوی صحابہ رض کے زمانہ میں ظاہر ہوچکا ہو۔ اور ظاہر ہے کہ یہ مقام چاروں اماموں میں سے کسی کو حاصل نہیں پس بموجب اصول حنفیہ چاروں اماموں کی تقلید ممنوع ہوئی۔

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا میرے حق میں زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہ کنعاں کا

۱۵- "احکام شرعیہ کو کتاب اللہ وسنت نبوی اور سنت خلفاء راشدین اور فتاوی صحابہ رض وتابعین سے اخذ کرکے بتصریح و توضیح ان کو مدون کیا" ص۱۱۸ س۱۲ جس کا مطلب کہ امام صاحب کے سب اقوال مؤید بالوحی ہیں اور ذیل کی عبارت پڑھیں۔

الاخذ من المؤید بالوحی لیس تقلید (مسلم الثبوت ص۲۹) "مؤید بالوحی قول کو لینا تقلید نہیں ہے۔"

اب بتائیں کہ امام صاحب رح کے سب اقوال مؤید بالوحی ہیں یا بعض یا کوئی نہیں۔ علی الاول اگرچہ آپ ان کے متبع ہیں تو بھی غیر مقلد ہوئے وعلی الثانی تفصیل بتائیں کہ کونسا مؤید بالوحی ہے کونسا نہیں۔ یہ تفصیل بھی مجتہد کا کام ہے مقلد کا نہیں۔ اگر آپ کو تفصیل معلوم نہیں تو آپ کا مذہب مشکوک رہا۔ وعلی الثالث جس کو آپ خلاف وحی جانتے ہیں اس کی اتباع کیسے کرتے ہیں؟

وان کنت لا تدری فتلک مصیبۃ
وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم

۱۶۔ "امام ابوحنیفہؒ نے تدوین فقہ کے لیے ایک مجلس منعقد کی جس کے ارکان و نمبر کا ر کی تعداد چالیس تھی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس طرح فقہ حنفی چالیس کبار علماء کے مشورہ سے ہوئی ہوا۔" صد۱۹ سے ۵، سے ۱۲ وہ کتاب کہاں گئی؟ افسوس کہ مقلدین کی کتب ہر جگہ پائی جاتی ہیں لیکن امام کی کتاب ندارد۔ اگر موجودہ فقہ اس کے موافق ہوتی تو اس کو گم نہ کر دیا جاتا۔ مقام غور ہے کہ فقہ میں کتنے مختلف اقوال ملتے ہیں اگر وہ کتاب جو کہ اتنے اہتمام سے جمع کی گئی وہ ہوتی تو امام صاحبؒ کا صحیح قول معلوم ہو جاتا۔ مگر اس کو گم کرنے سے ہر ایک کو موقع مل گیا اور جو چاہا امام صاحب کی طرف منسوب کر دیا۔ پس امام صاحبؒ کا صحیح مسلک ان کتابوں میں نہیں مل سکتا۔ بلکہ اس کا قول ہے کہ

اذا صح الحدیث فھو مذھبی (شامی ۴۸ ج ۱) "جب بھی کوئی حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔"

جس کا مطلب کہ امام صاحبؒ کا مذہب کتب حدیث میں ہے نہ کتب فقہ میں اور ایمان کا تقاضا یہ ہے ان جھگڑے والی کتابوں کو چھوڑ کر صحیح حدیثوں کی طرف رجوع کیا جائے اس میں امام صاحب کے شیدائیوں کو اس کا اتباع بھی یقینی طور پر حاصل ہو جاتی ہے۔

۱۷۔ "علماء کی جو نکتہ چینی فقۂ حنفی پر ہوئی اور کسی فقہ پر نہیں ہوئی۔ ۔ ۔ ۔ اور فقہ ابی حنیفہؒ ہی سب کا نشانہ بنی ہوئی تھی" صد۱۲ سنا سے ۱۳ جس فقہ کے علماء خلاف ہوں اور اس کو اپنی تنقید کا نشانہ بنا کر رکھیں وہ کیسے درست و قابل اخذ ہو سکتی ہے نیز اگر یہ بات ہے تو فقہ حنفی پر تنقید کو برا کیوں سمجھتے ہو۔ اور اگر یہی وجہ فقہ حنفی کی ترجیح کی ہے تو پھر علماء کو ترغیب دلائیں کہ سب کام چھوڑ کر رات دن اس کی تردید کریں تا کہ اس کی حقیقت منکشف ہوتی جائے اور اس کو مزید ترجیح حاصل ہوتی جائے۔ اور اگر آپ تنقید سے خفا ہوتے ہیں۔ تو اس کو کیسے قابل فخر

سمجھتے ہیں؟

اس اجمالی جواب کے بعد تقلید کی تردید میں چند

"سلف کے اقوال"

نقل کرتے ہیں تاکہ جواب میں روانگی و آسانی ہو۔

۱۔ جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

لا یقلدن رجل رجلا (مجمع الزوائد و میزان کبریٰ شعرانی ص۱۷ ج ۱)

"کوئی شخص کسی شخص کی تقلید نہ کرے"۔

۲۔ جناب معاذ بن جبل رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

اما العالم فان اھتدی فلا تقلدوہ دینکم (اعلام الموقعین لابن القیم ص۱۷۴ ج ۲ مصری) "عالم کو پھسلنے سے بچنے کا یہ طریقہ ہے کہ وہ صاحب ہدایت ہو جائے تو اپنے دین میں اس کی تقلید نہ کیا کرو۔

۳۔ بعینہ ایسے الفاظ جناب سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمائے ہیں۔ (اعلام الموقعین ص۱۷۵ ج ۲)

۴۔ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

ایاکم الاستنان بالرجال (جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر ص۱۱۴ ج ۲)

"اپنے آپ کو لوگوں کی سنت اور ان کے طریقہ لینے سے بچائیں"۔

آپ کے اس فرمان کو سننے والے صحابہؓ اور تابعینؒ تھے اور یہ تصریحات صاف بتاتی ہیں کہ صحابہؓ کے زمانہ میں تقلید ممنوع تھی۔ اب تابعینؒ اور بعد والوں کے اقوال دیکھیں

۵۔ عامر بن شراحیل شعبیؒ فرماتے ہیں کہ

ما حدثوك هؤلاء عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخذ بہ وما قالوہ برأیھم فالقہ فی الحش۔ (سنن دارمی ص۴۷ حجۃ اللہ البالغہ ص۱۴۹ ج۱)

"یہ لوگ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کریں اس کو لے لو اور جو اپنی رائے سے کہیں اس کو گندگی میں پھینک دو۔"

ناظرین امام شعبیؒ کبار تابعین میں سے ہیں پانچ سو صحابہؓ سے ان کی ملاقات ہے (تذکرۃ الحفاظ ص۷۶ ج۱) اور ہؤلاء سے ان کا اشارہ ان کے زمانہ کے لوگ صحابہؓ اور تابعینؒ کی طرف ہے۔ پس جب ان کی رائے حجت نہیں تو پھر تابعینؒ اور ان کے بعد والوں کی کب حجت و قابل اخذ ہو سکتی ہے اور امام شعبیؒ چونکہ صحابہؓ کے زمانہ ہی میں مسندِ فتویٰ پر متمکن تھے (تذکرۃ الحفاظ للذہبی ص۷۶ ج۱) اس لیے اس کا یہ قول حنفیہ کے لیے قابلِ اتباع ہے۔

۶۔ عبداللہ بن المعتز کا قول ہے کہ

لافرق بین بھیمۃ تقاد وانسان یقلد (جامع بیان العلم ص۱۱۲ ج۲ اعلام الموقعین ص۱۷۱ ج۲) "جو جانور (باندھ کر) کھینچا جاتا ہے اس کے اور اس انسان کے درمیان کوئی فرق نہیں جو تقلید کرتا ہے۔"

جانور اپنے کھینچنے والے کے پیچھے ایسا جاتا ہے کہ اس کو یہ خبر نہیں کہ مجھے گھاس کھلانے کے لیے لے جا رہا ہے یا کسی اور کام کے لیے یا بیچنے کے لیے یا ذبح کرنے کے لیے۔ اسی طرح مقلد کو بھی علم نہیں کہ وہ جس کے پیچھے لگتا ہے وہ حق پر لے جا رہا ہے یا باطل پر۔ کیونکہ اس کو نہ دلیل معلوم ہے نہ اس کا امام معصوم اس لیے مولانا روم نے مثنوی میں خوب کہا ہے کہ: ؎

۷۔ پس مقلد ہست چوں طفل علیل گرچہ دارد بحث باریک دلیل

آں مقلد نیز مانند کور ہست اندراں شادی کہ او را رہبر است

۸۔ اور مولانا سعدی علیہ الرحمۃ نے بوستان میں یوں کہا ہے ؎

عبادت بتقلید گمراہی است خنک رہروی را کہ آگاہی است

۹۔ امام ابو حنیفہ رح سے مقدمہ ہدایہ صـ۹۳ میں چار اماموں کے اقوال منقول ہیں کہ:۔

لا یحل لأحد أن یأخذ بقولی ما لم یعلم من أین قلت ونهی من التقلید وندب إلی معرفة الدلیل۔ (مقدمہ ہدایہ صـ۹۳ ج ۱) "اس شخص کو میرا قول لینا حلال نہیں جو کہ یہ نہیں جانتا کہ میں نے کس دلیل سے کہا اور امام صاحب نے تقلید سے منع کیا اور دلیل کے جاننے کی ترغیب دلائی"۔

امام ہمامؒ کے قول سے ایک طرف تقلید کی منع معلوم ہوئی اور دوسری طرف دلیل کی اتباع کا حکم ہوا۔ نیز یہ معلوم ہوا کہ دلیل کو معلوم کر لینا تقلید نہیں۔

۱۰۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:۔

إنما أنا بشر أخطئ وأصیب فانظروا فی رأیی فکلما وافق الکتاب والسنة فخذوه وکلما لم یوافق فاترکوه (جلب المنفعة صـ۹۸) "میں تو انسان ہوں صواب اور خطا دونوں کرتا ہوں۔ آپ میری رائے میں دیکھا کریں جو بات قرآن و حدیث کے موافق ہو اس کو لے لیں اور جو خلاف ہو اسے چھوڑ دیں۔

امام صاحبؒ نے تقلید کو بالکل ختم کر دیا۔ کیونکہ دلیل کے دریافت کرنے کا حکم دیا ہے اور بلا دلیل دریافت کیے کسی کے فتوی پر عمل کرنا ہی تقلید شخصی ہے۔ (الاجتہاد والتقلید صـ۸۰)

۱۱۔ امام شافعیؒ نے تقلید سے صاف منع فرمایا ہے چنانچہ ان کا شاگرد امام مزنیؒ کہتا ہے کہ

مع اعلامہ نہیہ عن تقلیدہ وتقلید غیرہ لینظر فیہ لدینہ ویحتاط لنفسہ (مختصر المزنی ص۲ ج۱۔ علی ہامش کتاب الام) "امام شافعیؒ نے اپنی خواہ دوسروں کی تقلید کرنے سے منع فرمایا ہے اور حکم دیا ہے کہ ہر ایک اپنے دین کے لیے خود دیکھے اور احتیاط سے کام لے"۔

۱۲۔ امام احمد بن حنبل رح فرماتے ہیں کہ :۔

لا تقلدنی ولا تقلدن مالکا ولا الاوزاعی ولا النخعی ولا غیرہم وخذوا الاحکام من حیث اخذوا من الکتاب والسنۃ (عقد الجید ص۵۸) "نہ میری تقلید کرو نہ مالکؒ کی نہ اوزاعیؒ کی نہ کسی اور کی بلکہ جس طرح انھوں نے احکام اور مسائل قرآن وحدیث سے لیے ہیں۔ آپ بھی وہیں سے لیا کریں"۔

ابوداؤد رح کو آپؒ نے فرمایا کہ

لا تقلد دینک احدا من ہؤلاء (اعلام الموقعین ص۱۸۱ ج۲ مصری)

"ان میں سے کسی ایک کی دین میں تقلید نہ کرو"۔

ناظرین ائمہ اربعہ کے اقوال سے ظاہر ہے کہ تقلید ممنوع چیز ہے۔ پھر بھی اس پر زور دینا اور واجب ضروری قرار دینا اور غیر مقلدوں کو مجرم یا غلط کہنا کہاں کا انصاف ہے؟

عجب تو یہ ہے کہ امام ایک طرف مقتدی دوسری طرف ع

عجب بہر زہ طرفے شود مقابل ما

۱۳۔ حنفی مذہب کے امام طحاوی رح فرماتے ہیں :

ھل یقلد الا عصی (لسان المیزان ص۲۸ ج۱) "تقلید نافرمان ہی کرتا ہے"۔

۱۴۔ حنفی مذہب میں چوٹی کے عالم شمس العلماء سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ

ولو جاز التقلید لکان من مضی من قبل ابی حنیفۃ مثل الحسن البصری وابراھیم النخعی رحمھم اللہ احری ان یقلدوا (المبسوط للسرخسی ص۲۸ ج ۱۲) کتاب الوقف۔ "اگر تقلید جائز ہوتی تو امام ابوحنیفہؒ سے پہلے جو تھے مثلاً حسن بصری ابراہیم نخعیؒ وہ زیادہ حقدار تھے کہ ان کی تقلید کی جائے۔"

سرخسیؒ کے قول سے ظاہر ہوا کہ تقلید جائز نہیں اور سلف میں اس کا رواج نہ تھا نیز بعض کا یہ کہنا بھی غلط ہوا کہ قرون اولیٰ کی نسبت متاخرین کے لیے تقلید ضروری ہے۔

۱۵۔ حنفی مذہب کے قابل فخر عالم علامہ جاراللہ زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ

ان کان للضلال اُم فالتقلید اُمّہ (اطواق الذھب ص۴۲) "اگر گمراہی کی ماں کوئی ہے تو تقلید ہی ہے۔"

۱۶۔ علامہ آلوسی بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ

ان کان للضلال اب فالتقلید ابوھا۔ (روح المعانی ص) "اگر گمراہی کا کوئی باپ ہے تو تقلید ہی ہے۔"

اسی طرح امام غزالیؒ کی کتاب المستصفی حافظ ابن عبدالبر کی جامع بیان العلم وفضلہ امام ابن حزم کی کتاب الاحکام حافظ ابن قیمؒ کی اعلام الموقعین کے فصول تقلید کی تردید سے بھرے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد اب

"تفصیلی جواب"

ملاحظہ فرمائیں۔

قولہ ص۵ س۹ "سوائے معدودے چند کے تمام محدثین اور تمام اولیاء اللہ اور عارفین ائمہ اربعہ کی تقلید کرتے چلے آئے ہیں۔"

اقول: آپ خود صفحہ ۱۶ پر مان چکے ہیں کہ صحابہؓ و تابعینؒ کے زمانہ میں تقلید شخصی کا التزام نہ تھا۔ نیز امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ

قد صح إجماع الصحابة كلهم أولهم عن آخرهم وإجماع التابعين أولهم عن آخرهم وإجماع تابعي التابعين أولهم عن آخرهم على الإمتناع والمنع من أن يقصد منهم أحد إلى قول إنسان منهم أو ممن قبلهم فيأخذه كله (حجة الله البالغة صفحہ ۱۵۴ ج ۱) "تمام صحابہؓ تمام تابعینؒ اور تمام تبع تابعینؒ کا اتفاق ہو چکا ہے کہ کسی انسان کے قول کی طرف قصد کرنا خواہ وہ اس کے زمانے کا ہو یا سابق لوگوں میں سے ہو اور اس کی ہر بات کو تسلیم کرنا ممنوع ہے۔ (نعمۃ اللہ السابغہ ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ مصنفہ شیخ عبدالحق حقانی صفحہ ۳۶۲ ج ۱ اصح المطابع)

اسی طرح امام ذہبیؒ کے تذکرۃ الحفاظ کا مطالع کریں جس میں تراجم اہل حدیث جمع ہیں۔ اور اپنے زمانہ تک ذہبیؒ نے یعنے ساتویں صدی ہجری تک ہر زمانہ میں اہل حدیث غیر مقلدوں کے رہنے کا پتہ دیا ہے اور طبقہ ثامنہ تک سب اہل حدیث بتائے ہیں اور پھر تاسع کے اخیر میں فرماتے ہیں کہ

ولقد كان في هذا العصر وما قاربه من أئمة الحديث النبوي خلق كثير. وما ذكرنا عشر هم هنا وأكثرهم مذكورون في تاريخي وكذالك كان في هذا الوقت خلق من أئمة أهل الراى والفروع وعدد من أساطين المعتزلة والشيعة وأصحاب الكلام الذين مشوا وراء المعقول وأعرضوا عما عليه السلف من التمسك بالآثار النبوية وظهر في الفقهاء التقليد وتناقص الإجتهاد (تذكرة الحفاظ صفحہ ۶۲۷ ج ۲ طبع ۳) "اور اس زمانہ اور اس کے قریب عہد میں کئی ائمہ محدثین تھے۔ ہم نے ان کا دسواں حصہ بھی ذکر نہیں کیا۔ اور اکثر میری تاریخ میں مذکور ہیں۔ اور اسی وقت ائمہ اہل الرای اور بڑے بڑے

معتزلہ شیعہ متکلمین ہوئے جنھوں نے سلف کی طرح تمسک بالاحادیث چھوڑ کر معقولات کے پیچھے لگے۔ اور فقہاء کے اندر تقلید ظاہر ہونے لگی۔ اور اجتہاد کم ہونے لگا۔"

اور اولیاء ائمہ کے متعلق امام شعرانی لکھتے ہیں کہ

ان الولی الکامل لا یکون مقلدا وانما یاخذ علمہ من العین التی اخذ منھا المجتھدون مذاھبھم (المیزان الکبری الشعرانی ص۲۲ ج ا) "ولی کامل کسی کا مقلد نہیں ہوا کرتا ہے بلکہ وہ اپنا علم اسی چشمہ سے لیتا ہے جس سے مجتہدوں نے اپنے مذاہب لیے ہیں۔"

ثابت ہوا کہ ولی اللہ کو مقلد کہنا بھی صحیح نہیں۔

قولہ ص۵ س۱۱، طبقات الحنفیہ اور طبقات مالکیہ اور طبقات الشافعیہ اور طبقات الحنابلہ پڑھ ڈالیے الخ۔"

اقول:۔ اولاً طبقات کی کتب پر فیصلہ نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ ہر ایک نے اپنے اپنے طبقات میں بڑی بڑی ہستیاں داخل کر کے اپنے مذہب کو بڑھایا ہے۔ ذیل میں فہرست ملاحظہ ہو۔

نمبر	نام	طبقات الحنفیہ	طبقات المالکیہ	طبقات الشافعیہ	طبقات الحنابلہ
۱	وکیع بن الجراح	الجواہر المضیئۃ ص۲۰۸ ج ۲ الفوائد البہیۃ للکھنوی ص۲۲۲			طبقات الحنابلہ لابی الحسین ابن ابی یعلی ص۳۹۱ ج ۲ مختصر طبقات الحنابلہ للنابلسی ص۲۵۷

نمبر	نام	طبقات الحنفیۃ	طبقات المالکیۃ	طبقات الشافعیۃ	طبقات الحنابلۃ
۲	ابوالعباس البرقی	تاج التراجم للشیخ قاسم ابن قطلوبغا ص ۳۵ الجواہر ص ۱۱۴ ج ۱ الفوائد ص ۳۷			طبقات ابی الحسین ج ۱ ص ۴۴ مختصر النابلسی ص ۳۶
۳	اسحاق بن بہلول الانباری	تاج التراجم ص ۱۶ الجواہر ص ۱۳۷ ج ۱			طبقات ابی الحسین ج ۱ ص ۱۱۱ المختصر ص ۱۷
۴	الحسین بن المبارک الزبیدی	الجواہر ص ۲۱۶ ج ۱			الذیل علی طبقات الحنابلہ لابن رجب ص ۱۸۸ ج ۲
۵	احمد بن سہل ابو حامد	الجواہر ص ۶۹ ج ۱ الفوائد ص ۲۳			طبقات ابی الحسین ج ۱ ص ۴۷ النابلسی ص ۲۴
۶	احمد بن محمد بن نصر	الجواہر ص ۱۲۲ ج ۱			طبقات ابی الحسین ص ۲۷ ج ۱ المختصر ص ۱۲
۷	اسماعیل بن سعید ابو اسحاق الشالنجی	الجواہر ص ۱۴۹ ج ۱			الطبقات ص ۱۰۴ ج ۱ المختصر ص ۹۳
۸	القاضی یحیٰی بن اکثم	الجواہر ص ۲۱۱ ج ۲ الفوائد ص ۲۲۴			الطبقات ص ۴۱۰ ج ۱ المختصر ص ۲۷۴
۹	یحیٰی بن سعید القطان	الجواہر ص ۲۱۲ ج ۲			المختصر ص ۲۶۶

نمبر	نام	طبقات الحنفیہ	طبقات المالکیہ	طبقات الشافعیہ	طبقات الحنابلہ
۱۰	یحیٰی بن صالح الوحاظی	الجواہر ص۲۱۳ ج ۲			الطبقات ص۴۲۲ ج ۱ المختصر ص۲۶۸
۱۱	یحیٰی بن محمد الذہلی النیسا بوری	الجواہر ص۲۱۵ ج ۱			الطبقات ص۴۰۰ ج ۱ المختصر ص۲۷۰
۱۲	یزید بن ہارون الواسطی	الجواہر ص۲۲۲ ج ۲			الطبقات ص۴۲۲ ج ۱ المختصر ص۲۸۱
۱۳	سلطان محمود بن سبکتگین	// ص۱۵۶ ج ۱		طبقات الشافعیہ للسبکی ص۱۳۰ ج ۴	
۱۴	احمد بن صالح المصری ابو جعفر الطبری		الدیباج المذہب لابن فرحون ص۳۱	// ص۱۸۶ ج ۱	الطبقات ص۴۳۸ ج ۱ المختصر ص۱۲۶ ج ۱
۱۵	الحسن بن محمد بن الصباح الزعفرانی			// ص۲۵۰ ج ۱	الطبقات ص۱۳۸ ج ۱ المختصر ص۹۷
۱۶	احمد بن عمرو بن عبداللہ ابن السرح		الدیباج المذہب ص۳۵	// ص۱۹۹ ج ۱	
۱۷	یعقوب بن شیبۃ الحافظ		// ص۲۵۵		الطبقات ص۱۱۶ ج ۱ المختصر ص۲۷۷
۱۸	ابو عبید القاسم بن سلام			طبقات السبکی ص۲۷۰ ج ۱	الطبقات ص۲۵۹ ج ۱ المختصر ص۱۹
۱۹	عبداللہ بن المبارک	// ص۲۸۱ ج ۱ الفوائد ص۱۰۳	الدیباج لابن فرحون ص۱۳۰		

طبقات الحنابلہ	طبقات الشافعیہ	طبقات المالکیہ	طبقات الحنفیۃ	نام	نمبر
الطبقات ص۵۱ ج ۲ المختصر ص۳۱۴	طبقات السبکی ص۲۲۹ ج ۲			ابوبکر بن ابی داؤد السجستانی	۲۰
	طبقات السبکی ص۲۲۹ ج	الدیباج ص۱۰۱		الحارث بن سکینی ابوعمر	۲۱
الطبقات ص۲۱۶ ج ۱ المختصر ص۱۵۰		// ص۱۴۶		عبدالرحمن بن مہدی	۲۲
		// ص۹۷	الجواہر ص۱۳۵ ج ۱	اسحاق بن الفرات ابونعیم	۲۳

یہ چند اسمائے مشتے نمونہ از خروارے سمجھیں۔ اب بتائیں کہ کونسا طبقہ سچا کونسا جھوٹا۔ نیز جن کو آپ مجتہد مانتے ہیں وہ بھی طبقات میں مذکور ہیں۔ مثلاً احمد بن حنبل کو طبقات شافعیہ للسبکی ص۹۹ ج ۱ میں۔ اور شافعی کو الدیباج المذہب (طبقات مالکیہ) ص۲۲۷ میں اور طبقات حنبلیہ لابی الحسین ص۲۸ ج ۱ میں ذکر کیا ہے۔ کیا ان دونوں کو بھی مقلد کہیں گے؟ اسی طرح الجواہر المضیئۃ ص۲۵ ج ۱ میں سفیان بن عیینہ اور ص۴۱۶ ج ۱ میں لیث بن سعد کو ذکر کیا ہے اور اسحاق بن راہویہ کو طبقات الشافعیہ للسبکی ص۲۳۲ ج ۱ میں اور طبقات الحنابلہ لابی الحسین ص۱۰۹ ج ۱ میں ذکر کیا ہے۔ اور داؤد ظاہری کو طبقات الشافعیہ ص۴۲ ج ۲ میں ذکر کیا ہے حالانکہ ان چاروں کو آپ نے ص۷۹ میں مجتہد مانا ہے۔ نیز امام بخاری کو طبقات الشافعیہ ص۲ ج ۲ میں اور طبقات الحنابلہ ص۲۷۱ ج ۱ میں ذکر کیا ہے۔ اور ابن جریر طبری کو طبقات الشافعیہ ص۱۳۵ ج ۲ میں لایا ہے۔ حالانکہ دونوں کو آپ نے ص۹۹ میں مجتہد بتایا ہے نیز طبقات حنفیہ میں حسن بن خطیر النعمانی ابوعلی الفارسی کو اور طبقات مالکیہ میں عبداللہ بن وہب مصری اشہب بن عبدالعزیز العامری

عبداللہ بن عبدالحکم بن ابین اصبغ بن الفرج بن سعید الاموی محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم، قاسم بن اصبغ الاموی، ابواسحاق محمد بن اسحاق بن شعبان، قاضی عبدالوہاب بن نصر آل البغدادی ابوالعباس بن ادریس الغرافی، ابن امین، ناصر الدین احمد بن منصور الجذاری، زین الدین علی بن منیر کو اور طبقات شافعیہ میں محمد بن عبداللہ بن محمد بن العباس، ابو یعقوب یوسف بن یحیٰی البویطی، حرملۃ بن یحیٰی التجیبی، ابوابراہیم المزنی، محمد بن نصر المروزی، ابواسحاق ابراہیم بن احمد المروزی، ابوبکر بن الحداد، ابن دقیق العید، تقی الدین السبکی کو اور طبقات حنابلہ میں ابوجعفر احمد بن صالح المصری کو ذکر کیا ہے حالانکہ ان سب کو حافظ جلال الدین سیوطی نے حسن المحاضرۃ ص۱۲۱ سے ص۱۹۵ ج ۱ میں مجتہدین میں شمار کیا ہے پس مجرد طبقات میں داخل ہو جانا کسی مقلد ہونے کی دلیل نہیں بلکہ ہر ایک نے اپنے مذہب کو شہرت دینے اور نمبر بڑھانے کی خاطر ایسے لوگوں کو اپنے طبقات میں داخل کیا ہے بقول شاعر ؎

وکل یدعی وصلا للیلی ولیلی لا تقر لھم بذا کا

اس کے بجائے تذکرۃ الحفاظ للذہبی اور طبقات الحفاظ للسیوطی کا مطالعہ کریں آپ کو معلوم ہوگا کہ اکثر سارے مجتہد تھے۔

قولہ ص۱۵ س۱۲ "صرف ابن حزم رح اور شوکانی رح جیسے چند ہی تقلید سے باہر نظر آئیں گے" الخ

اقول :۔ بلکہ کئی اللہ کے بندے اس پھندے سے باہر رہے۔ سیوطی نے حسن المحاضرۃ ص۱۲۱ ج ۱ میں خاص باب اس نام سے رکھا ہے کہ ذکر من کان بمصر من الائمۃ المجتہدین جس میں تابعیوں سے لے کر اپنے زمانہ تک مختلف لوگوں کا ذکر کیا ہے جن کا عدد ستہتر تک ہے۔ اسی طرح امام ابن حزم رح رسالہ اصحاب الفتیا (جوامع السیرۃ لہ) میں صحابہؓ سے لے کر خاص خاص

مجتہدین کا ذکر کیا ہے جس میں صحابہؓ کے بعد مکہ میں اکیس ۲۱ اور مدینہ میں تقریباً ساٹھ اور شام میں اکتیس ۳۱ بصرہ میں ستاون ۵۷ کوفہ میں اکاون ۵۱ مصر میں انیس ۱۹ دوسرے شہروں میں چوالیس ۴۴ بتلائے ہیں۔

پھر لکھتے ہیں: ۔ فھؤلاء اھل الاجتھاد (ص۲۲۵) "یہ سب صاحب اجتہاد ہیں"

قولہ ص۵ سطر۱۵ "ہندوستان ہی میں دیکھ لیجئے کہ جس قدر اکابر علماء" الخ

اقول: ۔ جن اکابر کا آپ نے نام لیا ہے ان میں سے شیخ علی متقی کا حنفی ہونا کہیں سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ شذرات الذہب لابن العماد ی ص۳۷۹ ج۸ میں اس کو اہل اجتہاد فی العبادۃ میں شمار کیا گیا ہے۔ اور نواب صدیق حسن خان نے ابجد العلوم ص۸۹۵ میں اس کو ائمۃ العلوم گنا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مقلد ہونے سے اس کی شان بلند تھی۔ نیز چند علماء کے نام لینے سے کام نہیں بنتا۔ آپ پر حق تھا کہ ان علماء کا بھی نام لیتے جو مقلد نہ تھے۔ مثلاً ابراہیم حنیف آفندی ابو احمد حسن خان والد نواب صاحب (التاج المکلل ص۳۹۲، ص۲۹۳) شاہ عبدالحی بڈھانوی، شاہ محمد فاخر زائرؔ، علامہ بشیر اللہ سہسوانی۔ مولانا خرم علی بلہوری، مولانا حمید اللہ میرٹھی، قاضی محمد صاحب ساکن مچھلی مصنف تخریج احادیث حجۃ اللہ البالغہ، نواب صدیق حسن خان، مولانا ابو یحییٰ شاہ جہانپوری، مصنف رسالہ الارشاد الی سبیل الرشاد، سید جلال الدین جعفری شیخ عبدالحق محدث بنارس تلمیذ شوکانی۔ شیخ الکل میاں صاحب سید نذیر حسین دہلوی جس نے مسلسل پچاس سال حدیث کا درس دیا آپ کے متعلق شیخ محمد بن احمد تونس مغربی نے فرمایا "لا یوجد مثلہ فی الارض" یعنی زمین پر اس شخص کی کوئی نظیر نہیں"۔

مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی۔ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری مصنف تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی عزیز العلماء قاری عبدالعزیز، مشہور ولی اللہ حافظ عبداللہ غازیپوری ان سب کے حالات "تراجم علماء اہل حدیث ہند" مصنفہ امام خان نوشہروی میں مذکور ہیں ان کے علاوہ لاتعداد علماء

ہندوستان میں گذرے ہیں جو مقلد نہیں تھے جن کا ذکر ابجد العلوم اور اتحاف النبلاء مصنفہ
نواب صاحب اور تراجم نوشہروی میں موجود ہے۔

قولہ صـ۶ سـ۳ "شیخ سلام اللہ شارح موطأ" الخ۔

اقول: محلّی شرح مؤطا کا قلمی نسخہ بحمد اللہ ہمارے کتب خانہ میں موجود ہے جس کے مطالعہ سے
ظاہر ہے کہ مصنف دائرۂ تقلید سے باہر نکل چکا تھا۔ فارجع البصر ھل تری من فطور۔

قولہ صـ۶ سـ۱۳ "علمائے سندھ کو لیجئے شیخ ابو الحسن سندھی اور شیخ عابد سندھی اور شیخ
ہاشم سندھی اور شیخ حیات سندھی وغیرہم" الخ۔

اقول: شیخ ابو الحسن اور شیخ حیات تو یقیناً مقلد نہیں تھے جیسا کہ ان کی تصانیف سے
ظاہر ہے۔ شیخ ابو الحسن کے حواشی بر بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد دیکھیں جہاں جا بجا
مسائل اہل حدیث کو مانا اور ترجیح دی ہے اور مسائل حنفیہ کی پوری تردید کی ہے اور شیخ حیات کی
تصنیفات فتح الغفور فی وضع الأیدی علی الصدور، الایقاف شرح اربعین نوویہ دیکھیں۔ اسی
طرح علامہ عابد سندھی کی کتاب المواہب اللطیفہ شرح مسند ابی حنیفہ بھی بتاتی ہے کہ محض مقلد
نہیں تھا۔ اس کتاب میں رفع الیدین کو ثابت کیا ہے اور دوسری میں فاتحہ خلف الامام کو ترجیح دی ہے
اور سنہ ۱۲۳۲ ہجری میں مصر کے دورہ سے واپسی کے بعد یہ خبر دی کہ وہاں اب علم ختم ہو گیا ہے اور
لم یبق إلّا التقلید والتصوف (البدر الطالع للشوکانی صـ۲۲۸ ج ۱) "اور وہاں صرف تقلید
اور تصوف ہی باقی رہ گیا ہے"۔

اس سے ظاہر ہے کہ شیخ عابد تقلید کو اچھا نہیں سمجھتا تھا بلکہ اس کو علم ہی نہیں جانتا تھا۔
اسی طرح مخدوم ہاشم سندھی نے بھی رسالہ نور العین میں اثبات الاشارہ پر زور دیا ہے اور اس بارے
میں ائمہ کے اقوال نقل کئے ہیں کہ ہمارے اقوال کو حدیث کے مقابلہ میں چھوڑ دو۔ پھر لکھتے ہیں کہ

فاذاصح مثل هذا عن افضل المجتهد فی حدیث صحیح واحد فما فوقہ فکیف لا یجوز لنا ترک قولہ بورود هذا المبلغ من الاحادیث النبویۃ التی کادان یتواتر معناها اھ (نقلا عن التنقید المعقول) ”جب کہ افضل مجتہدین سے یہ ثابت ہوا کہ صحیح حدیث ایک ہو یا زیادہ ان کے مقابلہ میں اس کا قول چھوڑ دیا جائے پھر اس مسئلہ (الاشارہ فی التشہد) میں اتنی حدیثیں جو کہ معنیً تواتر کو پہنچتی ہیں۔ ان کے مقابلے میں امام کا قول کیوں نہ چھوڑ دیں!!“

نیز سندھ میں کئی اکابر علماء گذرے ہیں جو کہ تقلید سے بیزار تھے مثلاً شیخ معین ٹھٹوی مصنف دراسات اللبیب مخدوم ٹھارو مولانا عبدالوہاب کولاچی ہمارے جدامجد سید ابو تراب رشداللہ شاہ صاحب اللواء الرابع مصنف کشف الاستار عن رجال معانی الآثار وغیرہا من التصانیف جنھوں نے اپنے متعدد رسالوں مثلاً ”التنقید المعقول“ ”درج الدرر فی وضع الایدی علی الصدر“ وغیرہا میں تقلید کی خوب تردید کی ہے اور آپ ہی کی کتاب ثمر آخرت ترجمہ سفر السعادۃ کی وجہ سے سندھ میں عمل بالسنت کا رواج ہوا اور تقلید کا جمود ٹوٹا۔ اسی طرح مولانا محمد عمر کھڈہری جن کی کتاب ”احسن الدلائل علی بعض المسائل“ اس کے آزاد خیالی کا پتا دیتی ہے۔ اور آپ کا والد مولانا عبدالغنی جس نے تقلید کی تردید میں کتاب بنام ”النہج الصراح“ لکھی اسی طرح خاندان راشدی کا مورث اعلیٰ سید محمد راشد شاہ روضہ والے کی ملفوظات کو دیکھنا تو جابجا سنت کی طرف ترغیب ہے۔

قولہ ص ۶، س ۱۶ ”شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین اور شاہ محمد اسحاق“ الخ

اقول: یہ سب حضرات تقلید کے بند کو توڑنے میں کوشاں تھے ”تراجم علمائے حدیث ہند“ میں ان کے حالات درج ہیں۔ اس سے چند اقتباسات ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ

فمن یکون عامیا ویقلد رجلا من الفقہاء بعینہ یری أنہ یمتنع من مثلہ الخطاء وإن ما قالہ ھو الصواب البتۃ وأضمر فی قلبہ ان لایترک تقلیدہ وإن ظہر الدلیل علی خلافہ وذالک ما رواہ الترمذی عن عدی بن حاتم أنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرء اتخذوا احبارھم ورھبانھم أربابا من دون اللہ قال إنھم لم یعبدوھم ولکن کانوا إذا أحلوا شیئًا استحلوہ وإذا حرموا علیھم شیئًا حرموہ۔

(عقد الجید ص ۳۸) "ایسا عامی جو کسی خاص فقیہ کی تقلید کرتا ہے اور اس کو معصوم عن الخطاء اور اس کی سب بات حق جانتا ہے اور دل پختہ ارادہ کیا ہے کہ اس کی تقلید نہیں چھوڑے گا اگرچہ اس کے خلاف دلیل مل جائے تو وہ ترمذی کی اس حدیث کا مصداق ہے کہ عدی بن ابی حاتم نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ یہ آیت تلاوت کی (ترجمہ) " انھوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنا لیا پھر فرمایا کہ ان کو پوجتے نہیں تھے بلکہ صرف یہ کہ ان کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حلال اور حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھتے تھے۔"

شاہ عبدالعزیز رح فرماتے ہیں کہ

"چنانچہ عبادت غیر خدا مطلقاً شرک و کفر است و اطاعت غیر او تعالیٰ نیز بالاستقلال کفر است۔ و معنی طاعت غیر بالاستقلال آں است کہ اور ا مبلغ احکام اوندانستہ ربقہ طاعت او را در گردن اندازد۔ و تقلید او را لازم شمارد با وجود ظہور مخالفت حکم او بحکم او تعالیٰ دست از اتباع او برندارد ایں لوحے است از اتخاذ انداد کہ در آیت "اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ" فرمودہ (تفسیر عزیزی ص ۵۹ ج ۱) ترجمہ قریبًا وہی سابقہ عبارت کا ہے بلکہ یہاں تقلید شخصی کو شرک کی ایک قسم بتایا ہے نیز مشہور مسئلہ فاتحہ خلف الامام کے متعلق فرماتے ہیں کہ

خواندن سورت فاتحہ باقتدار امام نزد امام ابوحنیفہ ممنوع است و نزد شافعی بدون خواندن سورت فاتحہ عدم جواز الصلوٰۃ و نزد فقیر ہم قول شافعی راجح است و اولیٰ چراکہ بملاحظہ حدیث صحیح "لاصلوٰۃ الابفاتحۃ الکتاب" بطلان نماز ثابت مے شود (تراجم علماء حدیث ہند ص۵۵ ج ۱)۔ ترجمہ:۔ امام کے پیچھے مقتدی کو سورت فاتحہ پڑھنا، امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک ممنوع ہے اور امام شافعی رح کے نزدیک فاتحہ کے بغیر نماز جائز نہیں ہے اور فقیر (شاہ عبدالعزیز) کے نزدیک امام شافعی رح کا قول راجح و اولیٰ ہے۔ کیونکہ صحیح حدیث "لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب" (فاتحہ کے بغیر نماز نہیں) سے بغیر فاتحہ نماز کا باطل ہونا ثابت ہوتا ہے۔

یہ عبارت صاف بتلاتی ہے کہ خاندان ولی اللہ رح حنفیت سے بہت دور تھے۔

اسی طرح شاہ اسماعیل شہید کی کتاب تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین دیکھیں۔ کس قدر رفع الیدین پہ زور دیتے ہیں۔ اور مسائل دیگر پر بھی اور تقلید کی مذمت یوں فرماتے ہیں کہ

وقد غلا الناس فی التقلید وتعصبوا فی التزام تقلید شخص معین حتی منعوا الاجتهاد فی مسئلة ومنعوا تقلید غیر إمامه فی بعض المسائل وهذا هو الداء العضال التی أهلكت الشيعة فهؤلاء ايضا أشرفوا علی هلاك إلا أن الشيعة قد بلغوا أقصاها فجوزوا رد النصوص بقول من يزعمون تقليده وهؤلاء اخذوا دانيها وأولوا الروايات المشهورة إلى قول امامهم (تنوير العينين ص۲۵)

ترجمہ:۔ عام لوگوں نے تقلید میں غلو کیا اور کسی معین شخص کی تقلید پر سختی سے جم گئے یہاں تک کہ اجتہاد سے منع کیا اور اپنے امام کے سوا دوسرے امام سے مسئلہ لینے سے بھی روکا یہی وہ مہلک مرض ہے جس نے شیعوں کو ہلاک کیا اور یہ (مقلدین) بھی ہلاکی پر آگئے ہیں ان دونوں

میں فرق صرف یہ ہے کہ شیعوں نے جس کی تقلید کی اس کے مقابلہ میں نصوص کو رد کرنا جائز سمجھا اور مقلدین نے مشہور احادیث میں تاویلیں کر کے اپنے امام کے اقوال کے تابع بنایا۔"

ناظرین! اب غور فرمائیں کہ اس خاندان عالیشان پر تقلید کا الزام دھرنا کہاں تک صحیح ہے۔

قولہ ص۶ س۱۹ "اور کیا یہ سب حضرات کفر اور شرک میں مبتلا تھے۔"

اقول: یہ سب اس پر موقوف ہے کہ ان کا مقلد ہونا ثابت ہو وا ذلیس فلیس نیز یہی فتویٰ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کا ہے جیسا کہ اوپر گزرا۔

قولہ ص۷ س۱ "اولیاء ہند کو لیجئے حضرت مجدد صاحب سرہندی سے لے کر" الخ

اقول: شعرانی کا قول گذر چکا کہ ولی کامل مقلد نہیں ہوا کرتا ہے۔ اور بالفرض اگر سرہندی صاحب مقلد تھے تو بھی ولایت کے درجہ پر پہنچنے سے قبل اور بعدہ جب ولایت کے مقام کو پہنچے تو تقلید سے بے نیاز ہو گئے۔ امام شعرانی فرماتے ہیں کہ

وقد قلت مرة لسیدی علی الخواص رضی اللہ عنہ کیف صح تقلید سیدی عبد القادر الجیلی للامام احمد بن حنبل و سیدی محمد الحنفی الشاذلی للامام ابی حنیفۃ مع اشتہارھما بالقطبیۃ الکبری و صاحب ھذا المقام لا یکون مقلدا الا للشارع وحدہ فقال رضی اللہ عنہ قد یکون ذالک منھما قبل بلوغھما الی مقام الکمال ثم لما بلغا الیہ استحب الناس ذالک اللقب فی حقھما مع خروجھما عن التقلید (المیزان الکبری ص۲۴ ج۱) "میں نے ایک مرتبہ سید علی الخواص سے عرض کیا کہ شیخ عبد القادر جیلانی کے لیے امام احمد بن حنبل رح کی تقلید اور شیخ محمد شاذلی کے لیے امام ابو حنیفہ رح

کی تقلید کیسے صحیح ہوئی؟ حالانکہ یہ دونوں قطبیت کے مرتبہ کے ساتھ مشہور ہیں اور اسی مرتبہ والا شارع (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوا کسی اور کا مقلد نہیں ہو سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تقلید ان کے اس مقام پر پہنچنے سے پہلے ہوگی۔ اور جب وہ اس مرتبہ کو پہنچ گئے تو بھی لوگ ان کے حق میں یہ القاب (حنبلی و حنفی) استعمال کرتے رہے حالانکہ وہ تقلید سے باہر نکل چکے تھے۔ اسی طرح مجدد صاحب اور دوسروں کے متعلق خیال کریں۔

قولہ ص، سطر "اہل فہم کے لیے الخ"

اقول۔ سمجھ دار سمجھ گئے کہ تقلید کی کیا حقیقت ہے ؎

قد ظہرت فلا تخفی علی احد الا علی احد لا یعرف القمرا

قولہ: ص، س "عقل اور حافظہ الخ

اقول:۔ اس عنوان کے تحت آپ نے عقل اور حفظ کو نعمت شمار کیا ہے حالانکہ عقل تقلید کے منافی ہے کیونکہ مقلد اپنی عقل استعمال نہیں کر سکتا ہے اولاً مسلم الثبوت کی عبارت ذکر ہوئی کہ اما المقلد فمستندہ قول امامہ لا ظنہ ولا ظنہ۔ ثانیاً آپ خود عقل کو ذریعۂ تفقہ و فقہ و اجتہاد بتاتے ہیں پس اگر اب اجتہاد بند ہے اور تقلید ضروری ہے تو اس کا مطلب ہوا کہ جتنے بھی علماء صلحاء اور اہل اللہ موجود ہیں۔ وہ سب کے سب معاذ اللہ بے عقل ہوئے ہیں نیز بقول شما تمام محدثین اولیاء مقلد تھے گویا سب بے عقل ہوئے۔

قولہ ص، س "عقل اول مخلوقات ہے" الخ

اقول:۔ اس عنوان کے تحت جو آپ نے روایت لکھی ہے۔ بالکل ضعیف نا کارہ ہے۔ اس کا ضعیف آپ کو بھی تسلیم ہے اور حاشیہ ص میں نقل کرتے ہیں کہ امام ابن جوزی شیخ الاسلام ابن تیمیہ حافظ زرکشی یہ سب اس روایت کو موضوع (بناوٹی) بتاتے ہیں۔ نیز مذہب حنفی

کے مشہور عالم ملا علی قاری نے اس کو موضوعات کبیر ص۲۵،۲۶ میں ذکر کیا ہے اور امام ابن تیمیہ رح نے نقل کیا ہے کہ

انہ کذب موضوع بالاتفاق (ص۲۵) "یہ روایت بالاتفاق جھوٹی اور بناوٹی ہے۔

علامہ محمد طاہر فتنی ہندی حنفی جس کا نام آپ نے بھی ص۶ پر فخر" ذکر کیا ہے ـــ

اس نے بھی تذکرۃ الموضوعات ص۳ پر ذکر کیا ہے اور بالاتفاق جھوٹ اور موضوع کہا ہے۔

پس اسی بناوٹی روایت پر اپنی تحقیق کی بنیاد رکھنا عالم کی شان سے بعید ہے۔

قولہ ص۹، س۵ "عقل کی حقیقت اور اس کی اقسام" الخ

اقول:- حارث محاسبی سے جو عقل کی تعریف نقل کی گئی ہے۔ یعنی کہ

"جس کی وجہ سے انسان علوم نظریہ کے ادراک کے لیے مستعد ہو جاتا ہے۔ عقل گویا کہ ایک نور ہے"

"جو من جانب اللہ دل میں ڈالا جاتا ہے جس کی وجہ سے قلب ادراک سے قابل ہو جاتا ہے"

یہ تعریف بتاتی ہے کہ عقل اجتہاد کو چاہتی ہے اور صاحب عقل مقلد نہیں ہو سکتا ہے

اور امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے جو شعر نقل کیے ہیں کہ

"عقل کی دو قسم ہیں ایک طبعی اور ایک سمعی عقل سمعی اس وقت تک نافع اور"

"مفید نہیں ہوتی جب تک کہ عقل فطری اور طبعی اس کے ساتھ نہ ہو"

یہ تقسیم بھی بتلاتی ہے کہ عقلمند تقلید نہیں کر سکتا اس لیے کہ سمعی تقلید کی مثال اور طبعی اجتہاد کی مثال ہے۔

قولہ ص۱۰، س۷ "نور عقل کو نور شریعت سے وہی نسبت ہے جو نور بصر کو نور آفتاب سے ہے"

اقول: لیکن نورآفتاب اس کو نافع ہوگا۔ جو اپنی آنکھ سے دیکھے گا۔ یہ نہ کہ آفتاب تو موجود ہو مگر اپنی آنکھ نہ ہو۔ اور دوسرے کی آنکھ کی مدد سے نفع لیا جائے۔ یہی مثال مقلد اور مجتہد کی ہے۔ صدق سبحانہ وتعالےٰ حیث قال مثل الفریقین کالأعمی والأصم والبصیر والسمیع هل یستویان مثلاً أفلا تذکرون (هود ع پ۱۲)

قولہ صفا سطر۹ "نورِ عقل بدون نورِ شریعت کے معطل اور بیکار ہے"

اقول: ۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ شریعت سے مقلد فائدہ نہیں لے سکتا اس لیے کہ اس کو نورِ عقل نہیں ہوتا۔ اسی بنا پر امام احمد بن حنبلؒ فرمایا کرتے تھے کہ "خذوا علمکم من حیث أخذه الأئمة ولا تقنعوا بالتقلید فإن ذالك عمیٰ فی البصیرة (کذا فی المیزان الکبریٰ للشعرانی صلا۲۲ ج ۱۔)

قولہ صفا سطر۱۰ "اور جس طرح اندھے کو آفتاب کی روشنی مفید نہیں اسی طرح آفتاب شریعت کے نور سے وہی مستفید ہو سکتا ہے جس کی آنکھ روشن ہو" الخ

اقول: ۔ اتنا ہی تقلید کی تردید کے لیے کافی ہے کیونکہ مقلد کی عقل کی آنکھ روشن نہیں ہوتی۔

قولہ صلا سطر۱۳ "جس کی آنکھ میں روشنی نہ ہو اس کو چاہیئے کسی آنکھ والے کی سُنے اور اسی کی اتباع کریں"

اقول: ۔ یہ استدلال آپ کو مبارک ہو کہ مقلد کو اندھا بنا دیا۔ نیز آنکھ والے سے کیا سنے قرآن وحدیث یا کچھ اور۔ علی الاول یہ اتباع روایت ہے نہ تقلید رائے۔ وعلی الثانی کیا بتائے گا۔ جب اس کے پاس ہی نورِ شریعت (قرآن وحدیث) نہیں ہے۔ صدق اللہ تعالیٰ أفمن یهدی إلی الحق أحق أن یتبع أمن لا یهدی إلا أن یهدی (یونس ع ۴ پ ۱۱)

قولہ صنا، سطر۱۳ "تا کہ قیامت کے روز یہ کہیں گے" الخ

اقول :۔ یہ آیت آپ کو مفید نہیں بلکہ تقلید کی تردید کرتی ہے کیونکہ آپ نے ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ اگر ہم سنتے یا سمجھتے اور سننا تو قرآن وحدیث کا مراد ہے جو کہ دلیل ہے اور تقلید بلا دلیل بات ماننے کو کہتے ہیں کما مضیٰ۔ ایضاً سمجھنا تو اپنا تفقہ واجتہاد ہے۔

قولہ صنا سطر۱۹ "ان تمام فضائل وکمالات کا منبع اور مطلع عقل ہی ہے"

اقول :۔ لیکن آپ نے مقلد کو تو ان سے محروم کر دیا۔ بیچارہ کو کہیں کا نہیں چھوڑا۔

قولہ صلا، سطر۱ "انبیاء ومرسلین کے توسط سے خداوند ذوالجلال کے جو احکام نازل ہوئے ان سب کے مخاطب عقل ہے"۔

اقول : جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ جو کہ اپنے مقلد ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ قرآن کے مخاطب نہیں کیا آیت قل یایھا الناس إنی رسول الله إلیکم جمیعًا۔ (الأعراف ع۱۹ پ۹) میں آپ مخاطب نہیں ہیں؟

قولہ صلا سطر۲ "حافظ کا کام یہ ہے کہ ان احکام کو یاد رکھے" الخ

اقول :۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ عقل حافظہ پر یعنے فقہ وحدیث پر موقوف ہے۔

قولہ صلا، سطر "قال تعالیٰ (الی قولہ) وغیر ذالک من الآیات"

اقول :۔ ان آیات میں عقل کی مدح اور بے عقلی کی مذمت ہے جو کہ تقلید کی مذمت کو مستلزم ہے، کیونکہ بقول شما مقلد کی عقل کی آنکھ روشن نہیں ہے۔

قولہ صلا، سطر "قرآن کریم میں اسی قسم کی بے شمار آیتیں ہیں، جن سے صاف ظاہر ہے کہ ایمان اور تقویٰ اور تمام احکام الٰہیہ کے مخاطب اولی الالباب اور اہل عقل ہیں"۔

اقول :۔ ذرا بتائیں کہ آپ ان آیات میں مخاطب ہیں یا نہیں؟ علی الأول آپ غیر مقلد ہوئے وعلی الثانی آپ اولی الالباب اور اہل عقل نہ رہے، پھر یہ رسالہ کس سے لکھوایا ہے

قولہ ص۱۱ س۱۲ "مکارم پاکیزہ اخلاق کا نام ہے جن میں سے عقل اول ہے" الخ

اقول:۔ مقلد کے پاس عقل نہیں پھر وہ پاکیزہ اخلاق بھی نہیں رہے۔

قولہ ص۱۲ س۱ "وقال ابراھیم بن حسان" الخ

اقول:۔ ان اشعار میں عقل کو زینت اور اس میں کمی آنے کو عیب بتایا گیا ہے۔ پس غیر مقلدیت انسان کے لیے زینت ہوئی۔ اور تقلید عیب۔ اعاذنا اللہ منہ۔ نیز بتایا گیا ہے کہ "انسان کے لیے اللہ کی تقسیم میں سب سے بہتر عقل ہے، اور عقل کی تکمیل سے تمام اخلاق کامل ہو جاتے ہیں جس کا مطلب کہ بیچارے مقلد کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔

قولہ ص۱۲، س۱۲ "علم اور حفظ" الخ

اقول:۔ اس عنوان کے تحت آپ لکھتے ہیں کہ شریعت کی نظر میں عالم وہی ہے جو صاحب عقل اور فہم ہو۔ بتائیں کہ آپ صاحب عقل وفہم ہیں یا نہیں؟ علی الاول آپ مقلد کیسے رہے کیونکہ آپ کا استدلال اس پر موقوف ہے کہ یہ تعریف مجتہد ہی کی ہو۔ وعلی الثانی آپ کو تصنیف وافتاء کا کیا حق ہے۔

قولہ ص۱۲، س۱۵ "کما قال تعالےٰ الخ"

اقول:۔ بتائیں کہ اس وقت اُمت میں علماء ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو وہ آیات قرآنیہ واشلہ فرقانیہ سمجھ سکتے ہیں اور ان کو تقلید جائز نہیں جیسا کہ ص۲۶ پر آپ نے بھی لکھا ہے اور اگر عالم ہی نہیں تو تصنیف کی زحمت کیسے گوارہ کی اور مدارس میں کیا پڑھایا ہے۔ اور بے گناہ لوگوں کی رقوم کیوں ضائع کی جاتی ہیں۔ عمرو بن مرۃ کا جو آپ نے واقعہ لکھا ہے اس سے بھی ظاہر ہے کہ عالم وہی ہے جو قرآن کو سمجھ سکتا ہے اور بقول شما اب وہ تفقہ وسمجھ نہیں رہی۔ گویا کہ اب کوئی عالم زمین پر نہیں ہے۔ عجیب!

قولہ ص۱۳، س۴ "صحابہؓ بالاتفاق ابوبکر صدیق رضؓ کو اعلم (سب سے بڑا عالم) سمجھتے

تھے اس لیے کہ عقل اور فہم میں کوئی ان کا ثانی نہ تھا" الخ

اقول:- لیکن کیا دوسرے صحابہؓ اہلِ علم یا اصحاب عقل و فہم نہیں تھے؟ ضرور تھے اور باوجود اس کے وہ ابوبکر صدیق رضؓ کے مقلد نہیں تھے۔ کئی باتوں میں آپ سے صحابہؓ کا اختلاف مشہور ہے۔

قولہ ص۱۳ س۸ "ابی بن کعب اقرا اور سید القراء تھے مگر ابن عباس اعلم بالتفسیر تھے" الخ

اقول:- ان لکل فن رجال مگر باین ہمہ ایک دوسرے کے مقلد نہ تھے۔ کئی مسائل میں اختلاف رہا ہے۔

قولہ ص۱۳ س۱۳ "حق تعالیٰ شانہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السّلام کے قصہ میں فرماتے ہیں" الخ۔

اقول:- اسی آیت اور واقعہ سے ظاہر ہے کہ کئی باتیں چھوٹوں کو معلوم ہوتی ہیں جو بڑوں کو معلوم نہیں ہوتیں۔ اسی طرح متاخرین کو بنسبت متقدمین کے زیادہ مسائل معلوم ہو جاتے ہیں۔ بنابریں امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ متاخرین کے لیے اجتہاد بنسبت متقدمین کے زیادہ آسان ہے۔ جیساکہ اوپر عبارت گزری۔

قولہ ص۱۴ س۲ "سوائے فہم اور فراست کے ہمارے پاس کوئی خاص شئے نہیں (الی قولہ ص۱۹ س۱) ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء

اقول:- مدارج السالکین کی یہ عبارت بتاتی ہے کہ لوگ فہم و تفقہ میں درجات رکھتے ہیں۔ اس کا کوئی منکر نہیں "وفوق كل ذى علم عليم" (یوسف ع ۹ پ ۱۳) اور اسی طرح مجتہدین میں بھی درجات ہیں اور ایک مجتہد کا دوسرے مجتہد کے قول کو لینا تقلید نہیں کما فی مسلم الثبوت مع شرح فواتح الرحموت ص ۔۔۔ ج ۲ مع المستصفٰی اور اس عبارت سے یہ ثابت نہیں

ہتونا کہ جو قلیل الفہم ہو وہ دوسرے زیادہ فہم والے کی تقلید کرے۔ بلکہ یہ ظاہر ہے کہ اہل فہم ہمیشہ رہیں گے لہٰذا تقلید کوئی ضروری نہیں۔ نیز حافظ ابن قیمؒ نے مدارج السالکین میں یہ مراتب ہدایت کے بتائے ہیں، اور ہدایت ہر ایک کا حق ہے اور فہم و تفقہ کو ان میں سے پانچواں مرتبہ شمار کیا ہے۔ (مدارج ج ۱ ص ۴) جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر ایک کو حسب استعداد و فہم و طاقت خود اجتہاد و تفقہ کا حکم ہے۔ نہ کہ تقلید کا کیونکہ وہ ہدایت کا طریقہ نہیں ہے۔ اوپر امام غزالی رح کے قول سے معلوم ہوا کہ تقلید طریق الی العلم نہیں ہے۔

قولہ ص ۱۱۶ س ۳ "شریعت کے لیے محدثین اور فقہاء کی ضرورت" الخ

اقول:۔ اسی عنوان کے تحت جو کچھ لکھا گیا ہے وہی تقلید کے قمع کے لیے کافی ہے۔

شعر وسوف تری إذا انکشف الغبار أفرس تحت رجلك أم حمار

قولہ ص ۱۱۶ س ۶ "دین کا مدار دو چیزوں پہ ہے ایک نقل صحیح اور فہم صحیح لہٰذا ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے کہ جو شریعت کے الفاظ کی محافظ ہو اور الفاظ شریعت کو بتمام و کمال امت تک پہنچاوے یہ جماعت محدثین کی ہے۔"

اقول ع الفضل ما شہد بہ الأعداء۔ الحمد للہ مان لیا کہ اہل حدیث کو حافظہ کامل کے ساتھ فہم صحیح بھی حاصل ہے پس انہی کا اجتہاد کارگر رہا کیونکہ وہ دونوں صفتوں (حفظ و فہم) کے صاحب ہیں۔ نہ صرف فقہاء (جس کو آپ الگ شمار کرتے ہیں) جو دوسروں کے حفظ و جمع کرنے کے محتاج اور طفیل ہوں۔ نیز اگر ان کو فہم کامل و تفقہ حاصل نہ ہوتا تو کیسے حدیثیں جمع کر سکتے۔ نیز ان کے قواعد کو دیکھیں۔ یہ بھی تفقہ کے بغیر نہیں ہو سکتے۔ خاص طور پر مدرج الفاظ کو جدا کرنا اور الفاظ میں راویوں کا وہم و خطاء معلوم کرنا۔ پھر روایت میں بصورت تعارض تطبیق دینا کیا یہ سب کچھ تفقہ کے بغیر ممکن ہے؟ اسی طرح ان کے ابواب و تراجم دیکھو کر بڑے بڑے اسرار اور حکمتیں بیان کی گئیں۔ کیا محدثین کو چھوڑ کر ایک ایسے محدث کی مثال پیش ہیں جو کہ ایسا مشہور بھی نہیں۔ یعنی محمد بن محمد بن سلیمان الباغندی جس کے متعلق حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ

اجاب فی ثلاث مائۃ الف مسائل فی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(میزان الاعتدال ص۱۳۰ ج۳) " اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں سے تین لاکھ مسائل کا فتوی اور جواب دیا ہے"۔

اب ان فتاوی سے اور فقہی کتابوں کا مقابلہ کریں۔ فقہ حنفی کی سب سے بڑی کتاب المبسوط السرخسی اور مالکی فقہ کی المدونۃ الکبریٰ اور شافعی فقہ کی شرح المہذب اور حنبلی فقہ کی المغنی ان سب کے مسائل یکجا جمع کریں لیکن اس عدد تک نہیں پہنچ سکتے۔

قولہ ص۱۶ س۱۱ " اور ایک جماعت ایسی چاہیے جو شریعت کے اغراض و مقاصد اور اصول و فروع کی توضیح و تشریح کرے اور اللہ اور اس کے رسول کی صحیح صحیح مراد امت کو سمجھائے یہ جماعت فقہائے مجتہدین کی ہے"۔

اقول: یہی شان محدثین کرام کی ہے۔ ان کے تراجم و ابواب اس پر شواہد ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ

اول ما صنف اهل الحديث فى علم الحديث جعلوه مدونا فى اربعة فنون فن السنة اعنى الذى يقال له الفقه مثل مؤطا مالك وجامع سفيان وفن التفسير مثل كتاب ابن جريج وفن السير مثل كتاب محمد بن اسحاق وفن الزهد والرقاق مثل كتاب ابن المبارك فاراد البخارى رحمه الله ان يجمع الفنون الاربعة فى كتاب ويجرده لما حكم له العلماء بالصحة قبل البخارى وفى زمانه ويجرده للحديث المرفوع المسند وما فيه من الآثار وغيرهما انما جاء به تبعا لا بالاصالة ولهذا سمى كتابه بالجامع الصحيح المسند واراد ايضا ان يفرغ جهده فى الاستنباط من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم ويستنبط من كل حديث مسائل كثيرة جدا وهذا امر لم

یسیتی الیہ وغیرہ (شرح تراجم ابواب صحیح البخاری صے)

"سب سے پہلے علماء اہل حدیث نے علم حدیث کو چار فنون میں تقسیم کر کے مدون کیا ان میں ایک فن سنتہ یعنی فقہی مسائل کا ہے جیسا کہ موطا مالک اور جامع سفیان ثوری دوسرا فن تفسیر جیسا کہ ابن جریج کی کتاب تیسرا فن سیر (غزوات وغیرہ) جیسا کہ ابن اسحاق کی کتاب چوتھا فن زہد ورقاق جیسا کہ ابن مبارک کی کتاب پھر امام بخاری نے ارادہ کیا کہ ان چاروں فنون کو یکجا جمع کریں اور ایسی روایات الگ کر کے جمع کریں جن کی صحت کا فیصلا امام بخاری رح سے قبل کے علماء خواہ اس کے ہم زمان سب دے چکے ہوں۔ نیز ارادہ کیا کہ خالص مرفوع اور مسند روایتیں جمع کریں۔ اور جتنے آثار صحابہ وغیرہم کے جمع کیے ہیں وہ بالتبع ہیں نہ کہ بالاصالۃ اس لیے اپنی کتاب کا نام "الجامع الصحیح المسند" رکھا۔ نیز یہ ارادہ کیا کہ احادیث نبویہ سے مسائل کے استنباط کرنے میں اپنی کوشش صرف کریں اور ہر ایک حدیث سے کئی مسائل نکالے ہیں۔ یہ ایسا امر ہے جو آپ سے قبل کسی نے نہیں کیا۔"

ناظرین! شاہ صاحب کی عبارت سے چند امور ظاہر ہوئے:

(الف) علماء محدثین حدیث کے سب فنون کے جامع ہیں۔

(ب) حدیث بذات خود ہی محدثین کی فقہ ہے۔ اس سے مسائل نکالتے ہیں۔ اور انہیں مروجہ فقہ سے استغنا رہے۔

(ج) اسی طرح وہ سب مجتہد وغیر مقلد ٹھہرے۔

(د) اور قرآن وحدیث میں جہاں کہیں فقہ تفقہ یا فقیہ کا ذکر آیا ہے وہاں قرآن و حدیث ہی مراد ہے نہ مروجہ فقہ چنانچہ موطا مالک رح جامع سفیان وغیرہ یہ کتابیں فن حدیث کی ہیں۔ اور مروج فقہ ان سے الگ فن ہے۔ پس حدیث کی کتابوں کو فقہ کہنا بتاتا ہے کہ سلف کے نزدیک

اسلامی فقہ یہی تھی ۔

(ھ) صحیح بخاری کی حدیثوں پر صحت کا حکم مصنف سے قبل خواہ اس کے زمانہ میں لگایا ہوا ہے ۔

(و) اسی طرح وہ کتاب اسم با مسمّٰی ہے ۔

(ز) امام نے اجتہاد کر کے اس میں احادیث سے مسائل کا استنباط کیا ہے۔ گویا کہ طلباء کے لیے بلکہ اجتہاد پیدا کرنے کے لیے کوشش کی گئی ہے ۔

(ح) ثابت ہوا کہ سلف کا مذہب اجتہاد ہی تھا نہ کہ تقلید ۔

(ط) اور ایک حدیث سے کئی مسائل مستنبط کیے گئے ہیں ۔

(ی) اور دوسری کتابوں سے بے نیاز کر دیا گیا ہے ۔

(ک) اور صحیح بخاری حدیث اور فقہ دونوں کی جامع ہے ؎

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضاء داری
آنچہ ہمہ خوباں دارند تو تنہا داری

(ل) اور امام بخاری رحمہ اس طرز میں مسبوق الیہ نہیں ہے ۔

(م) اور اس سے محدثین کے تفقہ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔

(ن) اور امام بخاری رحمہ کا افقہ ہونا ظاہر ہوا۔ خود اُن کے اساتذہ آپ کی فقاہت کی گواہی اس طرح دیتے ہیں چنانچہ محمد بن بشار بندار آپ کو سید الفقہاء کا لقب دیتے ہیں اور ابو مصعب امام احمد بن حنبل رحمہ سے بھی افقہ و ابصر بتاتے ہیں اور یعقوب بن ابراہیم الدورقی اور نعیم بن حماد آپ کو فقیہ الامت کے لقب سے یاد کرتے ہیں اور امام اسحٰق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ اگر بخاری حسن بصری کے زمانہ میں ہوتا تو بھی لوگ اسی کی معرفۃ بالحدیث اور تفقہ کے محتاج ہوتے ۔

(تہذیب التہذیب ص۵۰ تا ۵۲ ج ۹)

(س) اسی طرح اور محدثین کا بھی فقیہ ہونا ثابت ہوا۔ چنانچہ امام مسلم کے متعلق ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ لہ معرفۃ بالحدیث (تہذیب ص۱۲۸ ج ۱۰) اور تقریب التہذیب ص۲۲۵ ج ۲ مصری میں اس کو ثقہ حافظ امام مصنف عالم الفقہ لکھا ہے۔ اور امام نسائی کے متعلق امام دارقطنی افقہ مشائخ مصر فی عصرہ (تہذیب ص۳۸ ج ۱) فرماتے ہیں اور امام حاکم فرماتے ہیں۔

ومن نظر فی کتاب السنن لہ تحیر فی حسن کلامہ (معرفۃ علوم الحدیث ص۸۲) — جو شخص سنن نسائی کا مطالعہ کرے گا تو امام نسائی کی بہتر فقاہت کو دیکھ کر حیران رہ جائے گا۔

امام ترمذی کی سنن کو سیوطی "قوت المغتذی" جامع بین الحدیث والفقہ بتلاتے ہیں امام ابوداؤد کے متعلق امام ابن حبانؒ فرماتے ہیں کہ

کان احد ائمۃ الدنیا فقھا وعلما وحفظا ونسکا وورعا واتقانا۔ (کتاب الثقات الطبقۃ الرابعۃ) "آپ فقہ، علم، حفظ، عبادت، پرہیز گاری اور اتقان سب میں دنیا کے اماموں میں سے تھے"۔

اور شذرات الذہب ص۱۶۷ ج ۲ میں ہے کہ

کان راسا فی الحدیث وراسا فی الفقہ "علم حدیث و فقہ میں آپ چوٹی کے شخص تھے"۔

امام ابن ماجہ رحمہ اللہ کو خلیلی نے صاحب المعرفۃ فی الحدیث بتایا ہے (تہذیب ص۵۳۱ ج ۹) اور ابن خلکان نے آپ کو علم حدیث اور اس کے متعلقات کا عارف بتایا ہے (شذرات الذہب ص۱۶۴ ج ۲) اسی طرح ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ ص۲۳۶ ج ۲ طبع ۳ میں الحافظ الکبیر المفسر کہا ہے۔

(ع) اور تفقہ کے علاوہ سب محدثین کو اللہ تعالے نے استنباط پر قدرت کاملہ عطا فرمائی ہے۔ امام حاکم معرفۃ علوم الحدیث میں اس کے متعلق مستقل باب رکھتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

النوع العشرون من هذا العلم بعد معرفة ما قدمناذكره من صحة الحديث اتقانا ومعرفة لا تقليدا وظنا۔ معرفة فقه الحديث اذهو ثمرة هذه العلوم وبه قوام الشريعة فاما فقهاء الاسلام اصحاب القياس والرای والاستنباط والجدل والنظر فمعروفون فی كل عصر واهل كل بلد ونحن ذاكرون بمشية فی هذا الموضع فقه الحديث عن اهله ليستدل بذالك على ان اهل الصنعة من تبحر فيها لا يجهل فقه الحديث اذهو نوع من انواع هذا العلم (معرفة علوم الحديث ص۶۳)

ترجمہ: "صحت حدیث کے انواع جو کہ ہم نے بلا تقلید وظن اپنی معرفت سے بیان کیے اس کے بعد یہ بیسویں نوع فقہ الحدیث کے پہچاننے کے بیان میں ہے۔ کیونکہ یہی ان علوم کا ثمرہ ہے اور اسی سے شریعت قائم رہ سکتی ہے۔ فقہاء اسلام اصحاب قیاس رائے استنباط جدل ونظر تو ہر زمانہ کے ہر شہر کے معلوم ہیں۔ یہاں ہم ان شاء اللہ صرف اہل حدیث کی فقہ حدیث (یعنی حدیث کو سمجھ کر اس سے مسائل نکالنا) بیان کریں گے تاکہ یہ بات ہویدہ ہوجائے کہ جس کو اللہ تعالے نے علم حدیث میں تبحر عطا کیا ہے۔ وہ حدیث کی فقہ سے ناواقف نہیں کیونکہ (وہ بھی عالم ہیں) یہ بھی علم کی قسم ہے۔"

پھر امام حاکم نے نمونہ کے طور پر اس باب میں ان ائمہ کا نام لیا ہے۔ زہری، یحیٰی بن سعید الانصاری اوزاعی، سفیان، ابن عیینہ، عبداللہ بن المبارک، یحیٰی بن سعید القطان، عبدالرحمٰن بن مہدی، یحیٰی بن یحیٰی التمیمی، احمد بن حنبل، علی بن المدینی، یحیٰی بن معین، اسحاق بن راہویہ، الذہلی،

بخاری، ابوذرعہ، ابوحاتم، ابراہیم بن اسحاق الجبری، مسلم، ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم العبدی، عثمان بن سعید الدارمی، محمد بن نصر المروزی، نسائی، ابن خزیمہ، ابوداؤد، محمد بن عبدالوہاب العبدی، ابوبکر الجارودی، ابراہیم بن ابی طالب، ترمذی، موسیٰ بن ہارون البزاز، حسن بن علی المعمری، علی بن حسین بن جنید، ابن وارہ، محمد بن عقیل البلخی۔

ناظرین! امام حاکم رح کے کلام سے اہم باتیں معلوم ہوئیں

(الف) فقہ الحدیث دوسری فقہ سے مستغنی کر دیتی ہے۔

(ب) اور یہی فقہ علوم الٰہیہ کا ثمرہ اور ما حصل ہے۔

(ج) اور اسی پر شریعت کا مدار ہے۔

(د) اہل حدیث حدیث میں تفقہ بھی رکھتے ہیں۔

(ھ) یہ غلط ہے کہ وہ صرف الفاظ یاد کرتے ہیں، بلکہ ان کو تفقہ بھی حاصل ہے۔

(و) شریعت کی حفاظت کے لیے صرف اہل حدیث ہی کافی رہے۔ کیوں کہ وہی حفاظ حدیث اور اصحاب فقہ ہیں۔ اسی طرح آپ کا علاء میں محدثین اور فقہا کی تقسیم کرنا غلط بلکہ بے معنی ہوا۔

(ذ) آپ کی اس تقسیم سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ جن فقہا کی جماعت کو آپ نے الگ کیا ہے ان کے پاس حدیث کا علم نہیں ہے۔ اس لیے فقہاء کی نقل کی ہوئی روایات پر خود فقہا کو یقین نہیں ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں کہ

لاعبرة بنقل النهاية ولا بقية شراح الهداية فانهم ليسوا من المحدثين ولا اسندوا الحديث الى احد من المخرجين (موضوعات کبیر صـ۳) "مصنف نہایہ اور ہدایہ کے باقی دوسرے شارحین کی نقل کی ہوئی روایتوں

پر کوئی اعتبار نہیں۔ کیونکہ نہ وہ خود محدث ہیں اور نہ روایتوں کو کسی محدث کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

صاف ظاہر ہے کہ جب تک اہل حدیث نہیں اس کی حدیث پر کوئی اعتبار نہیں اور علامہ عبدالحی لکھنوی نے فرمایا ہے کہ

کم من کتاب معتمد اعتمد علیہ اجلۃ الفقہاء مملوء من الاحادیث الموضوعۃ ولاسیما الفتاوی فقد وضح لنا بتوسیع النظران اصحابھم وان کانوا من الکاملین لکنھم فی نقل الاخبار من المتساھلین (النافع الکبیر ص[12])

"فقہ کی کئی معتبر کتابیں جن پر جلیل القدر فقہا کا اعتماد رہا ہے وہ سب جھوٹی اور بناوٹی روایتوں سے بھری ہوئی ہیں۔ خاص طور پر فتوے کی کتابیں اور وسیع نظر سے ہم پر واضح ہوا ہے کہ ان فقہی کتابوں کے مصنف اگرچہ فی نفسہ کامل تھے لیکن روایات نقل کرنے میں غفلت کرتے تھے۔"

شاہ ولی اللہ طبقات الحدیث کی بحث میں چوتھے طبقے کے متعلق لکھتے ہیں کہ ان میں موضوعات وغیرہ ہیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ

وھنا طبقۃ خامسۃ منھا ما اشتھر علی السنۃ الفقھاء والصوفیۃ والمؤرخین ونحوھم ولیس لہ اصل فی ھذہ الطبقات الاربع (حجۃ اللہ البالغہ ص[135] ج ا مصری)

"پانچواں طبقہ جس میں وہ روایتیں ہیں، جو کہ فقیہوں، صوفیوں اور مورخوں کی زبانوں پر مشہور ہیں۔ جن کی ان چار طبقات کتب احادیث میں کوئی اصل نہیں ملتی۔"

علامہ لکھنوی پھر لکھتے ہیں کہ

ان الکتب الفقھیۃ وان کانت معتبرۃ فی نفسھا بحسب المسائل الفرعیۃ وکانوا مصنفوھا ایضا من المعتبرین والفقھاء الکاملین لکن لا یعتمد علی

الاحادیث المنقولۃ فیہا اعتمادا کلیا ولایجزم بورودھا وثبوتہا قطعا بمجرد وقوفہا فیہا فکم من احادیث ذکرت فی الکتب المعتبرۃ وھی موضوعۃ مختلقۃ (مقدمۃ عمدۃ الرعایۃ ص۱۴)

"فقہ کی کتابیں اگرچہ فی نفسہٖ فروعی مسائل کے اعتبار سے معتبر ہیں۔ اور ان کے مصنفین بھی معتبر اور کامل فقہاء ہیں مگر ان میں ذکر کی ہوئی روایات پر اعتماد کلی نہیں اور صرف ان میں روایات دیکھ کر ان کے وارد یا ثابت ہونے کا فیصلہ نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ ان معتبر کتابوں میں ایسی روایتیں بھی ہیں، جو کہ بناوٹی اور گھڑی ہوئی ہیں۔

علامہ اعزاز علی دیوبندی نے فقہاء حنفیہ کا ایک ایسا طبقہ بھی بتایا ہے کہ

لایقدرون علی ما ذکروا ولا یفرقون بین الغث والسمین ولا یمیزون الشمال عن الیمین بل یجمعون ما یجدون کحاطب اللیل فالویل لھم ولمن قلدھم کل الویل (تمہید النمارف ص۱۲)

جو کچھ ذکر کرتے ہیں اس کے ثابت کرنے پر قدرت نہیں رکھتے اور کھوٹے کھرے میں تمیز نہیں کر سکتے۔ بلکہ حاطب اللیل (رات کو لکڑیاں جمع کرنے والا جو کہ اچھی بری کی تمیز نہیں کر سکتا) کی طرح جو کچھ پایا جمع کر دیا۔ پس ویل سب ویل ان کے اور ان کے پیچھے لگنے والوں کے لیے ہے۔

ناظرین! فقہاء حنفیہ کے لیے تو امام احمد بن حنبل خاص طور پر فرماتے ہیں کہ

ھؤلاء اصحاب ابی حنیفۃ لیس لھم بصر بشیء من الحدیث ما ھو الا الجرأۃ (قیام اللیل المروزی ص۱۲۳)

یہ امام ابوحنیفہ رح کے ساتھی ہیں، جن کو علم حدیث میں کوئی بصیرت اور بینائی حاصل

نہیں ہے صرف جرأت کرتے ہیں ۔

امام وکیع جن کو حنفیہ اپنا شمار کرتے ہیں دیکھو طبقات الحنفیہ للقرشی ص ۲۰۸ ج ۲ اور تراجم الحنفیہ للکھنوی ص۲۲۲ آپ فرماتے ہیں کہ

لولا جابر الجعفی لکان اهل الکوفۃ بغیر حدیث (سنن الترمذی ص۲۹ ج۱۔ باب ماجاء فی فضل الاذان)۔

"اگر جابر جعفی نہ ہوتا تو کوفہ والوں کے پاس کوئی روایت نہیں ہوتی۔

ناظرین! جابر جعفی کے حق میں خود امام ابوحنیفہ رحہ کا فرمان ہے کہ

ما رأیت فیمن لقیتُ أفضل من عطاء ولا لقیت فیمن لقیت أکذب من جابر الجعفی (عمدۃ القاری للعینی الحنفی ص۵۰۷ ج۲ طبع استنبول) نصب الرایۃ للزیلعی الحنفی ص۷ ج۲)

"میں جن لوگوں کو ملا ہوں۔ ان میں عطاء بن ابی رباح سے افضل کوئی نہیں دیکھا۔ اور جن کو میں ملا ہوں ان میں جابر جعفی جیسا کوئی جھوٹا مجھے نہیں ملا"۔

اور ظاہر ہے کہ فقہ حنفی کوفہ سے چلی ہے اور کوفہ کی حدیثوں کا مدار جھوٹا شخص ہے۔ اب اگر فقہ حنفی حدیثوں کے موافق ہے تو ان کا حال سن لیا اور اگر خلاف ہے تو پھر کیوں قبول کیا؟ ۔

فقہ کی معتبر کتاب ھدایہ کے متعلق شیخ عبدالحق یوں گویا ہیں کہ

اگر حدیث آوردہ نزد محدثین خالی از ضعف نہ غالبًا اشتغال وقت آنا استاد از علم حدیث کم تر بود (شرح سفر السعادہ ص ـــ)

"اگر کوئی حدیث لاتا ہے تو ایسی کہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہوتی ہے غالبًا صاحب ھدایہ علم حدیث میں بالکل کم مشغول تھے"۔

ثابت ہوا کہ حدیث بھی اہل حدیثوں کی اور تفقہ بھی انہی کا۔ واللہ یختص برحمتہ من یشاء۔ اسی طرح آپ کی یہ تقسیم لایعنی ہوئی۔

قولہ ص ۲۶ س ۲ " حافظ ابن قیم فرماتے ہیں" الخ

اقول اس عبارت میں محدثین کے مراتب بتائے گئے ہیں اور قسم دوم جو کہ استنباط کرنے والوں کا ہے، وہ بھی محدثین کا ہے اور جو اہل الرای ہیں ان کی تو حافظ ابن قیمؒ نے اسی کتاب اعلام الموقعین میں پوری مذمت کی ہے بلکہ صحابہؓ و تابعینؒ وغیرہم کے اقوال سے ان کی تردید کی ہے۔ اور یہ دونوں طبقے اہل حدیث کے بتائے ہیں، نہ وہ فقہاء جن کو آپ اہل حدیث سے الگ سمجھتے ہیں۔ نیز اس عبارت میں تقلید کی بھی مذمت ہے۔ کیونکہ یہ دونوں طبقات اہل علم کے ہیں اور ابن القیمؒ مقلد کو عالم نہیں مانتا۔ جیسا کہ اسی کتاب میں لکھا ہے کہ

أجمع الناس على أن المقلد ليس معدودا من أهل العلم وأن العلم معرفة الحق بدليله (اعلام الموقعین ص ۷ ج ۱)

"اس پر تمام لوگوں کا اجماع ہے کہ مقلد شخص عالموں میں شمار نہیں ہے اور علم نام ہے دلیل کے ساتھ حق کو معلوم کرنے کا۔"

نیز آپنے اس عبارت میں خیانت کی ہے۔ درمیان کا ٹکڑا چھوڑ دیا ہے۔ اور نہ اس کی طرف کوئی اشارہ دیا ہے۔ دراصل لفظ " ومناهله" کے بعد یہ الفاظ ہیں کہ

حتى ورد من سبقت له من الله الحسنى تلك المناهل صافية من الادناس لم تشبها الآراء تغييرا أو هم الذين قال فيهم الامام احمد بن حنبل في خطبته المشهورة في كتابه في الرد على الزنادقة والجهمية الحمد لله الذي جعل في كل زمان فترة من الرسل بقايا من اهل العلم يدعون من ضل الى الهدى

ويبصرون منهم على الاذى يحيون بكتاب الله تعالىٰ ويبصرون بنور الله اهل العمى فكم من قتيل لابليس احيوه وكم من ضال تائہ قد هدوه فما احسن اثرهم على الناس وما اقبح اثر الناس عليهم ينفون عن كتاب الله بتحريف الغالين وانتحال المبطلين وتاويل الجاهلين الذين عقدوا الوية البدعة واطلقوا عنان الفتنة فهم مختلفون فى الكتاب مخالفون الكتاب مجمعون على مفارقة الكتاب يقولون على الله وفى الله وفى كتاب الله بغير علم يتكلمون عليهم فنعوذ بالله من فتنة المضلين (اعلام الموقعين صـ۹ ج ۱)

م بالمتشابہ من الکلام ویخدعون جہال الناس بما یشبہون

"حتیٰ کہ ان (قسم اوّل) کے حوضوں پر وہی آتے ہیں جن کے لیے اللہ کے ہاں نیکی لکھی جاچکی ہے۔ وہ حوض ایسے صاف ہیں جن کو رائیں بدل نہیں سکتیں اور ایسے چشمہ پر پہنچے جن سے اللہ کے بندے خود پیتے اور جہاں چاہتے آسانی سے جاتے۔ یہ لوگ وہی ہیں جن کے حق میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اپنی کتاب "الرد علی الزنادقۃ الجہمیۃ" کے خطبہ میں فرماتے ہیں کہ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہر زمانہ میں جب کہ رسل وانبیاء آنے بند ہو گئے ایسے اہل علم باقی رکھے جو کہ گمراہوں کو ہدایت کی طرف بلاتے رہتے ہیں۔ اور ان سے پہنچنے والی اذیتوں پر صبر کرتے رہتے ہیں اور اللہ کی کتاب سے مردوں (دین میں) کو زندہ اور (حق سے) اندھوں کو اللہ کے نور سے بینا کرتے ہیں۔ ابلیس کے کئی مارڈالے ان کو اٹھایا اور گمراہوں کو راہ بتائی ان کا لوگوں پر اچھا اثر ہوا۔ اور لوگوں کا ان پر بُرا اثر ہوا (جو ان سے اذیتیں پہنچیں) وہ اللہ کی کتاب سے غلو کرنے والوں کی تحریف مٹانے والوں کے ناجائز دخول اور جاہلوں کی تاویلات کو ہٹاتے رہتے ہیں۔ وہ غالی مبطل جاہل جنھوں نے بدعت کے جھنڈے گاڑ رکھے ہیں اور فتنہ کا منہ کھول دیا ہے۔ کتاب اللہ کے

اختلاف کرتے ہیں۔ اور اس کے مخالف ہیں ۔ اور اس سے الگ ہونے پر متفق ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے حق میں اور اس کی کتاب کے حق میں بلا علم باتیں کرتے ہیں۔ اور متشابہ کلام میں گفتگو کرتے ہیں۔ اور جاہلوں کو متشبہ چیزوں سے دھوکا دیتے ہیں۔ ایسے گمراہ کرنے والوں کے فتنہ سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

ناظرین! اس عبارت میں چند مقام قابلِ غور ہیں :

اول :۔ یہ کہ وہ ایسا صاف چشمہ ہے جس کو رائے نہیں بدل سکتی اس سے معلوم ہوا کہ جو قسم فقہ اہل الرائے کے مولوی صاحب نے ذکر کی ہے۔ وہ یہاں مراد نہیں بلکہ ایسی خالص حدیثیں جن پر رائے کا کوئی اثر نہ ہو الہٰذا مبلغین اور دین کی اشاعت کرنے والوں میں اہل الرای کا شمار نہیں رہا۔

دوم :۔ ان کے چشموں پر وہ خوش قسمت آتے ہیں جن کے لیے خدا نے نیکی رکھی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سلف میں عوام مسائل معلوم کرنے کے لیے اہل حدیث کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ نہ کہ اہل الرائے کی طرف۔

سوم :۔ یہ دونوں قسم اہل علم کے ہیں۔ گویا وہ مقلدین فقہا دین میں داخل نہیں۔

چہارم :۔ وہ اہل حدیث ہر زمانہ میں رہیں گے اور آپ کا یہ کہنا غلط ہوا کہ اب اجتہاد بند ہے۔

پنجم :۔ یہی جماعت داعی الی اللہ ہے۔

ششم :۔ انہی کا فریضہ احیاء الاموات بکتاب اللہ اور اللہ کے دئے ہوئے نور سے لوگوں کو اہلِ بصیرت بنانا ہے اور جن کے متعلق آپ نے لکھا ہے کہ "جس کی آنکھ میں روشنی نہ ہو اس کو چاہیئے کہ کسی آنکھ والے کی سُنے اور اس کی اتباع کرے" صفحہ ۱۳

وہی منصب اہل حدیث کا رہا نہ اہل الرای کا اور اسی سے تقلید کا خاتمہ ہو گیا کیونکہ محدثین صرف آیات و احادیث بتلائیں گے پس یہ اتباعِ دلیل ہوئی نہ اتباع رائے فتدبر۔

ھفتم :۔ اور دین کی حفاظت بھی انہی کا حق ہے۔

ھشتم :۔ اور حفاظت کے لیے ان کے تین منصب بتائے گئے ہیں۔

(الف) غلو کرنے والوں کی تحریف سے بچانا جیسا کہ

۱۔ علامہ شیخ الہند محمود الحسنؒ دیوبندی فرماتے ہیں کہ

" ارشاد ہوا فان تنازعتم فی شیئٍ فردوہ الی اللہ والرسول والی اولی الامر منکم۔" اور ظاہر ہے کہ اولی الامر سے مراد آیت میں سوائے انبیاء کرام علیہم السلام اور کوئی" نہیں سو دیکھئے اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء وجملہ اولی الامر" "واجب الاتباع ہیں۔ آپنے فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون " باللہ والیوم الآخر تو دیکھ لی۔ اور یہ اب تک معلوم نہ ہوا کہ جس قرآن مجید میں" "یہ آیت ہے اس قرآن میں آیت مذکورہ بالا معروضہ احقر بھی موجود ہے۔" "عجب نہیں کہ آپ دونوں آیتوں کو حسب عادت متعارض سمجھ کر ایک کو ناسخ اور دوسری کے" "منسوخ ہونے کا فتویٰ لگانے لگے" (ایضاح الادلہ ص۹۷ مطبوعہ جمال پرنٹنگ پریس دہلی)

حنفی سجنو! آیت معروضہ بالا کس سورت اور کس پارہ میں ہے۔ قرآن دیکھ کر بتائیں یا حافظوں سے دریافت کر کے تسلی کریں۔

۲۔ علامہ شبلی نعمانی کی عبارت پڑھیں۔

" من یومن باللہ فیعمل صالحا حرفِ تعقیب آیا ہے جس سے اس بحث کا قطعی" "فیصلہ ہو جاتا ہے" (سیرت نعمان شبلی ص۱۰۴ مطبوعہ کریمی لاہور)

حنفی دوستو اس طرح الفاظ پورے قرآن کریم میں کہیں نہیں ہاں سورت تغابن میں آیت اس طرح ہے "و من یومن باللہ و یعمل صالحاً" سچ بتاؤ کہ یہ اپنے مذہب کی خاطر تحریف نہیں ہے ؟

۳ ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۱۸ ج ۲ "باب" من صلی صلوٰۃ مرتین" میں ایک روایت یوں لائی ہے۔

" وفیہ حدیث صریح اخرجہ الدارقطنی عن ابن عمران النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا صلیت" " فی اھلک ثم ادرکت فصلھا الا الفجر والمغرب"

حنفی مترو سنن دار قطنی دُنیا سے غائب نہیں ہوئی کئی مکاتب میں موجود ہے ہم بڑے ممنون ہوں گے اگر یہ الفاظ سنن دار قطنی سے نکال کر دکھائیں۔

۴۔ علامہ احمد علی سہارنپوری رسالہ الدلیل القوی میں بحوالہ دار قطنی ایک روایت اس طرح نقل کرتے ہیں۔

" لا یقرءن احد منکم شیئًا من القرآن اذا جھرت بالقرآن

قال الدارقطنی رجالہ ثقات "

اصل دار قطنی میں حدیث اس طرح ہے۔ فلا یقرءن احد منکم شیئًا من القرآن اذا جھرت بالقرأۃ الامام یالقرآن ھذا اسناد حسن ورجالہ ثقات کلھم (سنن الدارقطنی ص ۱۲۱)

حنفیت کے ممبرو! خط کشیدہ الفاظ درمیان سے کیوں حذف کر دیئے گئے ؟ اللہ اللہ۔ اپنے مذہب کی حمایت میں کس قدر بے باکی کے ساتھ حدیث میں ناجائز تصرف کیا جاتا ہے۔

مزید تسلی کے لیے نصب الرایہ الزیلعی الحنفی کو سامنے رکھ کر پھر دیکھیں کہ صاحب ہدایہ نے احادیث نبوی میں کتنی ناجائز مداخلت کی ہے۔ اسی بنا پر فقہا کی لائی ہوئی روایات پر اعتماد نہیں۔ کما مضی۔

(ب) مبطلین کے ناجائز دخول کو روکنا جیسا کہ ملا علی قاری کی عبارت سے معلوم ہوا کہ فقہا نہ خود محدث ہیں اور نہ محدثوں کا حوالہ دیتے ہیں۔

(ج) جاہلوں کی تاویل کو روکنا جیسا کہ شاہ اسمٰعیل شہید کی عبارت مقلدین کی تاویلات باردہ کے متعلق گذری اور علامہ اقبال نے فقہا کی تاویلات کی شکایت اسی طرح کی ہے ؂

زمن بر صوفی و ملا سلامے ! | کہ پیغام خدا گفتند ما را
ولے تاویل شاں در حیرت انداخت | خدا و جبرئیل و مصطفیٰ را

علامہ عبیداللہ سندھی تاویل کرنے والوں کا حال یوں ذکر کرتے ہیں کہ

طائفۃ منھم تؤول الاحادیث الصحیحۃ الی اقوال الفقہاء و آراء امامھم منھم فی بلادنا الشیخ عبد الحق الدھلوی المحدث بل عامۃ اھل بلادنا (تفسیر الھام الرحمٰن ص ۱۲۹)

"فقہا حنفیہ کی ایک جماعت کا یہ حال ہے کہ وہ صحیح احادیث میں تاویل کرکے اپنے فقہاء کے اقوال اور اماموں کی رائے کے موافق بناتے ہیں۔ ہمارے ملک میں ان میں سے شیخ عبدالحق محدث دہلوی ہیں۔ بلکہ اکثر ہمارے شہروں والے"۔

ناظرین! آپ نے دیکھ لیا کہ صاحب رسالہ "اجتہاد و تقلید" نے کیوں یہ عبارت حذف کردی۔ اس لیے کہ ان کے خلاف پڑتی تھی۔ نیز قسم دوم سے بھی آخری عبارت حذف کردی ہے اور اس کی نقل کی ہوئی عبارت سے آگے اس طرح ہے۔

فان تنازعتم فی شیئٍ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الآخر ذٰلک خیر و احسن تاویلا قال عبد اللہ بن عباس فی احدی الروایتین عنہ وجابر بن عبد اللہ والحسن البصری وابو العالیۃ وعطاء بن ابی رباح والضحاک ومجاھد فی احدی الروایتین عنہ اولوا الامر العلماء وھو احدی الروایتین عن الامام احمد (اعلام الموقعین ص ۹ ج ۱)

"پس جس چیز میں تم اختلاف کرو اس کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹاؤ اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ اچھا اور بہتر انجام کار ہے۔ ابن عباسؓ نے ایک روایت میں اور جابر بن عبد اللہ حسن بصری، ابو العالیہ، عطاء بن ابی رباح ضحاک اور ایک روایت میں مجاہد نے کہا ہے کہ اولوا الامر سے مراد علماء ہیں۔ اور اسی طرح ایک روایت میں امام احمد کا کہنا ہے۔"

ناظرین! دو باتیں اہم ہیں جن کی وجہ سے یہ ٹکڑا چھپایا گیا ہے۔

اوّل یہ کہ اختلاف کے وقت اولی الامر میں سے کسی کے قول پر جم کر رہنا صحیح نہیں۔ بلکہ اس کو فیصلہ کے لیے کتاب اللہ و سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹانے کا حکم ہے اور یہ تقلید کے منافی ہے۔ کیونکہ تقلید چاہتی ہے کہ جس کو بہتر سمجھتے اس کی اتباع کرے۔ لیکن چونکہ اولی الامر کا اختلاف ضروری تھا۔ اس لیے خدا کا حکم ہوا کہ سب کو چھوڑ کر قرآن وحدیث کی طرف رجوع کیا جائے۔ نیز یہ مجتہدین کا کام ہے۔ وہی دلائل قرآنیہ وحدیثیہ سے اقوال کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ پس اس آیت میں ایمانداروں کو اجتہاد کا حکم ہے تقلید کا کیونکہ یہ آیت یایھا الذین اٰمنوا سے شروع ہوتی ہے۔

دوم اولی الامر سے مراد علماء ہیں۔ اور اوپر ثابت ہوا کہ مقلد عالموں میں شمار نہیں۔

پس علماء اہل حدیث ہی کی طرف رجوع کا حکم ہوا اور مقلد اگرچہ کتنا اپنے کو بڑا عالم سمجھے لیکن وہ اس کا اہل نہیں۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ ہر زمانہ میں غیر مقلدین اہل حدیث کا رہنا لازمی ہے ورنہ ان کی طرف رجوع کیسے ہوگا۔

قولہ ص ۱۸ س ۱۔ "(ترجمہ) اور اولی الامر کی اطاعت کرو۔ یعنی فقہا کی اطاعت کرو یعنی کتاب و سنت کا جو مطلب سمجھائیں اس پر عمل کرو۔"

اقول: علی التقدیر یہ عبارت خود بتاتی ہے کہ اس سے فقہائے اہل حدیث مراد ہیں نہ اہل الرائے نیز اولوالامر کئی جگہ پر آیات و احادیث کے مطالب بیان کرنے میں اختلاف کرتے ہیں اور ایسے وقت اصل (قرآن و حدیث) کی طرف لوٹنے کا حکم ہے۔ پس تقلید کی منع ہوئی اور اپنے فکر و فہم و تفقہ کا حکم ہوا۔

قولہ ص ۱۸ س ۶ "امام شعرانی میزان ف ۳۳ میں لکھتے ہیں" الخ

اقول اس عبارت کے اخیر میں یہ فقرہ ہے کہ

انظروا الی الائمۃ المجتھدین کیف طلبوا الحدیث مع الفقہ ولم یکتفوا باحدھما۔

(ترجمہ بھی خود کرتے ہیں) دیکھو تو سہی کہ ائمہ مجتہدین نے حدیث اور فقہ دونوں کو طلب کیا صرف ایک پر اکتفا نہیں کیا۔ (اجتہاد و تقلید ص ۱۸ س ۱۱)

صاف ظاہر ہے کہ یہ شان فقہائے اہل حدیث کی ہے۔ نیز شعرانی نے محدث بلا تفقہ اور فقیہ بلا حدیث دونوں پر وار کیا ہے۔ ہمارے اہل حدیثوں میں تو بحمداللہ تفقہ رکھنے والے ہیں لیکن آپ کے فقہا میں اہل حدیث نہیں۔ آپ کہاں سے لائیں گے؟

اسی طرح امام سفیان ثوری اور امام ابن عیینہ سے جو آپ نے نقل کیا ہے اس سے بھی

مراد آپ کے فقہاء ہیں۔ کیونکہ ہمارے محدثین کو اللہ تعالیٰ نے تفقہ وافر عطا کیا ہے۔ جیسا کہ ان کے ابواب وتراجم سے ظاہر ہے۔ لیکن آپ کے فقہاء حدیث سے خالی بلکہ ان کا آشنا ناجائز تصرف ہے کہ ان کی نقل کی ہوئی روایت پر کوئی بھروسہ نہیں۔ جب تک کہ ہمارے محدثین کے ہاں اس کی اصل نہ ملے۔ کما تقدم

قولہ ص ۱۹ سطر ۱ "محدثین اور فقہاء کے فرائض" الخ

اقول۔ اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محدث اور فقیہ کی ایک ہی جماعت بتلائی ہے اس لیے کہ حامل اور سامع محدث ہی ہوتا ہے۔ اس کا کام ہے کہ حدیث سُن کر دوسروں تک پہنچا دے۔ آپ نے بھی ص۱۹ میں ایسا ہی ذکر کیا ہے۔ یہاں فقیہ سامع وحامل کو کہا گیا ہے۔ ہاں یہ بتایا کہ بعض بعض سے افقہ ہوتے ہیں۔ لیکن تمہارے فقہائے اہل الرای کی جماعت کا ذکر نہیں فرمایا۔ نیز اسی روایت میں ایک جملہ جس کا ترجمہ خود آپ لکھتے ہیں کہ

"اور بعضے سمجھدار ہوتے ہیں مگر جن کو روایت پہنچاتے ہیں وہ اس راوی سے زیادہ سمجھدار ہوتے ہیں"

ص۱۹ سطر ۱۱۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ کئی متاخرین متقدمین سے افقہ اور زیادہ سمجھدار ہوتے ہیں ثابت ہوا کہ اجتہاد متاخرین پر زیادہ آسان ہے۔ لہٰذا ان کے لیے تقلید ناجائز ہوئی۔ جیسا کہ آپ نے ص۲۲ میں لکھا ہے۔ اور اسی طرح آپ کی یہ بات بھی غلط ہوئی کہ "اجتہاد ختم ہوا اور تقلید قیامت تک کے لیے باقی رہ گئی" ص۱۰۶ س۱۱۔

قولہ ص۱۹ س۱۷ "اور حدیث کے وہ محجوب اور مخفی حقائق" الخ

اقول کہ یہی فقہاء اہل حدیث کا حال ہے نہ کہ جو محض رائے اور قیاس پر قانع ہیں۔

قولہ ص۲۰ س۱ "اس حدیث میں اس امر کی صاف تصریح ہے کہ حافظ حدیث کے لیے

یہ ضروری نہیں کہ وہ صاحب فہم بھی ہو" الخ

اقول لیکن یہ کہاں ہے کہ فقیہ کے لیے حافظ حدیث ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ اگر ایسا ثبوت ہے تو پیش کرو" ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین" اور اگر ان کے لیے بھی حفظ حدیث ضروری ہے تو ثابت ہوا کہ بلا حدیث فقیہ نہیں ہو سکتا اور یہ ایک ہی جماعت ہوئی تفریق صحیح نہیں رہی۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں، کہ وہ حافظ حدیث یا اہل حدیث جو تفقہ میں کمال نہیں رکھتا ہو وہ ناقص محدث ہے۔ نہ یہ کہ جس کے پاس حدیث نہیں وہ محدث ہو یا فقیہ، حاشا وکلا۔

بتائیں کہ فقہ سے کیا مراد ہے۔ فقہ القرآن والحدیث یا کچھ اور علی الاول یہ حظ اور شغل تو اہل حدیث کا ہے۔ وعلی الثانی یہ کوئی شرعی فقہ نہیں۔ فتفکر!

قولہ صنہ ۳ "فقیہ وہ ہے کہ فقہ اس کی صفتِ نفس ہو"

اقول فقہ حدیث کی یا کسی اور کی علی الاول یہ صفتِ نفس اہل حدیث کی ہے۔ وان کان البعض اولی من البعض۔ محدث ہونے کے بغیر کیسے فقیہ بن سکتا ہے۔ وعلی الثانی شرعًا وہ فقہ نہیں ہے۔

قولہ صنہ ۳ "اور فقہ جس شخص کے حق میں صفت نفس نہ ہو۔ اس شخص کا تعلق حامل ومحمول کا سا ہے۔ صفت موصوف کا سا نہیں"

اقول یہاں آپ نے خود حدیث کو فقہ کہا۔ کیونکہ حامل محمول کا سا تعلق تب ہو سکتا ہے جب کہ حدیث (محمول) کو فقہ مانا جائے۔ پس اہل فقہ اہل حدیث ہی ہوئے اور نہ اہل الرای

ع لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

قولہ صنہ ۱ "معلوم ہوا مقصود بالذات معنی ہے اور الفاظ مقصود بالعرض ہیں اور

مقصود بالذات کے لیے موقوف علیہ ہیں۔"

اقول جب الفاظ موقوف علیہ ہیں، تو ثابت ہوا کہ محدث کے علاوہ اور کوئی فقیہ نہیں ہو سکتا ۔

قولہ ص ۲۰ س ۱۲ "اور الفاظ کے تغیر سے معنی میں بھی تغیر آجاتا ہے اس لیے الفاظ کی حفاظت بھی ضروری ہوئی۔"

اقول اب مطلب کھل گیا کہ حفاظ حدیث جب فقہا نہیں تو الفاظ کی حفاظت کیسے کریں گے اور تغیر و تبدل سے کیسے بچائیں گے ۔

قولہ ص ۲۰، س ۱۵ "کما قال اللہ تعالیٰ" الخ ۔

اقول اس آیت میں قرآن و حدیث کے تفقہ کا حکم ہے اور جو لوگ ان کے واپس آکر تبلیغ کرنے اور ڈرانے سے عمل کریں گے وہ متبع روایت ہوئے نہ رائے ۔ لہٰذا وہ بھی مقلد نہیں ہوئے۔ کیونکہ دلیل کی اتباع تقلید نہیں کما مضی ۔

قولہ ص ۲۰ س ۱۷ "محدث نے الفاظ کی خدمت انجام دی" الخ

اقول : مجتہد و فقیہ انہی میں ہوئے ۔ فریق ایک ہے دو نہیں ۔ صرف ایک دوسرے سے اعلیٰ ۔

قولہ ص ۲۱ س ۲ "حضرات محدثین نے روایات اور الفاظ حدیث کی تحقیق و تفتیش فرمائی" الخ

اقول کئی بڑے محدثین عجمی تھے مثلاً بخاری ترمذی ابوداؤد وغیرہم ۔ انھوں نے تفقہ کے بغیر الفاظوں کی حفاظت کیسے کی ۔ نیز قرآن کے حفظ پر اسی کو قیاس نہ کریں ۔ کیونکہ اس کے الفاظ سب حافظوں کے نزدیک ایک جیسے ہیں۔ بخلاف حدیث کہ ان کے الفاظ مختلف ہیں ۔ لہٰذا ان کی حفاظت

بلاتفقہ محال ہے۔ فاتدبر ما کادان یسرد۔

قولہ ص ۱۲، س ۴ "اور حضرات فقہا نے خداداد استنباط اور اجتہاد سے" الخ

اقول جب وہ حفاظ ہی نہیں تھے تو کیسے ان کو معانی پر عبور رہا اور جو حفاظ ہیں وہ بدون معرفت معانی کیسے حفاظ بنے۔

قولہ ص ۱۲ س ۱۰ "الفاظ میں حضرات محدثین ہمارے استاذ ہیں" الخ

اقول جب ثابت ہوا کہ ایک ہی جماعت کے افراد ہیں پس تنی طویل تقریر بلا طائل ہوئی

قولہ ص ۱۲، س ۱۲ "الفاظ اور معانی میں تفریق کرکے نا سمجھی کا ثبوت مت دو"

اقول یہی ہمارا قول ہے کہ یہ ایک ساتھ ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا ایک ہی جماعت کا شغل ہے۔ فافہم۔

قولہ ص ۱۲، س ۱۳ "الحاصل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں محدثین کو یہ حکم دیا کہ حدیث اور روایت فقہا تک پہنچادیں" الخ

اقول اس کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ خود فقہا نہیں تھے۔ نعوذ باللہ من ہذہ القول القبیح۔ کیونکہ یہ حکم بالمشافہ آپ سے سننے والے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین ہی تھے آپ کی یہ تقسیم ہے جس سے نوبت صحابہ رض کی توہین تک پہنچی۔

قولہ ص ۱۲، س ۱۴ "تاکہ فقہاء امت کو اس کے سامنے سمجھادیں اور مسلمان منشاء نبوی کو سمجھ کر اس پر عمل کریں"

اقول گویا کہ صحابۂ کرام میں یہ اہلیت نہیں تھی۔ معاذ اللہ۔ وہ کیسے عمل کر رہے تھے۔ کیا بلا سوچ و سمجھ؟ استغفر اللہ

قولہ ص ۱۲، س ۱۷ "یہی وجہ ہے کہ روایت تو تمام صحابہ کرتے تھے۔ مگر فتویٰ تمام صحابہ رض

نہیں دیتے تھے" الخ

اقول مفتی سب تھے۔ لیکن ان کے فتاویٰ کا مدار احادیث کی قلت و کثرت پر تھا۔ و فوق کل ذی علم علیم۔

قولہ ص ۲۱، س ۱۹ "جیسا کہ حافظ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے" الخ

اقول آپ کے کہنے کے مطابق ہم نے اعلام ص۳۶ سے ص۵۷ دیکھا۔ مگر خلاصہ یہ کہ فتویٰ دینا عالم کا کام ہے اور عالم بالاجماع مقلد نہیں ہوتا ہے۔ اب بتائیں کہ سب صحابہ عالم تھے یا بعض علی الاول سب غیر مقلد ہوئے اور فتوے دینے کے مستحق ہے۔ و علی الثانی بعض صحابہؓ معاذاللہ بے علم و جاہل ہوئے۔ استغفراللہ۔ نیز ابن القیم نے سارے مضمون میں تقلید و لرائے کی مذمت کی ہے۔ اور جن اقوال میں رائے کا ذکر ہے ان سے اجتہاد و استنباط من الادلہ مراد لیتے ہیں۔

قولہ ص ۲۲ س ۳ "عہد صحابہ میں اصحاب فتویٰ یہ حضرات تھے" الخ

اقول امام ابن حزم نے اس کے متعلق ایک مستقل رسالہ رکھا ہے۔ جس میں ایک سو باسٹھ[۱۶۲] صحابہ کا نام لیا ہے۔ اور پھر فرماتے ہیں۔

وقد جاءت روایات بابواب من الفقہ مجملۃ جاءت منقولۃ من مائتین منہم رضی اللہ عنہم (جوامع السیرۃ لابن حزم ص۳۲۲ الرسالۃ الثالثۃ۔ فقہی ابواب کی روایات مجمل طور پر دو سو صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں

اس طرح بعد صحابہ کئی فقہاء ہوئے ہیں۔ فقہاء سبعہ تک آپ کا حصر غلط ہے۔ بلکہ امام ابن حزم نے ہر شہر کے فقہاء ذکر کیے ہیں۔ جن کی تعداد پہلے ذکر ہو چکی۔ اسی طرح حافظ ابن قیم نے

بھی اعلام الموقعین ص ۱۱ تا ۹۸ ج ۱ میں ذکر کیا ہے۔

قولہ ص ۲۲، س ۶ "محدثین کو فقہاء کی احتیاج" الخ

اقول اس عنوان کا مضمون اس پر موقوف ہے کہ دو جماعتیں ہوں۔ واذ لیس فلیس نیز علی التقدیر فقہاء محدثین کے محتاج ہیں، کیونکہ احادیث پہنچانے والے بقول شما وہی ہیں۔ وہ بھی جبکہ ان کی فقہ فقہ الحدیث ہو اور اگر دوسری ہے تو پھر یہ سوال ہی نہیں رہا۔

قولہ ص ۲۲ س ۹ " قال الامام الشافعی (الی قولہ) ائمہ مجتہدین جو فرماتے ہیں وہ حدیث کی شرح ہوتی ہے اور تمام حدیث قرآن کی شرح اور تفسیر ہے"

اقول ان ائمہ سے مراد اہل حدیث ہیں نہ کہ اہل الرای کیونکہ وہی حدیث کے شارح ہیں۔ جیسا کہ دونوں کے طریقۂ کار سے ظاہر ہے۔ چنانچہ امام ابن قتیبہ ان دونوں جماعتوں کا تعارف اس طرح کراتے ہیں کہ

ثم نصیر الی اصحاب الرای فنجد ھم ایضا یختلفون ویقیمون ثم یدعون القیاس ویستحسنون ویقولون بالشئی ویحکمون بہ ثم یرجعون (تاویل مختلف الحدیث لابن قتیبہ ص ۶۲)

"اہل الرائے کو دیکھتے ہیں تو مختلف پاتے ہیں کبھی تو قیاس کرتے ہیں پھر اس کو چھوڑ دیتے ہیں، کبھی استحسان کرتے ہیں اور ایک چیز کے قائل ہو کر اور اس کا حکم دے کر پھر اس سے رجوع کرتے ہیں

یعنی ان کا کوئی موقف نہیں ہے۔ پھر اہل حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ

فاما اصحاب الحدیث فانھم التمسوا الحق من وجھتہ وتتبعوہ من مظانہ وتقربوا من اللہ تعالیٰ باتباعھم سنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وطلبھم لآثارہ واخبارہ برًّا وبحرًا وشرقًا وغربًا یرحل الرجل الواحد منھم

داجلا مقويا في طلب الخبر الواحد والسنة الواحدة حتى ياخذها من الناقل لها مشافهة ثم لم يزل الواني لتنقير عن الاخبار والبحث لها حتى فهموا صحيحها وسقيمها وناسخها ومنسوخها وعرفوا من خالفها من الفقهاء الى الراى فنبهوا على ذالك حتى نجم الحق بعد ان كان عافيا وسبق بعدان كان دارسا واجتمع بعدان كان متفرقا وانقاد للسنن من كان عنها معرضا وتنبه عليها من كان عنها غافلا وحكم بقول رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد ان كان يحكم بقول فلان وفلان وان كان فيه خلاف رسول الله صلى الله عليه وسلم (تاويل مختلف الحديث ص۵۸)

اہل حدیثوں نے جس طرح حق تعالیٰ کی تلاش کی اور اس کا تبتع کیا اور بوجہ اتباع سُنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور آپ کی احادیث کو برّ و بحر مشرق خواہ مغرب میں طلب کرنے کے اللہ تعالیٰ کے ہاں مُقرب ہوئے۔ ایک شخص ان میں سے ایک حدیث کی طلب میں پیدل ایسے مقام تک جاتا جہاں معاش کا کوئی سامان نہیں ہوتا۔ تاکہ ناقل سے براہ راست وہ حدیث سن لے۔ اور تحقیق و بحث کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کو صحیح حدیث و ضعیف ناسخ و منسوخ کی معرفت حاصل ہوئی اور فقہاء میں سے جو کہ حدیث کے مخالف اور رائے کے پیچھے تھے۔ ان کا علم ہوا۔ اور لوگوں کو خبردار کیا پس (ان کی کوشش سے) حق مٹنے کے بعد ظاہر و بلند ہوا جو متفرق تھا۔ ایک جگہ جمع ہوا۔ اور سُنّت سے جو معرض تھے ان کے آگے جھک گئے اور جو ان سے غافل تھے وہ متنبہ ہوئے اور جو دوسروں کے اقوال پر فیصلہ کیا کرتے تھے۔ اگرچہ حدیث کے خلاف ہو وہ خالص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر فیصلہ کرنے لگے۔

ناظرین! ان عبارات کو بار بار پڑھو! اور غور کرو کہ کیا طریقہ اہل الرائے کا تھا اور کیا طریقہ اہل حدیث کا۔ اول الذکر نے حدیث کو رائے کے مقابلہ میں ترک کیا اور غیر نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)

کو مشکل راہ بنایا۔ اور ان کی تعلیم سے لوگ سنتوں سے غافل اور معرض ہونے لگے۔ اور سنت کے بجائے صرف قیاس کو حربہ بنایا۔ اور اسی پر چلتے کبھی بناتے کبھی بگاڑتے۔ اور ثانی الذکر نے خالص حدیثوں کو حاصل کرنے میں کاوشیں اور مشقتیں برداشت کیں۔ ان کو صحت و سقم اور ناسخ و منسوخ وغیرہ کا علم حاصل ہوا۔ انہی کی بدولت اہل الرائے کی مخالفت کا زور ختم ہوا۔ اور جو لوگ سنتوں سے دور تھے۔ وہ ان کے مطیع ہونے لگے۔ اور غیروں کے بجائے نبوی فرامین پر فیصلے ہونے لگے۔ اور انہی کی مخلصانہ کوشش سے حق ظاہر ہوا۔ اور متفرق سنتیں یکجا جمع ہوئیں۔ اب قارئین کرام دونوں کے تفقہ کا خود فیصلہ کریں ؎

میرے دل کو دیکھ کر میری وفا کو دیکھ کر

بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

قولہ ص ۲۲ س ۱۳ "امام احمد بن حنبلؒ فرمایا کرتے تھے کہ لولا الشافعی ما عرفنا فقہ الحدیث" الخ

اقول: فقہ الحدیث فقہ اہل حدیث ہے کہ فقہ اہل الرائے۔ نیز کیا آپ امام احمد رح کے قول کو صحیح مانتے ہیں یا نہیں علی الاول کیا امام ابو حنیفہ فقہ الحدیث کے عارف نہیں تھے؟ کیونکہ وہ امام شافعیؒ سے قبل تھے۔ اور بقول امام احمد رح فقہ الحدیث کی معرفت امام شافعی کے بعد ہی حاصل ہوئی۔ اور اس طرح آپ نے مذہب حنفی کی ترجیح کے لیے جو صلا سے صلا تک پورے آٹھ ورق لکھ دیئے ہیں وہ سارا کچھ غلط ہوا۔ وعلی الثانی پھر ایسے قول کو کیوں نقل کیا۔ جس کو صحیح نہیں مانتے ہو۔

قولہ صلا ۲۲ سلا "امام شافعیؒ جب بغداد تشریف لائے تو (الی قولہ) اگر حدیث سمجھنا ہے تو امام شافعی رح کی سواری کی دُم پکڑ کر چلو" الخ۔

اقول :۔ حدیث کا سمجھنا یہ فقہ اہل حدیث ہے۔ نہ کہ فقہ اہل الرائے جیسا کہ امام ابن قتیبہؒ کے قول میں گذرا۔ اور اہل حدیث ہمیشہ ایک دوسرے سے حدیث سمجھتے رہتے ہیں۔ کیا آپ بھی شافعیؒ کی سواری کی دُم پکڑیں گے۔ اور حنفیت کو چھوڑ دیں گے ؟

قولہ ص۲۳ سطر ۶ " (ترجمہ) زعفرانی کہتے ہیں کہ اصحاب حدیث خواب میں تھے امام شافعیؒ نے آکران کو جگایا " الخ

اقول :۔ امام شافعی رحمہ خود اہل حدیث تھے دیکھو " الملل والنحل للشہرستانی " ص۵ ج ۲ بر ہامش الفصل لابن حزم اور اہل حدیث ایک دوسرے کو معانی سمجھاتے رہتے ہیں ۔ لیکن آپ بتائیں کہ آپ کے اہل الرائے نے کیا کیا۔ ؎

گر ز عشقت خبرے ہست بگوئے واعظ

ورنہ خاموش ایں شور و فغاں چیزے نیست

قولہ ص۲۳ سطر ۱۱ " وقال داؤد بن علی امام اھل الظاھر " الخ

اقول :۔ یہاں بھی امام شافعی رحمہ کی فضیلت بیان کی گئی ہے جس کا کوئی منکر نہیں ہے۔ یہ تفقہ یہ درایت و فہم سب اہل حدیثوں کے کام ہیں۔

قولہ ص۲۴ سطر ۱۶ " عبد الرحمٰن بن مہدی جو اپنے زمانہ میں اہل حدیث کے امام تھے انھوں نے امام شافعی رحمہ سے درخواست کی کہ اُصول فقہ میں کوئی کتاب تصنیف فرمائیں " الخ

اقول : اہل حدیث اہل الرائے کو نہیں کہہ سکتے بلکہ اہل حدیث کو ہی کہیں گے۔ اور اہل حدیث ایک دوسرے سے فائدہ لے سکتے ہیں۔ لیکن اہل الرائے کا یہ منصب نہیں۔ نیز آپ نے لکھا ہے کہ " عبد الرحمٰن بن مہدی اور یحییٰ بن سعید القطان امام شافعی رحمہ کے رسالہ اصول فقہ کو بہت پسند کرتے تھے اور اس طرح اس زمانہ کے تمام علماء " کیا آپ بھی اسے پسند کرتے ہیں یا کسی دوسری کتاب کو

قولہ ص۲۵ س۱۲ "علامہ سیوطی تبییض الصحیفۃ فی مناقب الامام ابی حنیفۃ میں لکھتے ہیں

روی عن الحسن بن الحارث قال سمعت النضر بن شمیل" الخ

اقول اولاً یہ روایت پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی بوجوہ۔ اوّل یہ کہ حسن بن الحارث خود مجہول ہیں۔ اسماء الرجال کی کتابوں میں کہیں اس کا پتا نہیں لگتا۔ دوم سیوطی نے تبییض الصحیفۃ میں یہ روایت بحوالہ مسند ابی عبد اللہ الحسین بن محمد بن خسرو البلخی سے نقل کی ہے۔ اور یہ صاحب خود ضعیف معتزلی اور حاطب اللیل تھے۔ کما فی لسان المیزان ص۳۱۲ ج ۲ سوم ابن خسرو اور حسن بن حارث کے درمیان کی سند معلوم نہیں ہے۔ لہٰذا یہ روایت سنداً مردود ہے۔ ثانیاً اگر اس روایت کی صحت قبول کی جائے۔ تو بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب نے لوگوں کو مجتہد ہو کر رہنے کی ترغیب اور خود سوچنے و تفقہ رکھنے کی توجہ دلائی ہے۔ اور یہی معنی نیند سے بیدار کرنے کی ہے۔ پھر آپ امام کے برخلاف تقلید کا حکم کیوں دیتے ہیں۔ یہ امام کی اتباع تو نہ ہوئی بلکہ ع

کہ ایں رہ کہ تو مے روی بترکستان است

قولہ ص۲۵ س۱ "اور حافظ ذہبی نضر بن شمیل کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ" الخ

اقول بے شک اہل حدیث کا یہی کام ہے کہ ہر جگہ حدیث و سُنت کو پھیلائیں اور رائے و قیاس کے اثر کو ختم کریں۔

قولہ ص۲۵ س۱۲ "روی الصفا عن عبد الرزاق قال کنت عند معمر" الخ

اقول:۔ یہ روایت مولوی صاحب نے تاریخ خطیب بغدادی کے حوالہ سے ذکر کی ہے۔ اور اس کی سند وہاں اس طرح ہے۔ اخبرنا التنوخی حدثنی ابی حدثنا ابو بکر محمد بن حمدان بن الصباح النیسابوری حدثنا احمد بن الصلت الحمانی حدثنا علی بن المدینی قال سمعت عبد الرزاق تذکرہ (تاریخ بغداد ص۳۳۹ ج ۱۳) اور احمد بن الصلت الحمانی مشہور

مشہور جھوٹا اور روایتیں گھڑنے والا ہے۔ تمام ائمہ جرح و تعدیل نے اس کو کذاب و وضاع بتایا ہے۔ یہاں تک کہ علامہ محمد طاہر فتنی حنفی جس کا آپ نے ص۶ پر ذکر کیا ہے۔ اس نے اپنی کتاب "قانون الموضوعات والضعفاء" ص۲۳۶ میں لکھا ہے کہ

قال ابن عدی ما رأیت فی الکذابین اقل حیاء منہ۔ امام ابن عدیؒ فرماتے ہیں کہ جھوٹے راویوں میں اس شخص جیسا کوئی بے شرم نہیں۔

اور کشف الاحوال للمدراسی ص۱۳ میں بھی یہی نقل موجود ہے۔ اور یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ کان یضع الحدیث" یعنی حدیثیں گھڑتا تھا۔ اسی طرح میزانؒ خواہ لسان سب میں اس کے دروغ گوئی کی تصریح ہے۔ خود شیخ طاہر فتنی نے بھی کذاب کہا ہے۔ نیز جلال الدین سیوطیؒ نے ذیل اللآلی ص۲۵، ص۲۶ میں بھی اس کو کذاب کہا ہے۔ اور امام دارقطنی اور حافظ ابن جوزی سے نقل کیا ہے کہ وہ جھوٹی روایتیں بناتا تھا پس ایسی بناوٹی بات پر اعتماد رکھنا علماء کی شان نہیں ہے۔ نیز اسی طرح اس روایت سے آگے ابن المبارک کی مسعر سے روایت اس کے بعد ابو یوسف کی روایت یہ دونوں تاریخ بغداد للخطیب میں علی الترتیب ص۳۴۳ ج۱۳ ص۳۴۴ ج۱۳ میں موجود ہیں اور ان دونوں کی سندوں میں یہی بے شرم جھوٹا احمد بن الصلت الحمانی ہے۔ پس یہ تینوں روایتیں اسی بے شرم کی گھڑی ہوئی ہیں۔ ان پر اور زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔

قولہ ص۲۷ س۱، "وسئل الاعمش عن المسئلۃ" الخ

اقول یہ روایت الخیرات الحسان میں بلا سند منقول ہے اور بلا تحقیق حال رواۃ کیسے اس پر بھروسہ کیا جائے۔

قولہ ص۲۷ س۶، "امام ابو حنیفہؒ ایک روز امام اعمش کی مجلس میں حاضر تھے" الخ

اقول یہ روایت کتاب مناقب الامام ابی حنیفہ رح للموفق ص۱۶۳ ج ا میں اس سند سے مروی ہے۔ قال اخبرنی الامام ابو المحسن الحسن بن علی المرغینانی فی کتابہ الی بخاری انا رکن الاسلام ابو اسحاق ابراھیم بن اسماعیل الصفار انا ابو علی الحسینی بن علی الصفار انا الفقیہ ابو نصر احمد بن محمد ابن مسلم انا ابو عبد اللہ محمد بن عمر انا الشیخ ابو محمد عبد اللہ بن محمد عبد الحارثی ح واخبرنی عالیا تاج الاسلام ابو سعد السمعانی فی کتابہ انبانا ابو الفرج الصیرفی باصبہان انا ابو الحسینی الاسکاف انا ابو عبد اللہ بن مندۃ الحافظ انا الاستاذ ابو محمد الحارثی قال حکی علی بن معبد عن عبید اللہ بن عمرو بن الاعمش فذکرہ اور یہ ابو محمد الحارثی الاستاذ مشہور کذاب روایتیں گھڑنے والا شخص تھا۔ اس کا مفصل حال میزان الاعتدال ص۴۹۶ ج ۲ اور لسان المیزان ص۳۴۸ ج ۳ میں مذکور ہے۔ یہاں ہم صرف علماء حنفیہ کی کتابوں سے اس کا حال ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ شیخ قاسم بن قطلوبغا حنفی تاج التراجم ص۳۱ میں لکھتے ہیں کہ قال ابن مندۃ غیر ثقۃ ولہ مناکیر۔۔۔ وقال ابن الجوزی ان ابا سعید الرواس قال منھم یضع الحدیث اھ ۲۔ شیخ عبد القادر قرشی حنفی الجواہر المضیئہ ص۲۸۹ ج ا میں لکھتے ہیں۔ قال کان غیر ثقۃ ولہ مناکیر وذکر ابن الجوزی ان ابا سعید الرواس قال منھم یضع الحدیث اھ۔ ۳۔ علامہ لکھنوی الفوائد البہیہ ص۱۰۴ میں لکھتے ہیں۔ کان ضعیف الروایۃ غیر موثوق بہ فی ما ینقلہ من الروایۃ۔۔۔۔۔ وذکر ابو بکر الخطیب الحافظ صاحب عجائب وغرائب ومناکیر ولیس بموضع الحجۃ وقال ابو زرعۃ ضعیف وقال الحاکم صاحب عجائب وافراد من الثقات سکتوا عنہ اھ ۴۔ علامہ عبد الوہاب مدراسی

کشف الاحوال ص۶۳ میں لکھتے ہیں: قال فی المیزان منھم بوضع الحدیث وقال فی المغنی یأتی بعجائب واھیۃ وقال الخلیلی حدثونا عنہ بعجائب اھ ص۵ علامہ فتنی قانون الموضوعات ص۲۴۷ میں لکھتے ہیں۔ متھم بوضع الحدیث اھ ان عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ حارثی ضعیف اور غیر ثقہ ہے۔ حجت نہیں، اس کی روایات پر بھروسہ نہیں۔ حدیثیں بنانے سے متہم ہے۔ محدثین نے اس کو چھوڑ دیا ہے اور معتبر راویوں سے کئی عجیب غریب منکر اور واہیات روایتیں لاتا ہے۔ پس اس کی روایت مردود ہے ثانیاً اس کی علی بن معبد سے بھی ملاقات نہیں۔ کیونکہ حارثی دو سو اٹھاون ہجری میں تولد ہوا ہے۔ (الفوائد البھیۃ ص۱۰۵) اور علی بن معبد دو ہیں ایک ابن نوح بغدادی جو ۲۵۹ھ ہجری میں فوت ہوا ہے اور دوسرا ابن شداد الرقی جو ۲۱۸ھ ہجری میں فوت ہوا ہے۔ (تہذیب ص۲۸۵، ص۳۸۶ ج ۷) اب اگر پہلا مراد ہے تو اس کی وفات وقت حارثی ایک سال کا بچہ تھا اور اگر دوسرا ہے تو اس کی وفات کے چالیس سال بعد حارثی پیدا ہوا ہے۔ پس یہ روایت منقطع ہوئی۔ درمیان کا فاصلہ معلوم نہیں ثالثاً یہ حارثی مدلس بھی ہے کما فی اللسان ص۳۴۹ ج ۳ نقلاً عن الخلیلی اور ضعیف راوی کی تدلیس اگرچہ وہ سماع کی تصریح بھی کرے اور حدثنا وغیرہ کہے مگر پھر بھی مقبول نہیں (طبقات المدلس لابن حجر ص۲) و بالخصوص جب کہ یہاں اس نے سماع کی تصریح بھی نہیں کی۔ رابعاً یہ خود موفق قابل اعتماد شخص نہیں تھا۔ کما سیأتی نقلاً عن المنتقی للذہبی الحاصل یہ روایت قطعاً معتبر نہیں بلکہ اسی حارثی کی بنائی ہوئی ہے اور اسی موفق نے ص۱۶۳ ج ۱ میں اعمش کی ایک روایت اس سند سے لائی ہے۔

اخبرنی ابوالنجیب سعید بن عبد اللہ الھمدانی فیما کتب الی من ھمدان عن ابی الطیب طلحۃ بن الحسین الصالحانی عن ابی الفتح احمد بن محمد العطار عن ابی احمد الحسن بن عبد اللہ العسکری باسنادہ ان الاعمش الخ ۔ اولاً یہ سند مجہول ہے

ثانیاً عسکری سے لے کر اعمش تک سند غائب ہے۔ کیونکہ عسکری ۲۹۳ھ میں تولد ہوا ہے۔ (بغیۃ الوعاۃ فی طبقات اللغویین والنحاۃ للسیوطی ص۲۲۱) اور اعمش ۱۴۸ھ ہجری میں فوت ہو چکا تھا (تقریب التہذیب ص ۱۳۱ ج ۱ مصری) نامعلوم ان کے درمیان کتنے واسطے ہیں اور وہ سب سچے ہیں یا جھوٹے؟ ثالثاً موفق خود غیر معتبر ہے۔

قولہ ص۲۷ سطر۱۲ "یعنی یہ تفقہ اور یہ استنباط حدیث پر عمل کرنے کی برکت سے ہے"

اقول:۔ اہل حدیث ہی براہ راست حدیث پر عمل کرتے ہیں، نہ کہ فقہ رائے وقیاس پر۔ پس وہی فقیہ و مجتہد ہوئے نہ کہ مقلد اور فقہی جزئیات پر قناعت اور اقوال الرجال وآراء الرجال پر کفایت کرنے والے۔

قولہ ص۲۸ سطر۱ "اور طبیب وہ ہے جو دواؤں کے خواص وآثار اور طریق استعمال اور معالجہ سے واقف ہو اور عطار وہ ہے جس کے پاس دواؤں کا ذخیرہ ہو اور ظاہر ہے کہ عطار کسی بیماری کا علاج نہیں کر سکتا ہے۔"

اقول یہ تقریر بتاتی ہے کہ محدثین کے پاس تفقہ نہیں اور فقہا کے پاس حدیث نہیں اور تفقہ کا مدار حدیث پر ہے۔ پس جب تک آپکے فقہا محدثین کے دروازہ پر نہ جائیں وہ تفقہ نہیں کر سکتے اور فقہاء محدثین کے محتاج ہو لئے نہ کہ اس کے برعکس اور آپ کی کوشش کہ محدثین کو فقہاء کا محتاج بنائیں ناکام ہوئی۔ نیز اگر جب بقول شما محدث صرف عطار ہیں۔ ان کو تفقہ نہیں تو ان پر فقہا نے کیسے اعتماد کیا، اور ان کی حدیثوں پر بھروسہ کر کے ان پر دنیا کے لوگوں کے روحانی علاج کی بنیاد رکھی۔ عجب تماشہ ہے کہ فقہاء تو حدیث نہیں جانتے محدثین جن سے وہ لیتے ہیں وہ بھی تفقہ نہیں رکھتے ہیں ان کی روایات پر کیسے اعتماد کیا۔ کیا خبر کہ ان سے روایات میں الفاظ کی کمی و بیشی ہو گئی ہو۔ اسی طرح گویا کہ دین کے ماخذ کو بالکل بے بنیاد اور بے ثبوت بنا دیا۔ استغفر اللہ۔

دراصل محدثین ہی ہیں، جنھوں نے احادیث کی اسانید اور متون دونوں کی تحقیق کی اور مسائل بنائے وہی طریقہ کافی ہے۔

قولہ ص۲۸ سط۲، حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ (الی قولہ) بھلا ایسی شہادت کیا خلاف واقع ہوسکتی ہے۔" ص۲۹ س۹

اقول :- اعمش کے علم و فضل و زہد و تقویٰ و عبادت و ریاضت سے کسی کو انکار نہیں۔ مگر جس شہادت پر آپ نے اپنے دعوے کی بنیاد رکھی تھی۔ اس کے متعلق بیان ہوچکا۔

قولہ ص۲۹ س۱۱، اور اسی طرح کا واقعہ امام اوزاعی کے ساتھ پیش آیا الخ"

اقول :۔ اس واقعہ کا حوالہ نقل نہیں کیا۔ اور نہ کسی کتاب میں نظر ہی آتا ہے۔ پہلے اس کا حوالہ چاہیے پھر اس پر ان شاء اللہ کلام کریں گے۔ نیز امام اوزاعی نے امام صاحب کے حق میں جو الفاظ استعمال کیے ہیں، وہ تاریخ بغداد ص۳۹۸ ج ۱۳ میں مذکور ہیں جس سے یہ نسبت اس کی طرف سے غلط ہو جاتی ہے۔

قولہ ص۲۹ س۱۹ "جب تک اطمینان نہ ہو جائے" الخ

اقول غیر فقیہ محدث پر کیسے اعتماد ہوسکتا ہے؟

قولہ ص۳۰ س۲ "اسی بناء پر امام شافعی رح فرمایا کرتے تھے۔ کہ لوگ فقہ میں ابوحنیفہ کے عیال ہیں"

اقول یہ روایت تاریخ بغداد ص۳۴۶ ج ۱۳ میں تین اسانید سے مذکور ہے پہلی میں راوی حمزہ بن علی بصری ہے۔ دوسری میں دو راوی ابراہیم بن محمد بن احمد ابو اسحاق البخاری اور اس کا استاذ عباس بن عزیز ابو الفضل القطان ہیں اور یہ تینوں نامعلوم شخص ہیں اور اسماء الرجال کی کتابوں میں کہیں انکا نشان نہیں ملتا پس یہ دو سندیں بیکار ہوئیں اور تیسری میں وہی بے شرم جھوٹا احمد بن الصلت

ہے۔ جس کا حال بیان ہو چکا۔ پس یہ روایت جھوٹی ہوئی نیز یہ روایت مناقب الموفق ص۱۳ ج۲ میں مذکور ہے۔ وہاں یہ الفاظ زیادہ ہیں "الناس عیال علیہ فی القیاس والاستحسان" ثابت ہوا کہ فقہ الحدیث مراد نہیں۔ بلکہ فقہ القیاس والاستحسان مراد ہے۔ پس اگر روایت کو ثابت مانا جائے تو بھی امام شافعی کا یہ کلام کوئی تعریف یا مدح کا فائدہ نہیں دیتا بلکہ ایک قسم کا قدح ہے کیونکہ امام شافعی استحسان کے سخت خلاف تھے بلکہ اس کو نئی شریعت بنانا کہتے تھے (مختصر الاصول لابن حاجب قلمی، حجۃ اللہ البالغہ ص۱۴۷ ج۱ شرح تحریر ابن ہمام ص۳۰۸ ج۳)

ناظرین! امام شافعیؒ سے امام محمد بن حسن شیبانی کی تعریف میں جو باتیں نقل کی جاتی ہیں تو ان کی تردید کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ امام شافعیؒ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف کتاب الام ص۲۷۷ ج۷ میں امام محمدؒ کی تردید میں ایک مستقل عنوان بنام کتاب الرد علی محمد بن الحسنؒ رکھا ہے۔ جس سے فریق ثانی کی ساری امیدیں ختم ہو جاتی ہیں۔

قولہ ص۳۰ س۲۰ "عیال میں جو کمال ہے وہ باپ کی تربیت کا ثمرہ ہے"

اقول امام ابو حنیفہ رحمہ اپنے اساتذہ سے سیکھے ہیں۔ پس آپ پر ان کی اتباع لازم ہوئی اور ان ہی کا مذہب چلنا چاہیے۔

قولہ ص۳۰ س۲۷ "امام نوویؒ تہذیب الاسماء الخ"

اقول یہ اونٹ کتابوں والی روایت ثابت نہیں کیونکہ تاریخ بغداد ص۱۷۶ ج۲ میں روایت اس سند سے ہے۔ اخبرنا محمد بن احمد بن رزق قال انبأنا عثمان بن احمد الدقاق قال انبأنا محمد بن اسماعیل التمار الرقی قال حدثنی الربیع قال سمعت الشافعی فذکرہ۔ اور محمد بن اسماعیل التمار الرقی کی کہیں توثیق نہیں ملتی۔ خود خطیب نے تاریخ ص۵۱ ج۲ میں اس کو ذکر کیا ہے لیکن توثیق نہیں کی پس کیسے یہ روایت معتبر ہو سکتی ہے؟

قولہ ص۳۲ سطر۱ "عن یحیی بن معین" الخ

اقول اس کی سند میں علی بن عمرو الجوہری ہے (تاریخ بغداد ص۱۷۵ ج ۲) جس کا حال معلوم نہیں پس مجہول کی روایت حجت نہیں بن سکتی نیز اس کی تردید کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ امام یحیٰی بن معین امام محمدؒ پر سخت جرح کرتے ہیں لسان المیزان ص۱۲۲ ج ۵ میں ابن معین سے امام محمدؒ کے حق میں کذاب جہمی لیس بشئی لا یکتب حدیثہ جیسے الفاظ منقول ہیں۔

قولہ ص۳۲ سطر۱۲ "عن ابراھیم الحربی" الخ

اقول امام احمدؒ کی اس روایت کی سند میں بھی وہی غیر معروف شخص علی بن عمرو ہے۔ (تاریخ بغداد ص۱۷۱ ج ۲) اور نیز اسی سند میں ابوبکر القراطیسی ہے جس کی توثیق نہیں ملتی خطیب نے ص۹۱ ج ۲ میں ذکر کیا ہے۔ لیکن کوئی توثیق یا تعدیل نہیں کی۔ پس بوجہ دو مجہول راویوں کے یہ روایت غیر معتبر ہوئی نیز اس کا بطلان اس سے بھی ظاہر ہے کہ امام احمد کا خود فرمان ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ رحمہ کے ساتھیوں کو علم حدیث میں کوئی بصارت نہیں۔ جیسا کہ اوپر گذرا۔ نیز اہل الرائے کی کتابوں سے تو امام احمد رحمہ سختی سے روکتے تھے۔ دیکھو مختصر طبقات الحنابلہ ص۱۹۵، ۲۳۸، ۲۴۰ بلکہ امام احمد رحمہ تو امام محمدؒ پر جرح کرتے تھے۔ اور اس کو حدیث کا مخالف اور جہمیہ بتاتے ہیں۔ دیکھو تاریخ بغداد ص۱۷۵ ج ۲ لسان المیزان ص۱۲۲ ج ۵ کشف الاستار عن رجال معانی الآثار مصنف جد امجد سید رشد اللہ شاہ مرحوم ص۹۰

قولہ ص۳۲ سطر۱۷ "ناظرین غور تو فرمائیں کہ امام احمد بن حنبل اور یحیٰی بن معین جیسے مسلم امام حدیث کو امام ابوحنیفہ رحمہ کے ایک تلمیذ کی کتابوں کی کیا ضرورت پیش آئی" الخ

اقول جس روایات پر اس کی بنا تھی ان کا حال ظاہر کر دیا گیا پس یہ بات بے سود رہی۔

قولہ ص۳۱ س۳ "ضرورت یہ تھی کہ عامل فقہ تھے فقیہ نہ تھے" الخ

اقول "مایکون لنا ان نتکلم بھذا سبحانک ھذا بھتان عظیم"

امام احمدرح اور امام ابن معینؒ فقیہ نہیں تھے؟ استغفراللہ۔ حالانکہ امام شافعی رح، عبدالرزاق رح خلیلی رح سب امام احمد رح کو افقہ بتاتے ہیں (تہذیب ص۷۵، ج۱) اور مختصر طبقات الحنابلہ ص۶ میں امام شافعی رح سے منقول ہے کہ امام احمدؒ حدیث فقہ سُنت لغت ورع وغیرہ سب میں امام تھے اور امام ابن معینؒ کو امام ابن المدینی رح علم کا منتہی بتاتے ہیں (تہذیب ص۲۸۳ ج۲) اور امام حاکم نے علوم الحدیث ص۲ میں اس کو فقہا محدثین میں شمار کیا ہے۔

قولہ ص۳۱ س۹ "کتاب المناقب للامام الموفق ص۴ ج۲ میں ہے عن محمد بن سعدان سمعت من حضر یزید بن ھارون" الخ۔

اقول یہ روایت بھی بناوٹی ہے اس کی کئی وجوہ ہیں:

اولاً اس میں صریحًا ایک مجہول واسطہ ہے جیسا کہ لفظ ہے "سمعت من حضر یزید بن ھارون" اور آپ ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ محمد بن سعدان کہتے ہیں کہ میں نے اس شخص سے سُنا جو یزید بن ہارون کی مجلس میں حاضر تھا" اور لفظ "اس شخص" نا معلوم سے کیا مراد ہے یہ کون ہے؟ کس پائے کا آدمی ہے؟ اسی طرح مجہول لوگوں سے (جن کے اسلام کا بھی پتا نہیں) کئی باتیں بنا کر ہم میں ڈال گئے۔ اس لیے اصولاً مجہول کی روایت مردود ہے۔

ثانیاً محمد بن سعدان کے لئے لسان المیزان ص۱۶۵ ج ۵ میں لکھا ہے کہ "لا یعرف" یعنی اس کے حال کا کوئی پتا نہیں۔

ثالثاً اس کا تلمیذ ابراہیم بن علی الترمذی کا بھی اسماء الرجال کی کتابوں میں پتا نہیں لگتا۔

رابعاً اس میں بھی وہی ابو محمد حارثی کذاب ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا۔ پس یہ بناوٹی

روایت کچھ مفید نہ ہوگی۔

خامسًا سب محدثین جن کے نام اس روایت میں لیے گئے ہیں یعنی یزید بن ہارون یحیٰی بن معین، علی بن المدینی احمد بن حنبل اور زہیر بن حرب ان سب نے امام صاحب پر جرحیں کی ہیں۔ دیکھو تاریخ بغداد علی الترتیب صـ ۲۹۷، ۴۰۷، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۱ ج ۱۳ و صـ ۴۱۶، ۴۱۸، ۴۲۰، ۴۶۹ ج ۱۳

قولہ صـ ۲۱ سـ ۱۸ " محمد بن اسحاق امام مغازیؒ جب کوفے آئے تو امام ابوحنیفہ رحؒ کی زیارت کے لیے بار بار حاضر ہوتے اور جو مسائل ان کو پیش آتے ان میں امام ابوحنیفہؒ سے استفادہ کرتے (کذا فی مناقب الموفق صـ ۲۳ ج ۲)

اقول یہ بھی جعلی روایت ہے:

اوّلًا خود موفق غیر معتبر ہے کما سیأتی:

ثانیًا اس کا ناقل وہی حارثی کذاب ہے۔

ثالثًا اس کا استاد یحیٰی بن اسماعیل جس کا کہیں بھی ذکر نہیں ملتا۔

رابعًا حسن بن عثمان جھوٹا اور وضاع ہے میزان الاعتدال صـ ۲۱ ج ۱ میں ہے۔ "کذبہ ابن عدی" یعنی حافظ ابن عدی نے اس کو جھوٹا بتایا ہے اور کشف الاحوال للمدراسی صـ ۳۲ میں ہے "کان کذابا یضع الحدیث ویسرق حدیث الناس" یعنی جھوٹا تھا اور حدیثیں گھڑتا اور لوگوں کی حدیثیں چراتا تھا۔ نیز میزان میں ایک اور حسن بن عثمان بھی مذکور ہے اس کو بھی مجروح بتایا ہے لیکن وہ متأخر معلوم ہوتا ہے۔ دراصل وہی پہلا اسی طبقہ کا نظر آتا ہے پس ایسی روایت نقل کرنا علماء کو زیبا نہیں۔

قولہ صـ ۲۲ سـ ۲ " وہی محمد بن اسحاق ہیں کہ جو حدیث قرأت خلف الامام کے راوی ہیں "

اقول کیا پھر اس کی وہ حدیث مانتے ہو؟ اگر نہیں تو پھر علی تقدیر صحۃ الروایۃ اس کا یہ عمل کیسے سند ہوا؟۔

قولہ ص۳۲ س۳ " اور امام بخاریؒ اور امام بیہقیؒ نے ان کا امیر المومنین فی الحدیث ہونا ثابت کیا ہے ۔

اقول پھر آپ کے احناف اس کو مجروح کیوں کہتے ہیں؟ نیز امیر المومنین فی الحدیث کو اہل الرائے کے پاس جانے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ تو خود بقول ابن ناصر الدین علم میں بحر تھے۔ (شذرات الذہب ص۲۲ ج۱)

قولہ ص۳۲ س۵ " عن ثابت الزاھد قال کان إذا أشکل علی الثوری مسئلۃ الخ

اقول۔ یہ روایت مناقب الموفق میں نہیں، بلکہ مناقب کردی (وھو فی ذیل المناقب للموفق) میں اس طرح مذکور ہے۔ و ذکر ابو النجیب سعد بن عبد اللہ المروزی عن العسکری عن ثابت الزاھد فذکرہ اور یہ روایت مردود ہے۔ اولاً ابو النجیب اور عسکری کے درمیان کم از کم دو واسطے ہیں جیسا کہ ایک ایسی سند پہلے گذری ہے۔ جس میں اعمش کا ذکر تھا۔ ثانیاً ثابت زاہد ۲۱۵ھ میں فوت ہوا ہے۔ (تقریب ص۱۱۷ ج۱ مصری تہذیب ص۱۲ ج۱) اور عسکری ۲۹۳ھ میں تولد ہوا ہے کما تقدم بحوالۃ بغیۃ الوعاۃ یہ ثابت کی وفات کے بعد ستر سے زیادہ برس کے بعد پیدا ہوا ہے اور درمیان کا واسطہ معلوم نہیں پس ایسی ظلمت (اندھیری) والی روایت معتبر نہیں۔ نیز امام ثوری نے جو امام صاحب کے متعلق الفاظ کہے ہیں وہ تاریخ بغداد ص۴۱۸ ج۱۳) میں دیکھیں۔ نیز امام ثوری نہ آپ کو فتوی کا اہل بھی نہیں کہتا تھا۔ دیکھو کتاب العلل و معرفۃ الرجال للامام احمد بن حنبل ص۲۵۸ ج۱)

قولہ ص۳۲ س۳ قال الحافظ ابن حجرؒ الخ

اقول۔ اس بات کا جس روایت پر مدار ہے وہ اسی عبارت میں باسناد مذکور ہے اور وہ بچند وجوہ باطل ہے۔ اولاً ابن ابی العوام تک سند معلوم نہیں۔ ثانیاً ابن ابی العوام خود کا حال معلوم نہیں۔ ثالثاً یوسف بن احمد مکی اور محمد بن حازم دونوں کا بھی حال معلوم نہیں بلکہ معاملہ برعکس معلوم ہوتا ہے۔

روی سعید بن أبی مریم عن أشهب بن عبد العزیز قال رأیت أبا حنیفة بین یدی مالك كالصبی بین یدی أبیه (تذکرة الحفاظ ص۱۹۵ ج ا طبع ۳)

اشہب بن عبد العزیز کہتا ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہ کو امام مالک کی خدمت میں اس طرح بیٹھے دیکھا جیسا بچہ اپنے باپ کے آگے بیٹھتا ہے۔ نیز امام شافعی جو کہ امام مالک کے شاگرد ہیں اس کا امام ابوحنیفہ کے شاگرد امام محمد سے اس بات پر مناظرہ ہوا کہ کون اعلم ہے اور امام محمد نے اقرار کیا کہ امام مالک امام ابوحنیفہ سے اعلم ہے۔

قال الشافعی قال لی محمد بن الحسن أیهما أعلم صاحبنا أم صاحبکم یعنی أبا حنیفه ومالكا رحمهما الله تعالیٰ قلت علی الإنصاف قال نعم قلت ناشدتك بالله من أعلم بالقرآن قال قلت صاحبنا أم صاحبکم قال اللهم صاحبکم قال قلت ناشدتك بالله من أعلم بالسنة صاحبنا أم صاحبکم قال اللهم صاحبکم قال قلت ناشدتك بالله من أعلم بأقاویل أصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم المتقدمین صاحبنا أم صاحبکم قال اللهم صاحبکم قال الشافعی فلم یبق إلا القیاس وهو لا یکون إلا علی هٰذه الأشیاء فعلی أی شیئ یقیس۔ ترجمة الإمام مالك الملحقة یا بتداء تنویر الحوالك

شرح موطا مالک الدیباج المذہب فی اعیان المذہب لابن فرحون ص۳۲ تذرات الذہب ص۲۵۹ ج۱ مقدمۃ الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ص۱۲۰)

امام شافعی نے کہا کہ مجھے امام محمد نے کہا کہ ہمارے استاد (ابوحنیفہ) اور آپ کے استاد (مالک) دونوں میں زیادہ علم والا کون ہے؟ میں نے کہا کہ انصاف سے کہوں؟ میں نے کہا: میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں دونوں میں قرآن مجید کا علم کون زیادہ رکھتا ہے۔ ہمارا استاد (مالک) یا آپ کا (ابوحنیفہ)؟ کہا: بخدا آپ کا استاد، میں نے قسم دی کہ علم حدیث کو زیادہ جاننے والا کون ہے ہمارا استاد یا آپ کا استاد کہا: بخدا آپ کا۔ میں نے پھر قسم دی کہ متقدمین صحابہ کے اقوال کو زیادہ جاننے والا کون تھا؟ ہمارا استاد یا آپ کا؟ کہا، بخدا آپ کا امام شافعی نے کہا (جب قرآن حدیث اور اقوال صحابہ میں ہمارا استاد امام مالک زیادہ علم رکھتا ہے) اب باقی قیاس کے سوا اور کیا رہا۔ اور وہ بھی انہی چیزوں (قرآن وحدیث آثار) پر ہوتا ہے (جن کا زیادہ علم ہمارے استاد کو ہے) پس آپ کا استاد کن چیزوں پر قیاس کرتا ہے۔

ناظرین! امام محمد دونوں اماموں کے شاگرد ہیں۔ مگر اللہ کی قسم کھا کر فیصلہ دیتے ہیں کہ قرآن وحدیث اور اقوال صحابہ میں امام ابوحنیفہ کی نسبت امام مالک کو زیادہ علم تھا جس سے ظاہر ہے کہ وہ روایت جو کہ مصنف رسالہ اجتہاد و تقلید نے ذکر کی ہے۔ وہ صحیح نہیں اور امام مالک کو امام ابوحنیفہ سے استفادہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ نیز امام محمد کے حلقۂ درس کا یہ حال تھا کہ:

كان اذا حدث عن مالك امتلأ منزله وكثر الناس حتى يضيق عليه الموضع واذا حدث عن غير مالك لم يجئه الا يسير من الناس۔ (تهذيب الاسماء النووى ص۸۱ ج۱)

جب امام مالک سے رستی ہوئی حدیثیں، بیان کرتا تھا تو لوگوں سے مکان بھر جاتا تھا۔ اور جگہ تنگ ہو جاتی تھی۔ مگر جب کسی اور اسے بیان کرتے تو بالکل تھوڑے لوگ آتے تھے۔

اب یہاں لوگوں کی نظر میں امام مالک اور دوسروں کے درمیان جو فرق ہے۔ وہ ظاہر ہے نیز امام ابو حنیفہ تو امام مالک کے شاگرد تھے۔ دیکھو الدیباج المذہب صفحہ ۳۰ خود احناف کو بھی یہ اعتراف ہے۔ دیکھو مناقب الامام ابی حنیفہ الموفق والکردی علی الترتیب صفحہ ۵۰ ج ا صفحہ ۸۶ ج ا بلکہ جلال الدین سیوطی نے تو اس پر مستقل رسالہ لکھا ہے۔ جس میں وہ روایتیں جمع کی ہیں جو امام ابوحنیفہ نے امام مالک سے سنی ہیں (مقدمہ ملحقہ با بتداء تنویر الحوالک) ایضاً امام مالک نے جو امام ابوحنیفہ کے حق میں الفاظ استعمال کیے ہیں۔ وہ تاریخ بغداد للخطیب صفحہ ۴۲۰-۴۸۳-۳۹۶ ج ۱۳ میں دیکھیں وہ تو ان کا رد کرنے والے تھے۔ چہ جائیکہ ان کی کتابوں سے استفادہ کریں۔ و علی التقدیر یہ آپ کو فائدہ نہیں دے گا۔ کیونکہ یہ رجوع المجتہد الی المجتہد تقلید نہیں۔ (فواتح الرحموت صفحہ ۴۰۲) ج ۲ مع المصفیٰ)

قولہ صفحہ ۳۳ سطر ۱۲ "اصل اہل حدیث فقہا ہیں"

اقول چشم ما روشن دل ما شاد ریں ہمارے مسلک کی تصدیق ہوگئی۔

قولہ صفحہ ۳۳ سطر ۱۲ "اس بیان سے یہ امر بخوبی واضح ہوگیا" الخ

اقول۔ یہی حال محدثین کا ہے۔ کما مضیٰ۔ اور جن واقعات پر آپ نے بنا رکھی ہے وہ سب ثابت نہیں ہوئے۔

قولہ صفحہ ۳۳ سطر ۱۷ "قال الخطابی واصحاب السنن" الخ

اقول۔ اس تعریف سے بھی ظاہر ہے کہ اہل حدیث خود حدیث کے معانی سے واقف ہوتے ہیں اور وہ خود فقہ الحدیث میں درک رکھتے ہیں۔ پھر تفریق باطل ہوگئی۔

قولہ ص۳۲ س۳ "الغرض اہل حدیث کا لفظ حفاظ سے مختص نہیں" الخ

اقول حفاظ حدیث ہی فقہاء الحدیث ہیں۔ کما مضی۔ پس تفریق بے معنی ہوئی۔

قولہ ص۳۲ س۵ "خصوصاً فقہائے حنفیہ" الخ

اقول۔ ان کو تو اصحاب الرائے کہا گیا ہے۔ نہ کہ اصحاب الحدیث یا اہل الحدیث جیسا کہ اوپر شہرستانی کے کلام میں گذرا۔ اسی طرح شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ کے باب الفرق بین اہل الحدیث واصحاب الرای میں ذکر کیا ہے اور اگر آپ کے حنفیہ بھی اہل حدیث ہیں تو پھر اہل حدیث پر اعتراض کیوں اور ان سے عداوت کس لیے؟ بلکہ آپ کو تو تقلید کی حمایت نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ اہل حدیث تقلید کے قائل نہیں ہیں۔

قولہ ص۳۲ س۵ "کہ ان کے نزدیک مرسل اور منقطع اور خبر مستور اور بلاغات بھی معتبر ہیں"

اقول یہی اس کی دلیل ہے کہ وہ اہل حدیث نہیں اس لیے کہ ان کے ہاں مرسل منقطع مستور اور بلاغات حجت نہیں۔ جیسا کہ مقدمہ مسلم الباعث الحثیث لابن کثیر ص۴۸ طبع۳ میں مذکور ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی النکت میں لکھتے ہیں کہ

وھوالذی علیہ عمل ائمۃ الحدیث اسی (عدم قبول المراسیل) پر ائمہ حدیث کا عمل ہے۔

ثابت ہوا کہ فقہائے اہل الرای اور فقہائے محدثین کا طریق کار الگ رہا ہے

قولہ ص۳۲ س۶ "اور حدیث ضعیف کے متعلق امام ابوحنیفہ اور ان کے تمام اصحاب و اتباع کا مشہور و معروف مسلک ہے کہ الحدیث الضعیف احب الی من رای الرجال حدیث ضعیف میرے نزدیک لوگوں کی رائے سے کہیں بہتر ہے"

اقول یہی مسلک امام صاحب سے کئی علماء نے نقل کیا ہے لیکن پھر آپ رائے اور قیاس کو کیوں وزن دے رہے ہیں۔ نیز آپ کے فقہاء نے خبر واحد پر قیاس کو کیوں ترجیح دی ہے۔ نیز بنا بریں امام صاحب کا مسلک تو اتباع حدیث ہوا۔ پھر حنفی مذہب کی اصل کہاں تک پہنچا ڈگے۔

قولہ ص۳۴ س۱۱ اجتہاد اور استنباط کی بھی ضرورت (س۱۱ قولہ) حق و جل و علی نے اس مجمل قانون کو اپنے نبی پر نازل کیا اور اس کا پورا مطلب بھی سمجھایا ص۳۵ س۱۶۔

اقول۔ اس عنوان سے لغایتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیاس شرعی ہونا چاہیئے اور اس کی فضیلت سے یہ ظاہر ہوا کہ ہر ایک حسب طاقت و استعداد خود قیاس کرے۔ نہ کہ کسی دوسرے کے قیاس کی تابعداری کرے اور قیاس مجتہد ہی کر سکتا ہے نہ کہ مقلد چنانچہ آپ خود قیاس و علل کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ کام مجتہد کا ہے (ص۳۰ س۸) نیز آپ اخیر میں یہ بھی تصریح کرتے ہیں کہ مجمل احکام کی تفصیل بھی اللہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھا دی۔ پس اب قیاس کی ضرورت کیا رہی، جبکہ تفصیل پہلے موجود ہے۔ شارع اعظم و شارح اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کچھ سمجھا دیا۔ اب انہی سے لینا ہے۔ کسی دوسرے کی ضرورت ہی نہیں رہی نہ کسی قیاس کی حاجت باقی رہی۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ

لا حجۃ فی قول احد دون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وان کثروا ولا قیاس ولا فی شئی (المیزان الکبریٰ للشعرانی ص۵۱ ج ۱)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی دوسرے کا قول حجت یا دلیل نہیں۔ اگرچہ کتنے ہی ہوں۔ نہ قیاس نہ کوئی اور چیز۔

اور امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ

البول فی المسجد احسن من بعض القیاس (مناقب الموفق ص۹۱ ج ۱ الاحکام ص۲۶ ج ۷)

لابن حزم)

بعض قیاس ایسے ہیں جن سے تو مسجد میں پیشاب کرنا کہیں بہتر ہے۔

اور دوسری روایت میں آپ سے مروی ہے کہ

من لم یدع القیاس فی مجلس القضاء لم یفقہ (الاحکام لابن حزم ص۳۶ ج ۸)

فتویٰ کے وقت جس نے قیاس سے کام لینا نہیں چھوڑا وہ فقیہ نہیں۔

ثابت ہوا کہ فقہا اہل الرائے والقیاس اور ہیں اور فقہائے محدثین اور

قولہ ص۲۵ س۱۷ کما قال ان علینا جمعہ وقرانہ فاذا قرأناہ فاتبع قرانہ ثم ان علینا بیانہ

اقول :۔ اس آیت سے بھی ظاہر ہے کہ سب چیزیں بیان کر دی گئی ہیں پھر قیاس کی کیا صورت رہی۔

قولہ ص۲۵ س۱۹ "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قدر عمل کی ضرورت تھی اور جتنی حکمت اور مصلحت تھی۔ اس قدر اس کی تفصیل فرمائی"

اقول۔ جب سب کچھ ہو چکا تو پھر قیاس کی حاجت نہ رہی۔

قولہ ص۲۶ س۱ "بہت سے اصول و قواعد صراحۃً اور بہت سے اصول جزئیات کے ضمن میں بیان فرمائے تاکہ قیامت تک پیش آنے والے واقعات کے لیے رہنمائی کر سکیں"

اقول۔ یہاں دو باتیں معلوم ہوئیں۔ اول یہ کہ بقول شما ضمنی مسائل بھی شارع بارح صلی اللہ علیہ وسلم سے ماخوذ ہوئے اور یہ اتباع نصوص یعنے دلائل کی ہوئی اور اتباع دلیل تقلید نہیں۔ اور غیر نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتباع کی ضرورت نہیں رہی۔ دوم یہ کہ جب قیامت تک کے آنے والے واقعات کے لیے بھی اس میں ضمناً مسائل ہیں تو پھر آپ کا یہ کہنا غلط ہوا کہ "اجتہاد اب بند ہو گیا۔

اور اب تقلید ہی ہو گی۔ کیونکہ قیامت تک آنے والے مسائل کئی ایسے بھی ہیں جو کہ سابقا ائمہ کے خواب و خیال میں بھی نہ تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ زمانہ میں کثرت سے مجتہدین کا رہنا ضروری ہے۔ تاکہ آنے والے واقعات اور نوازل کے لیے نصوص سے مسائل نکالتے رہیں۔ نیز ثابت ہوا کہ ائمہ اربعہ کا اجتہاد بھی ناتمام ہے۔ بلکہ کئی مسائل قیامت تک پیش آتے رہیں گے جن کے لیے مجتہدین اجتہاد کرتے رہیں گے اور اجتہاد کے بند ہونے کا دعویٰ مردود ہوا۔ والحمد للہ۔

قولہ ص۳۶ سطر۳ "اہل فہم اور ارباب فراست کے لیے گنجائش چھوڑ دی کہ وہ حضرات غیر منصوص مسائل میں" الخ

اقول اہل فہم و ارباب فراست سے مراد مجتہدین ہیں یا مقلدین علی الاول ہر زمانہ میں اجتہاد کی گنجائش رہی۔ بلکہ یہی طریقہ اسلم ہوا۔ اور آپ کا کہنا غلط ہوا کہ "بغیر تقلید شخصی کے اتباع ہوا سے محفوظ رہنا عادۃً اور فی زماننا محال ہوتا ہے" (ص۳۵ سطر۱۱) وعلی الثانی یہ غلط ہو گا کیونکہ قیاس مقلدین کا کام نہیں۔

قولہ ص۳۶ سطر۱ "ناظرین غور کریں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان اور تفسیر کے بعد وہ کیا چیز ہے جس کو "لعلھم یتفکرون" سے بیان فرمایا۔ اور مستقلاً واو عاطفہ سے "لتبین" پر اس کا عطف کیا گیا ہو۔ وہ مجتہدین کا قیاس اور استنباط ہے"۔

اقول نکتہ شناس نہای دلبر خطا ایں جا است "یتفکرون" کا ضمیر الناس کی طرف راجع ہے۔ اور الناس میں لام استغراق کا ہے۔ گویا کہ سب لوگ حسب استطاعت مجتہد ہو کر رہنے کے مامور ہیں نہ کہ مقلد ہو کر۔ اور تفسیر ابن کثیر ص۵۷۱ ج۲ میں تحت الآیت مذکور ہے کہ

"ولعلهم یتفکرون" أی ینظرون لأنفسهم فیھتدون فیفوزون بالنجاۃ فی الدار۔

"ولعلهم یتفکرون" کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ خود اپنے لیے سوچیں اور غور کریں تاکہ ہدایت والے ہو کر دارین میں نجات کی کامیابی حاصل کریں۔

اور ظاہر ہے کہ نظر و استدلال مجتہد کی شان ہے نہ کہ مقلد کی۔

قولہ ص۳۶ س۱۵" اخرج ابن ابی حاتم من طریق مالک بن انس عن ربیعۃ" الخ

اقول۔ اوّلاً یہ روایت تفسیر در منثور کے حوالے سے نقل کی گئی ہے اور وہاں اس کی سند مذکور نہیں لہٰذا اس پر بھروسہ نہیں رہا۔ ثانیاً اس قول کا قائل ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن المعروف بربیعۃ الرای ہے جو تابعی ہے اور تابعی کا قول کسی کے ہاں حجت نہیں۔ بالخصوص کتاب و سُنت کے مقابلہ میں جبکہ وہ دین کو کامل بتاتے ہیں۔ ثالثاً خود ربیعہ کا یہ حال ہے کہ امام ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ کانوا یتقونہ لموضع الرای (تہذیب ص۲۵۸ ج۳)

کثرت رائے کی وجہ سے لوگ اس سے بچتے رہتے تھے۔

پس اگرچہ یہ اس کا قول ہو لیکن قابل قبول نہیں کیونکہ اس کی رائے سے حذر کرتے تھے گویا کہ۔۔۔ یہ قول عام ائمہ کے اقوال کے خلاف ہے۔ والعیاذ بلکہ کثرت رائے کی وجہ سے خود ربیعہ لوگوں کی نظروں میں گر چکا تھا چنانچہ امام سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ

لم یزل امر الناس معتدلا حتی غیر ذالک ابو حنیفۃ بالکوفۃ و عثمان البتی بالبصرۃ و ربیعۃ ابن ابی عبدالرحمٰن بالمدینۃ (تاریخ بغداد ص۳۹۵ ج۱۳ جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر ص۱۴۷ ج۲ الاحکام لابن حزم ص۵۶ ج۶)

لوگوں کا حال ہمیشہ اعتدال سے رہا۔ حتی کہ اس کو بدل دیا امام ابوحنیفہ رح نے کوفہ میں اور عثمان بتی

نے بصرہ میں اور ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن نے مدینہ میں۔

یعنی کثرت رائے کی وجہ سے اہل علم کے نزدیک ربیعہ مقدوح تھا بلکہ امام لیث بن سعدرح فرماتے ہیں کہ

رایت ربیعۃ بن ابی عبد الرحمٰن فی المنام فقلت لہ یا ابا عثمان ما حالک؟ فقال صرت الی خیر الا انی لم احمد علی کثیر مما خرج منی من الرای (جامع بیان العلم ص۱۴۷ ج ۲)

میں نے ربیعہ کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھا اور حال پوچھا، کہا تو لیسے تو خیر ہے لیکن میری کثرت رائے و قیاس کی وجہ سے میری اچھائی نہیں ہوئی۔

خامساً خود امام مالکؒ جو اس روایت میں ربیعہ سے راوی ہیں وہ اس کے اس قول (رائے و قیاس کے لیے جگہ باقی رکھی) کا مخالف ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ

من احدث فی ھذہ الامۃ شیئا لم یکن علیہ سلفھا فقد زعم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خان الرسالۃ لان اللہ تعالٰی یقول الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" فما لم یکن یومئذ دینا لا یکون الیوم دینا (الاحکام لابن حزم ص۵۸ ج ۶)

جس نے ایسا نیا رواج ڈالا جو پہلے نہیں تھا تو گویا کہ اس نے یہ گمان کیا کہ (معاذ اللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رسالت پہنچانے میں خیانت کی ہے کیونکہ اللہ تعالے کا فرمان ہے کہ

ترجمہ:۔ میں نے آپ کا دین پورا کر دیا اور آپ پر نعمت تمام کر دی اور آپ کے لیے دینِ اسلام پسند کیا" پس جو اس وقت دین نہیں تھا وہ اب دین نہیں ہو سکتا ہے۔

معلوم ہوا کہ امام مالک ربیعہ کے اس قول کو باطل جانتا ہے بلکہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ جو کچھ بیان کرنے کے قابل چیز تھی۔ بیان کردی گئی اور یہ غلط ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی چیزیں حدیث سے بیان فرمائیں اور رائے وقیاس کے لیے جگہ باقی رکھی؟ ص۳۶ / س۱۸۔ سادساً ربیعہ خود اپنی رائے کو کچھ نہیں سمجھتا تھا چنانچہ امام ابن شہاب زہری کو اس نے کہا کہ :۔

ان حالی لیس یشبہ حالک انا اقول برایی من شاء اخذہ وعمل بہ ومن شاء ترکہ (الاحکام لابن حزم ص۱۲۵ ج۶)

میرا حال آپ کے حال سے مشابہ نہیں۔ میں جو کچھ کہتا ہوں اپنی رائے سے کہتا ہوں جو چاہے اس پر عمل کرے اور جو چاہے اس کو ترک کرے۔

ربیعہ کے اس قول سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ وہ خود اپنی رائے پر بھروسہ نہیں رکھتا تھا۔ دوم یہ کہ رائے وقیاس خطا وصواب کا مجموعہ ہوتا ہے اور اس کا کوئی پابند نہیں۔ پس وہ قرآن وحدیث جیسی معصوم چیزوں کی طرح کیسے قابل اخذ رہی۔

قولہ ص۳۷ س۴ "تاکہ مجتہدین اور مستنبطین (الی قولہ) یہ کام مجتہد کا ہے" الخ

اقول، اولاً اس کی معنی کہ اجتہاد قیامت تک جاری ہے اور ہر ایک اجتہاد کرنے کا مامور ہے نہ کہ تقلید کا۔

دوم یہ کہ محدثین سب مجتہد تھے جیسا کہ اوپر گذرا۔ پس یہ کوشش بھی ناکام رہی۔

قولہ ص۳۷ س۹ "بالفرض اگر شریعت میں رائے وقیاس کے لیے کوئی جگہ نہ ہوتی الخ"

اقول :۔ اس سے کیا مراد ہے یہ کہ ان دلائل قرآنیہ، حدیثیہ سے بذریعہ عقل وفہم مسائل نکالے جائیں یا کہ اسی عقل سے مسائل وضع کیے جائیں؟ بصورتِ اولیٰ نص کا اتباع ہوا نہ عقل

قیاس کا اور بصورت دیگر نصوص کا ترک لازم آئے گا جیسا کہ آیت " اکملت لکم دینکم " کے بارہ میں امام مالک کا قول ذکر ہوا۔ ایضاً یہ بات اب بھی موجود ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو پھر اجتہاد کیسے بند ہوا۔ خود فرماتے ہیں کہ " یہ کام مجتہد کا ہے " ایضاً نص کے مقابلہ میں قیاس بالاتفاق معتبر نہیں ہے یہ شرائط خود بتاتے ہیں کہ قیاس کوئی چیز نہیں ہے۔ اس لیے کہ قیاس دو قسم کا ہے یا نص کے موافق ہوگا یا مخالف اور جب تک نص معلوم نہیں کیا پتا لگے گا یہ قیاس اس کے موافق ہے یا مخالف اس طرح قیاس مشکوک ہوا۔ " وإن الظن لا يغني من الحق شيئا (النجم ع۲ پ۲۷) اور جب نص موجود ہے تو پھر قیاس غیر ضروری ہوا اس طرح قیاس کا قیام نہیں رہ سکتا۔ اب قیاس کے متعلق سلف کے اقوال لکھے جاتے ہیں۔

۱۔ امام ابو حنیفہ رح کے اقوال گزر چکے۔ اسی طرح

۲۔ امام شافعی رح کا بھی قول گزرا کہ قیاس حجت نہیں بلکہ حجت حدیث شریف ہے۔

۳۔ عن مجاهد قال قال عمر إياك والمكايلة يعني المقايسة (اعلام الموقعين ج۱ ص۲۵۲)

مجاہد سے روایت ہے کہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قیاس کرنے سے بچو۔

اور احکام ابن حزم ص۲۸ ج۸ میں مجاہد سے مروی ہے کہ

عن عمر بن الخطاب نهى عن المكايلة يعني المقايسة

کہ امیر عمر رض نے قیاس کرنے سے منع فرمایا ہے کہ

نیز اس روایت کے ساتھ دوسری روایت ہے کہ

قال عمر بن الخطاب قد وضحت الأمور وسنت السنن ولم يترك لأحد متكلم

الا ان يضل عبد عن عمد

امیر عمر رض نے فرمایا کہ سارے احکام واضح کر دیے گئے ہیں اور سنتیں مقرر کر دی گئیں اور کسی

ایک بولنے والے کے لیے گنجائش نہیں رکھی گئی مگر ہاں جان بوجھ کر کوئی بندہ اگر گمراہ ہو تو اور بات ہے۔

اس فرمان فاروقی سے ربیعہ کی سابقہ روایت (قیاس ورائے کی گنجائش رکھی) کی تکذیب ہو گئی۔

۴۔ عن عبد اللہ بن مسعود قال لیس عام الا والذی بعدہ شر منہ لا اقول عام امطر من عام وعام اخصب من عام ولا امیر خیر من امیر ولکن ذھاب علمائکم وخیارکم ثم یحدث قوم یقیسون الامور برایھم فینھدم الاسلام وینثلم (الاحکام ص۲۹ ج۸)

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ ہر آنے والا سال پہلے سال سے بُرا ہوگا۔ اس سے برسات یا قحط سالی یا امراء کا بُرا ہونا مراد نہیں۔ لیکن مراد یہ ہے کہ تمہارے علماء اور اچھے آدمی چلے جائیں گے۔ بعد میں ایسے نئے لوگ پیدا ہوں گے جو احکام وضع کرنے میں رائے و قیاس سے کام لیں گے۔ پس اسلام گرتا اور ڈھتا جائے گا۔

ابن مسعود کے اس فرمان سے واضح ہوا کہ قیاس نئی بدعت ہے۔ پہلے نہیں تھا نیز قیاس بُری چیز ہے اور اسلام کے گرنے کا باعث ہے۔

۵۔ عن ابن عمر قال العلم ثلاثۃ کتاب اللہ الناطق وسنۃ ماضیۃ ولا ادری (اعلام الموقعین ص۵۹ ج۱) ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ علم تین چیزوں کا نام ہے۔ قرآن حدیث تیرا لا ادری یعنی میں نہیں جانتا۔ یعنی اگر بوجہ قصور فہم قرآن و حدیث سے کوئی مسئلہ نہ مل سکے تو جواب میں لا ادری کہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ بقول ابن عمر قیاس علم شرعی کی قسم نہیں ہے۔

۶۔ بلکہ امام ابن حزم لکھتے ہیں کہ فھولاء عمر وابن عمر وابن مسعود وابو ہریرۃ ومعاذ بن جبل وسمرۃ بن جندب وابن عباس والبراء بن عازب وعبد اللہ بن ابی اوفی ومعاویۃ کلھم یبطل القیاس (الاحکام ص۳۱ ج۸)

یعنی یہ سب صحابہ رضی اللہ عنہم قیاس کو باطل قرار دیتے ہیں۔ اب تابعین ومن بعدہم کے اقوال ملاحظہ ہوں۔

۷۔ عن ابن سیرین قال القیاس شؤم وأول من قاس إبلیس فهلك وإنما عبدت الشمس والقمر بالمقاییس (الاعلام ص۲۵۴ ج ۱)

محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ قیاس شومی بخت ہے، اور سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا اور ہلاک ہو گیا اور سورج و چاند کی پوجا بھی قیاسات ہی کی وجہ سے ہوئی۔

۸۔ عن الحسن البصری قال أول من قاس ابلیس (سنن دارمی ص۳۶ طبع کانپور)

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے ابلیس ہی نے قیاس کیا۔

۹۔ عن الشعبی قال إیاك والمقایسة فوالذی نفسی بیده لإن اخذتم بالمقایسة لتحلن الحرام وتحرمن الحلال ولکن ما أتکم عن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاحفظوه (الاحکام ص۳۳ ج ۸)

امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ قیاس سے بچو اور اللہ کی قسم اگر تم قیاس کرو گے تو ضرور کئی حرام چیزوں کو حلال اور کئی حلال چیزوں کو حرام بناؤ گے لیکن جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے آپ کو حدیثیں پہنچیں ان کو یاد کرو۔

امام شعبیؒ کا رائے کے متعلق ایک قول پہلے گزر چکا۔ اس کا دوسرا قول ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں کہ

ما حدثوك هؤلاء عن أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخذ به. وما قالوا فیه برأیهم فبل علیه (جامع بیان العلم وفضله ص۳۲ ج ۲)

یہ لوگ تمہیں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ حدیثیں سنائیں لے لو اور

جو بات اپنی رائے سے کہیں تو اس پر پیشاب کر دو ۔

یہ تھی ان کے ہاں رائے کی عزت ۔ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ

السنة لم توضع بالمقاییس (الاحکام ص۳۳ ج ۱)

سنت و طریقہ قیاسوں سے نہیں بنایا گیا ہے ۔

۱۰۔ ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن حسن بصریؒ سے فرماتے ہیں کہ

بلغنی أنك تفتی برأیك فلا تفت برأیك الا ان یکون سنة عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او کتاب منزل (حجة اللہ البالغہ ص۱۲۸ ج ۱)

مجھے خبر ملی ہے کہ تم رائے و قیاس سے فتویٰ دیتے ہو ۔ ایسا نہ کرو رائے سے فتویٰ مت دو صرف قرآن و حدیث سے دیا کرو ۔

۱۱۔ امام جعفر صادق امام ابو حنیفہ رح سے فرماتے ہیں کہ

اتق اللہ ولا تقس فانا غدا نقف نحن ومن خالفنا بین یدی اللہ فنقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ وتقول أنت وأصحابك رأینا وقسنا فیفعل اللہ بنا وبکم ما یشاء (اعلام الموقعین ص۲۵۵ ج ۱)

اللہ سے ڈرو قیاس نہ کیا کرو ۔ کل (قیامت میں) ہم کو اور ہمارے مخالفین کو اللہ کے آگے کھڑا ہونا ہے ہم تو کہیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا اللہ نے ایسا فرمایا (اس پر ہمارا عمل تھا) اور آپ اور آپ کے ساتھی یہ کہیں گے اسی طرح ہماری رائے تھی اور ہمارا قیاس تھا ۔ پھر ہم سے اور آپ سے اللہ جو چاہے گا وہ کرے گا ۔

۱۲۔ مسروق فرماتے ہیں کہ

انی اخاف أو أخشی أن أقیس فتزل قدمی (سنن دارمی ص۴۶)

میں قیاس کرنے سے ڈرتا ہوں کہ کہیں میرا پاؤں نہ پھسل جائے۔

۱۳ ابن شبرمہ کہتے ہیں کہ

ما عبدت الشمس والقمر الا بالمقاییس (اعلام الموقعین ص۲۵۰ ج ۱)

سورج اور چاند کی پوجا قیاسات کے علاوہ کسی اور وجہ سے نہیں ہوئی۔

۱۴۔ اصمعی سے کہا گیا کہ خلیل بن احمد قیاس کو باطل کہتا ہے۔ تو اس نے کہا کہ

هذا اخذ عن ایاس بن معاویة (الاحکام ص۱۳۰ ج ۸)

اس نے یہ (قیاس کو باطل کہنا) ایاس بن معاویہ تابعی سے لیا ہے۔

۱۵ شریح کندی کہتے ہیں کہ

ان السنة سبقت قیاسکم (سنن دارمی ص۴۷) سنت قیاس سے سبقت کر گئی۔

اس کے دو مطلب ہیں یعنی سنت پہلے سے ہے قیاس بعد میں احداث ہوا نیز قیاس کے رواج سے پہلے سنت نے سب احکام بتا دیئے۔ اب یہ فضول چیز ہے۔

۱۶ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ

الزم ما قاله رسول الله صلی الله علیه وسلم فی حجة الوداع امران ترکتهما فیکم کتاب الله وسنة نبیه (الاحکام ص۳۵ ج ۸ الاعلام ص۵۶ ج ۱)

اس چیز کو پکڑلو جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر ذکر فرمایا کہ دو حکم تم میں چھوڑے جاتا ہوں۔ جب تک ان کو پکڑتے رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہوں گے۔ قرآن اور حدیث۔

اگر امام صاحب کے نزدیک قیاس حجت شرعیہ ہوتی تو اس کو بھی ذکر فرماتے۔

۱۷۔ امام احمد بن حنبل رحہ کے متعلق پڑھیں۔

قال الخلال ثنا ابوبکر المروزی قال سمعت ابا عبد الله احمد بن حنبل ینکر علی اصحاب القیاس ویتکلم فیه بکلام شدید (الاعلام ص۲۵۷ ج ۱)

"امام خلال ابوبکر مروزی سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل رح سے سُنا کہ قیاس کرنے والوں پر انکار کرتے اور اس میں سخت کلامی کرتے تھے۔"

ان سب اقوال سے ظاہر ہوا کہ شریعت میں قیاس ورائے کی گنجائش نہیں ہے اور سلف صالحین بلا رائے وقیاس صرف قرآن وحدیث پر فیصلہ کرتے اور ان سے مسائل نکالتے تھے۔

قولہ ص۳۷ سطر ۲۱: "پھر آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ میں عقل کر جو تفکر اور تدبر اور تعطل اور تامل کا جو حکم مذکور ہے" الخ

اقول: یہ تو کام عالم کا ہے اسی کو حکم ہے جیسا کہ ارشاد ہے کہ

"تلك الامثال نضربها للناس وما یعقلها الا العالمون (العنکبوت ع ۵ پ ۲۰)

یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں اور ان کو علماء ہی سمجھ سکتے ہیں۔

اور اوپر واضح ہوا کہ مقلد عالم نہیں اور نہ تقلید علم ہے نیز اس بناء پر آیت فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ جس سے آپ لوگ استدلال کرتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ ہر زمانہ میں مجتہد رہیں گے اور مجتہد ہو کر رہنے کی ترغیب ہے نہ مقلد ہو کر۔

قولہ ص۳۷ سطر ۱۶: "اس استنباط واجتہاد کی برکت سے جو بال کی کھال نکلی ہے" الخ

اقول: کیا اب بھی نکلتی ہے یا نہیں؟ علی الاول اجتہاد باقی ہے وعلی الثانی یہ روزانہ جو نئے نئے مسائل نکل رہے ہیں یہ کیا ہیں؟ نیز اجتہاد سے مراد رائے وقیاس نہیں بلکہ قرآن وحدیث سے مسائل لینا مراد ہے۔

قولہ ص۳۷ سطر ۱۷: "اور ارباب فہم وفراست اور اصحاب سفاہت کا فرق ظاہر نہ ہوتا"

اقول :۔ دونوں کا فرق امام عبدۃ بن زیاد کے ان اشعار سے ظاہر ہوتا ہے۔

دین النبی محمد اخبار	نعم المطیۃ للفتی الاثار
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دین حدیثوں ہی میں ہے	حدیث ہی مدد کے لیے بہتر چیز ہے
لاتخدعن عن الحدیث واھلہ	فالرائی لیل والحدیث نہار
حدیث اور اہل حدیثوں سے کہیں دھوکے میں آکر پھر جانا	کیونکہ رائے رات ہے اور حدیث دن ہے
ولربما غلط الفتی سبل الھدی	والشمس بازغۃ لھا انوار
انسان باوجود ہدایت کے راستہ سے غلط ہو جاتا ہے	حالانکہ سورج اپنے انوار کے ساتھ روشن ہے

شرف اصحاب الحدیث للخطیب ص

نیز یہ بتائیں کہ اس وقت لوگوں میں فرق کر سکتے ہیں یا نہیں کہ ارباب فراست کون ہیں۔ اصحاب سفاہت کون علی الاول اجتہاد باقی ہے اور نیز کیسے معلوم کرتے ہو مخطی اور مصیب میں فرق کرنا تو مجتہدین کا کام ہے اور اعلم وافقہ کا جاننا بھی اجتہاد کی قسم ہے کما مر۔ وعلی الثانی پھر اس تقریر سے کیا فائدہ ؟

قولہ ص۳ سطر۱ "اور فقیہ کی غیر فقیہ پر فضیلت نہ ظاہر ہوتی"

اقول : اس کا جواب بھی وہی ہے نیز فقہا و محدثین اور اہل الرائے کا فرق بھی فضیلت بتا دیتا ہے۔

قولہ ص۳ سطر۸ "علاوہ ازیں جب تمام احکام منصوص ہو جاتے" الخ

اقول :۔ اوپر ذکر کی ہوئی دار قطنی کی روایت جس میں بیان ہوا کہ احکام شرع چار حالتوں سے باہر نہیں۔ وہ بتاتی ہے کہ مسائل سب منصوص ہیں رہا یہ کہنا کہ اگر منصوص ہوتے تو حرج اور تنگی ہوتی اور صریح حکم کی خلاف ورزی ہوتی۔ یہ عذر لنگ ہے کیونکہ جو مسائل منصوص ہوئے۔ آپ ان

سب کے قائل ہیں؟ کیا ان میں خلاف ورزی نہیں ہوتی؛ نیز خلاف ورزی کا باعث مذہب بندی اور فرقہ بندی ہے۔ حنفی مالکی شافعی حنبلی جعفری وغیرہ ہیں اگر سب ایک اور محمدی ہوتے تو کیا یہ خرابی لازم آتی؛ ہرگز نہیں بلکہ عدم منصوص ہونے کی صورت میں یہ خطرہ ہے کہ انسان غلط راہ پر چلا جائے کیونکہ جب بے وجہ عدم نص کے قیاس ورائے سے کام لیا گیا تو اس میں خطا کا امکان ہے۔ المجتھد یخطی ویصیب مسلم ہے

ائمہ دین کے اقوال ملاحظہ ہوں۔

عن ابی حنیفة انه قال علمنا هذا رائی وهو احسن ما قدرنا علیه ومن جاء باحسن منه قبلناه.... وقال معن بن عیسیٰ القزاز سمعت مالکا یقول انما انا بشر اخطی واصیب فانظروا فی قولی فکل ما وافق الکتاب والسنة فخذوا به وما لم یوافق الکتاب والسنة فاترکوه.... عن مالک انه کان یکثر ان یقول ان نظن الا ظنا وما نحن بمستیقنین.... وقال الشافعی مثل الذی ینظر فی الرای ثم یتوب منه مثل المجنون الذی عولج حتی برء فاعقل ما یکون قد هاج به وقال عبد الله بن ابی داؤد وحدثنا عبد الله بن احمد بن حنبل سمعت ابی یقول لاتکاد تری احد نظر فی الرای۔ الاوفی قلبه دغل اھ مختصر۔

(اعلام الموقعین ص۷۵،۷۶ ج ۱)

امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ ہمارا یہ علم رائے ہے بحسب قدرت ہم نے اچھی رائے پیش کی ہے اور جو اس سے بہتر لائے گا تو ہم اس کو قبول کریں گے اور امام مالکؒ نے کہا کہ میں انسان ہوں کبھی خطا کبھی صواب دونوں کرتا ہوں۔ میرے قول میں دیکھا کرو جو قرآن وحدیث کے موافق ہو لے لو اور جو خلاف ہو چھوڑ دو نیز امام مالکؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہماری رائے تو صرف گمان ہے اس پر ہم

کو یقین نہیں اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جو شخص ایک بار رائے وقیاس میں دیکھتا ہے پھر اس سے توبہ کرتا ہے۔ اس کی مثال دیوانہ کی سی ہے جو علاج کرنے سے درست ہو جائے۔ پس زیادہ عقلمند وہی ہے جو رائے پر حملہ کرتا ہے اور امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا رائے وقیاس میں دیکھنے والا جو بھی تو دیکھے گا اس کے دل میں بگاڑ وفساد ضرور ہوگا۔

اور اسی بناء پر امام ابن حزم لکھتے ہیں کہ

وھذا ابن القاسم لا یری بیع کتب الرای لانہ لا یدری احق فیھا ام باطل ویری جواز بیع المصاحف وکتب الحدیث لان فیھا حق (الاحکام ص۴۲۸ ج ۶)

امام ابن القاسم (امام مالکؒ کے خاص ساتھی اور شاگرد) رائے وقیاس کی کتابوں کی تجارت کو جائز نہیں مانتے تھے اس لیے کہ جو کچھ ان میں لکھا ہوا ہے نہ معلوم حق ہے یا باطل اور قرآن کا اور حدیث کی کتابوں کی تجارت جائز کہتے تھے کیونکہ ان میں حق ہی ہے۔

پس ایسی چیز کا دروازہ کھولنا دین میں خطاؤں کا انبار لگانا ہے۔ اس کے بجائے نصوص کی طرف جانا اور لوگوں کو اس کی طرف مائل کرنا چاہیے جس میں خطا کا امکان بھی نہیں اور اتحاد و اتفاق بھی قائم رہے گا۔

ممنون ستم کہ فرستند پیام صلح
مگریزم از خرد کہ گریزد زنام صلح

قولہ ص۳۸ س۳۔ قال اللہ تعالیٰ یا ایھا الذین امنوا" الخ

اقول: یہی آیت تقلید کی جڑ کاٹتی ہے کیونکہ جہاں اولوالامر متفق ہیں تو وہ اتباع دلیل ہے اس لیے کہ رجوع الی الاجماع تقلید نہیں۔ کما فی مسلم الثبوت مع شرحہ فواتح الرحموت ص۴۰۰ ج ۲ فی ذیل المصفی) اور جہاں مختلف ہیں کسی ایک کی طرف جانا یا اس کا فتویٰ یا قول کو لینا ممنوع ہوا۔

بلکہ صرف قرآن وحدیث کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے جس کے معنی تو تقلید ہو ہی نہیں سکتی اگرچہ آپ نے فی زمانہ تقلید کو اصلح بتایا ہے مگر قرآن حکیم اس کے خلاف رجوع الی الکتاب والسنۃ کو اصلح بتایا ہے۔ ع نشر کما لخیر کما الفدا ء

قولہ ص ۳۸ س ۱۳ "امام رازی فرماتے ہیں" الخ

اقول:۔ اکثر مفسرین یہی معنی بتلاتے ہیں کہ عند التنازعہ قرآن وحدیث کی طرف رجوع کیا جائے۔ دیکھو تفاسیر ابن جریر۔ قرطبی۔ ابن کثیر فتح القدیر للشوکانی۔ بغوی۔ خازن۔ جلالین۔ جامع البیان لمعین الدین۔ درمنثور وغیرہا اور جلالین میں تو صاف ہے کہ:۔

فان تنازعتم ای اختلفتم فی شئی فردوہ الی اللہ ای کتابہ والرسول مدۃ حیاتہ وبعدہ الی سنتہ ای اکشفوا علیہ منہما ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاخر ذالک ای الرد الیہما خیر لکم من التنازع والقول بالرائی (جلالین ص۸۰ مجتبائی)

پس اگر تم کسی چیز میں نزاع یعنی اختلاف کرو تو اس کو اللہ یعنی اس کی کتاب کی طرف اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف لوٹاؤ جب تک آپ زندہ ہیں اور وفات کے بعد آپ کی حدیث کی طرف لوٹاؤ۔ یہ طریقہ تمہارے لیے اگر ایماندار ہو تو بہتر ہے بنسبت اس کے کہ نزاع کرو یا قیاس ورائے سے فیصلہ کرو۔

اور حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ

فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول قال مجاھد وغیر واحد من السلف ای الی کتاب اللہ وسنۃ رسولہ وھذا امر من اللہ عزوجل بان کل شئی تنازع الناس فیہ من اصول الدین وفروعہ ان یرد التنازع فی ذالک الی الکتاب والسنۃ کما قال وما اختلفتم فیہ من شئی فحکمہ الی اللہ فما حکم بہ الکتاب

والسنة وشهد له بالصحة فهو الحق وما ذا بعد الحق الا الضلال ولهذا قال تعالیٰ ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر ای ردوا الخصومات والجهالات الی کتاب اللہ وسنة رسول فتحاکموا الیھما فیما شجر بینکم ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر فدل علی ان من لم یتحاکم فی محل النزاع الی الکتاب والسنة ولا یرجع الیھما فی ذالک فلیس مومنا باللہ ولا بالیوم الآخر (تفسیر ابن کثیر ص۵۱۸ ج۱)

مجاہد اور دوسرے سلف صالحین اس آیت کی یہ معنی کرتے ہیں کہ قرآن وحدیث کی طرف لوٹاؤ۔ یہ اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ کسی بھی اصولی یا فروعی مسئلہ میں جب مسلمانوں کا اختلاف ہو تو اس کو فیصلہ کے لیے قرآن وحدیث کی طرف لوٹایا جائے۔ جیسا کہ دوسری جگہ پر فرمایا کہ (ترجمہ) جس چیز میں تم اختلاف کرو اس کا فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے (سورت شوریٰ ع۲ پ۲۵)

پھر جو قرآن وحدیث نے فیصلہ دیا اور جس بات کی صحت کی گواہی دی۔ وہی حق ہے اور حق کے بعد یعنی اس کا معارض گمراہی ہے۔ اس لیے فرمایا کہ "ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر یعنی اپنے جھگڑے اور جہالتیں سب کو فیصلہ کے لیے اگر اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو تو قرآن و حدیث ہی کی طرف لوٹاؤ۔ یہ اس بات پر دلیل ہے کہ جس شخص نے جھگڑے کے وقت قرآن و حدیث کی طرف فیصلہ کے لیے رجوع نہیں کیا تو وہ نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے نہ آخرت پر

نیز امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں

ان الناس اجمعوا ان الرد الی اللہ سبحانہ هو الرد الی کتابه والرد الی الرسول صلی اللہ علیه وسلم هو الرد الیه فی حیاته والی سنة بعد وفاته (اعلام الموقعین ص۴۹ ج۱)

اس پر سب لوگوں کا اجماع ہے کہ اس آیت میں اللہ کی طرف لوٹانے کا مطلب اس کی

کتاب کی طرف لوٹانا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹانے سے مراد آپ کی حیات میں آپ کی ذات مبارک کی طرف اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی حدیث شریف کی طرف لوٹانا مراد ہے۔

ثانیاً امام رازی نے تو حدود میں بھی قیاس مانا ہے اور آیت کا حکم عام رکھا ہے حالانکہ آپ (حنفیہ) حدود میں قیاس کے قائل نہیں دیکھو فواتح الرحموت ص۳۱۹ ج ۲ التحریر لابن ہمام ص۳۹۰ وغیرہ۔ ثالثاً امام رازی اس آیت سے استحسان کو باطل ثابت کرتے ہیں اور آپ اس کے قائل ہیں۔ رابعاً امام رازی آیت "افلا یتدبرون القرآن ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا (المنادع ۱۱ پ) سے تقلید کا باطل و فاسد ہونا ثابت کرتا ہے۔ دیکھو تفسیر کبیر ص۳۹۹ ج ۳ پھر ص۶۸ ج ۲ میں تحت آیت واذا قیل لھم تعالوا الی ما انزل اللہ والی الرسول الآیۃ لکھتے ہیں کہ وھو رد علی اصحاب التقلید یعنی تقلید والوں کی تردید ہے۔ اب بتاؤ کہ امام رازی کا یہ استدلال بھی مانتے ہو یا نہیں۔ خامساً بر تقدیر تسلیم آیت میں سب مومنین کو خطاب ہے جیسا کہ یا ایھا الذین امنوا سے ظاہر ہے یعنی سب مومنوں کو چار ادلہ قرآن و حدیث اجماع اور قیاس سے دین لینے کا حکم ہے۔ جس کے معنی جو مقلد رہے گا وہ نص قرآنی کا خلاف کرتا ہے کیونکہ وہ اجتہاد کرنے یا چار ادلہ سے مسئلہ لینے سے محروم بلکہ ممنوع ہے۔ "اما المقلد فمستندہ قول امامہ (مسلم الثبوت) اب بتائیں کہ اس آیت میں سب لوگ مخاطب ہیں یا نہیں؟ علی الاول تقلید ختم۔ سب کو اجتہاد کا حکم اور خود دلائل دیکھ کر فیصلہ کرنے کی تاکید ہے۔ وعلی الثانی کن کو خارج کریں گے مقلدین کو؟ کیا وہ ایماندار نہیں؟ حکم تو سب مومنین کو ہے بلکہ آیت کا مضمون بتاتا ہے کہ ایماندار ہوتے ہی مجتہد ہیں۔ سادساً اگر اولو الامر سے مراد بقول شما اجماع ہے تو پھر تقلید شخصی باطل ہو گئی۔ کیونکہ جب علماء متفق ہیں تو یہ دلیل کی اتباع ہے۔ کما مر۔

اور اگر مختلف ہیں تو دوسرا حکم ہے۔ یعنی الرد الی الکتاب والسنۃ۔ پس تقلید متعذر ہو گئی کیونکہ اختلاف اور اتفاق کے علاوہ کوئی دوسری صورت ہے ہی نہیں۔ سابعًا اگر الرد الی اللہ والرسول سے مراد قیاس ہے تو یہ الرد الی النفس والی الرای والقیاس ہوا نہ الرد الی الکتاب والسنۃ ثامنًا اگر قیاس مراد ہے تو بتائیں خود قیاس کرے یا کسی دوسرے کے قیاس کی طرف رجوع کرے۔ علی الاول یہ اجتہاد کا حکم ہے۔ جو تقلید کے منع کو مستلزم ہے لان وقوع احدھما یستلزم ارتفاع الآخر۔ وعلی الثانی وہی تسلسل لازم آئے گا کہ آیا وہ متفق ہیں یا مختلف؟ اگر متفق ہیں تو اجماع ہوا جس کی طرف رجوع تقلید نہیں اور اگر مختلف ہیں تو پھر اس حکم کو کہاں لوٹاؤ گے۔ تاسعًا قیاس کو اگر دلیل شرعی مانتے ہو تو بھی الرجوع الی الدلیل ہے پس اگر آیت میں قیاس مراد ہے تو بھی ترک تقلید کا حکم متضمن ہے۔ عاشرًا یہ آیت اختلاف کے وقت تحکیم کا حکم دیتی ہے اب اگر فردوہ الی اللہ والرسول سے مراد الرد الی القیاس ہے تو معلوم ہوا کہ قیاس ہی حکم ہے نہ قرآن وحدیث اور قرآن وحدیث کی صرف اطاعت ہے۔ باقی اختلاف کے وقت حکم قیاس ہے یہ قرآن وحدیث پر قیاس کو ترجیح دینا ہے اور افضل کہنا ہے جو کفریہ کلمہ ہے۔ کسی مسلمان کا مذہب نہیں ہو سکتا ہے۔

قولہ ص ۳۸ س ۱۷ ''یعنی جس شئی کا حکم کتاب وسنت میں منصوص نہ ہو اور اجماع علماء میں سے اس کا کوئی حکم معلوم نہ ہو تو ایسی صورت میں اس غیر منصوص کا حکم معلوم کرنے کے لیے کتاب و سنت کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

اقول یہ کس جملہ کا ترجمہ ہے اللہ سے ڈرو قرآن میں تحریف نہ کرو۔ قرآن میں تو یہ الفاظ ہیں

''فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول''

جس چیز میں تم تنازع واختلاف کرو وہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹاؤ۔ یعنی جو

بھی مسئلہ چھوٹا یا بڑا اصولی یا فروعی اگر مختلف فیہ ہو۔

تو اس کو فیصلہ کے لیے قرآن وحدیث کی طرف لوٹا دو۔ پھر ان اقوال میں جس قول کی وہاں تائید ملے اس کو مان لو لیکن یہ کہاں ہے کہ جو مسئلہ قرآن وحدیث میں منصوص نہ ہو یا اجماع سے نہ ملے تو اس کو کتاب وسنت کی طرف لوٹا دو کیونکہ یہ حکم نزاع سے مشروط ہے اور نزاع کے وجود سے قبل تو رد کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے بلکہ جب اختلاف ہوجائے تو ان اقوال کا معیار وکسوٹی کتاب وسُنّت ہے۔ خلاصہ آیت یہ ہے کہ اے ایماندار و قرآن وحدیث کی اطاعت کرتے رہو۔ جہاں اولوالامر متفق ہوں ان کی بھی لیکن اگر اختلاف کریں تو ان کی ثالثی قرآن وحدیث ہی کر سکتے ہیں اور جو آپ نے رجوع کا مطلب لیا ہے اس کا ذکر نہیں ہے۔

قولہ صفحہ ۲۹ سطر ۱ رجوع کا مطلب یہ ہے کہ کتاب وسُنّت میں ان کے نظائر کو تلاش کرو اور اس کی علت میں غور وفکر کرو اور اشتراک علت اور مماثلت اور مشابہت کی وجہ سے غیر منصوص میں منصوص کا حکم جاری کرو۔ الخ

اقول: جب ہو کہ سارے احکام ہم کو معلوم ہوں اور ہر حکم کی علت ہم کو بتائی گئی ہو۔ و اذ لیس فلیس۔ کیونکہ جب یہ تعلیل یقینی نہ ہوئی تو پھر اشتراک و مماثلہ بھی یقینی نہ ہوں اور پھر قیاس بھی یقینی چیز نہ رہی نیز علت ومعلول بیان کرنے والے مختلف ہیں۔ کیونکہ طبائع مختلف علوم مختلف عقول مختلف افکار مختلف پھر آپ کس کو ترجیح دیں گے اور اس نزاع واختلاف میں کس کو حکم قرار دیں گے۔ نیز یہ سارے کام مجتہدین کے ہیں۔ مقلدین کے نہیں پس قرآن اجتہاد کا حکم دیتا ہے نہ تقلید کا۔ ایضاً ہم پوچھتے ہیں۔ یہ علتیں جو آپ بتاتے ہیں ان کی تین صورتیں ہیں چوتھی نہیں ہو سکتی یا تو اللہ کی بنائی ہوئی ہیں۔ اسی کے حکم سے یا غیر اللہ کی بنائی ہوئی ہیں اور اسی کے حکم سے ہیں یا تو نہ اللہ کی بنائی ہوئی ہیں اور نہ کسی غیر اللہ کی۔ آپ کس صورت کے قائل ہیں۔

اخیری دو صورتیں تو آپ کہہ نہیں سکتے۔ اس لیے کہ اگر غیر اللہ کی بنائی ہوئی ہیں تو مطلب ہوا کہ غیر اللہ بھی خالق وفاعل للحکم ہے یہ تو شرک وکفر ہے اور اگر کہو گے کہ نہ اللہ کی بنائی ہوئی ہے نہ غیر اللہ کی تو ماننا پڑے گا کہ نعوذ باللہ۔ جہاں میں ایسی چیزیں بھی ہیں جن کا کوئی خالق نہیں اور وہی اشیاء حاکم ہیں اور اپنی مرضی سے حلال وحرام ہوا کرتی ہیں۔ یہ بھی دہریت اور کفریہ عقیدہ ہے اور پہلی صورت میں پھر سوال عائد ہوگا کہ ان علتوں کو اللہ نے کس علت کی وجہ سے بنایا ہے یا بلا علت۔ علی الثانی: آپ کا اصل باطل اور اقرار کر چکے کہ اللہ بلا کسی علت کے اشیاء بناتا اور احکام وضع فرماتا ہے نیز یہ بھی سوال ہوگا کہ احکام ثانیہ کی تو علت ہو اور احکام اول کی کوئی علت نہ ہو بلکہ وہی اول احکام ثانیہ کی علت ہوں۔ اس کے برعکس کیوں نہیں۔ اس کی کیا دلیل ہے؟ وعلی الاول۔ پھر وہی تین صورتوں والا سابق سوال عائد ہوگا۔

"فانها محرمة عليهم اربعين سنة يتيهون في الارض"

ہم علل واسباب کے منکر بھی نہیں لیکن جہاں اللہ نے خود اسباب بتائے ہوں ہمیں کب اختیار ہے خود اسباب مقرر کریں۔

قولہ ص۳۹ سطر ۳ "تنازع سے محض باہمی منازعت اور اختلاف مراد نہیں۔ اس لیے کہ اس کا سہل علاج یہ ہے کہ اس نزاع کو ترک کر دیا جائے"۔

اقول: کیسے ترک کر دیں مثلاً ایک فقیہ کسی کو حلال بتاتا ہے اور دوسرا حرام۔ اب کیسے اس نزاع کو چھوڑیں بلکہ قرآن وحدیث کو دیکھنے سے نزاع دور ہو سکتا ہے۔ وہاں اگر حرمت کا حکم ہے تو حرام کہنے والا مصیب اور حلال کہنے والا مخطی اور اگر حلت کا حکم ہے تو حلال کہنے والا مصیب اور حرام کہنے والا خاطی ہے اور اسی طرح وہی فیصلہ حق ہوگا۔

باقی باطل اور سب متفق ہو سکتے ہیں یہی اس کا علاج ہے صرف نزاع کیسے چھوڑیں گے۔

قولہ صـ۳۹ سـ۶ "بلکہ تنازع کے اصول شرعیہ اور دلائل کا تجاذب اور تنازع مراد ہے۔

اقول: دلائل کتاب و سنت تو اللہ کی طرف سے ہیں۔ ان کے اندر یہ حال نہیں ہو سکتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے کہ

ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا (النساء ۱۱ پ ۵)

اگر یہ قرآن اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو ضرور اس میں کئی اختلافی چیزیں پائی جاتیں۔

ثابت ہوا کہ اللہ کی طرف سے جو حکم آیا ہو، اس میں ایسا تجاذب یا تخالف نہیں ہو سکتا ہے۔

البتہ قیاس اور رائے جو کہ مخلوقین کی تفقہات ہیں۔ ان میں ایسا ضرور ہو سکتا ہے جیسا کہ مشاہدہ سے ظاہر ہے بلکہ چار مذاہب کی فقہی کتابوں کو دیکھیں۔ ان کا تفقہ قیاس اور استنباط کتنا مختلف ہے۔ پس آیت کا تو برعکس یہ حکم ہوا کہ جہاں فقہاء کا قیاس مختلف ہو تو کسی کو مت مانو بلکہ قرآن و حدیث سے ان سب اقوال و آراء و اقیسہ کا مقابلہ کرو جو موافق آئے اس کو قبول اور جو مخالف ہو اس کو ترک کر دو۔ یہی معاملہ اجماع کا ہے کیونکہ جہاں وہ متفق ہیں وہ حکم اللہ کی طرف سے ہے اور جہاں مختلف ہیں تو ان میں سے ایک ہی حکم اللہ کی طرف ہو سکتا ہے یعنی جو قرآن و حدیث کے موافق ہو باقی سب باطل ہیں۔

قولہ صـ۳۹ سـ۷ "اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں دلائل کا تجاذب" الخ

اقول: دلائل آسمانیہ میں تو ایسا نہیں ہو سکتا لیکن اقوال علماء میں ہو سکتا ہے ان کے لیے تحقیق ضروری ہے اور حکم دلیل الٰہی قرآن و حدیث ہے۔

قولہ ص۳۹ سطر۱ "تو مجتہد کو اس وقت اس ترتیب کی رعایت چاہیئے" الخ

اقول: آیت میں سب مومنین کو خطاب ہے کیا سب کو مجتہد مانو گے؟ الحمد للہ بصورت دیگر کیا مقلد ایماندار نہیں؟ نیز آپ نے جو ترتیب دی ہے خود اجتہاد کو چاہتی ہے نہ کہ تقلید کو بلکہ اس کے منافی ہے کہ اختلاف کے وقت کسی ایک کی بات پکڑی جائے۔

قولہ ص۳۹ سطر۱۲: "رائے اور قیاس کی حجیت" الخ

اقول: اس عنوان کے تحت جو لکھا ہے بے سود ہے۔ سابقہ آیت کا اشارہ دیا ہے لیکن اس کے متعلق بحث گزری کہ یہ آیت خود تقلید رائے و قیاس اور تعلیل کی تردید کرتی ہے باقی دلائل پر بحث موقع بموقع آتی رہے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

قولہ ص۳۹ سطر۱۵ وقال اللہ تعالیٰ فاعتبروا یا أولی الأبصار۔ اے نگاہ والو عبرت پکڑو۔

اقول: عبرت کے معنی قیاس کسی لغت میں نہیں عام مفسرین معنی اتعاظ (نصیحت لینا) کرتے ہیں دیکھو قرطبی ص۵ ج ۱۸، ابن کثیر ص۳۳۰ ج ۴ خازن ص۴۹ ج، و برہامش البغوی ایضاً جامع البیان برحاشیہ جلالین ص۴۵۲ الجمل ص۳۱۱ ج ۴ فتح القدیر للشوکانی ص۱۹۱ ج ۵ احکام القرآن لابن للعربی ص۱۲۵۷ ج ۴۔ المراغی ص۳۵ ج ۲۸ وغیرہ۔ اور اگر بالفرض یہ آیت قیاس کا حکم دیتی ہے تو پھر بتائیں کہ سب مومنین کو حکم ہے یا بعض کو علی الاول مجتہد ہو کر رہنے کا حکم ہے۔ وعلی الثانی کیا عذاب عام لوگوں کے لیے عبرت نہیں ہے؟ پھر آپ کی اس تقریر کا کیا مطلب کہ عذاب کی علت میں غور کرو۔ اگر کہو گے کہ صرف مجتہدین کو حکم ہے (جن کو آپ مجتہد مانتے ہیں) تو کیا مقلدین

اندھے ہیں۔ اولی الابصار نہیں؟ خیال کریں کہیں آپ کے ساتھی سن نہ لیں اگر کہیں گے کہ دل کا اندھاپن مراد ہے لیکن یہ اندھاپن اپنے لیے قبول کریں گے؟ عجب تو یہ ہے کہ عالم ہیں فاضل ہیں حافظ قاری مفتی مدرس، مفسر شارح مناظر اور مصنف وغیرہ سب کچھ ہیں لیکن پھر بھی دل کے اندھے ہیں (جل جلالہ) جناب کی شان میں میاں محمد صدیقی صاحب۔ ابتداء رسالہ اجتہاد و تقلید میں "پیش لفظ" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ:۔

جامع الکمالات والفضائل شیخ المفسرین والمحدثین حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں"

حضرت موصوف علوم شریعت اور معارف کتاب و سنت میں اپنے تحقیقی کمالات و فضائل کے اعتبار سے پاک و ہند کے مشاہیر علماء کے درمیان ایک امتیازی مقام رکھتے ہیں"

کیا آپ بھی کہیں کہ اولی الابصار میں سے تو نہیں ہیں؟

قولہ:۔ صفحہ ۳۹ سطر ۱۶ "یعنی یہ سوچو کہ جن پر عذاب آیا اس کی کیا علت ہے" الخ

اقول:۔ یہ استدلال صحیح نہیں ہے من وجوہ۔ اولاً یہ جب ہو کہ جو بھی ایسی نافرمانی کرے گا اس کو وہی عذاب ہوگا یعنی اپنے ہاتھوں سے اور مومنین کے ہاتھوں سے اپنے گھر ڈھانا حالانکہ ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا ہے اور جب علت میں اصل و فرع متحد ہیں تو حکم بھی متحد ہو پس یہ قیاس کی مثال یا اس کا حکم اس آیت میں نہیں ہے۔ ثانیاً:۔ قائل کہہ سکتا ہے کہ یہ اس عذاب کی علت نہیں ہے کیونکہ علت و معلوم کا انفکاک نہیں ہوتا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس قسم والے کئی لوگ ایسے عذاب کے تحت نہیں آتے۔ ثابت ہوا کہ علت معلول نہیں ہے۔

ثالثاً:۔ بر تقدیر تسلیم کہ اس میں یہ حکم ہے کہ اپنی عاقبت کو کفار کی عاقبت پر متفرع کرو لیکن یہ کہاں ہے کہ احکام شرعیہ میں بھی ایسا کرو؟ رابعاً بلکہ سیاق مضمون خود بتاتا ہے کہ یہاں عقل کو

کوئی دخل نہیں ہے۔ پوری آیت اس طرح ہے

ھو الذی اخرج الذین کفروا من اھل الکتاب من دیارھم لاول الحشر ماظننتم ان یخرجوا وظنوا انھم مانعتھم حصونھم من اللہ فاتاھم اللہ من حیث لم یحتسبوا وقذف فی قلوبھم الرعب یخربون بیوتھم بایدیھم وایدی المومنین فاعتبروا یا اولی الابصار (الحشر ع ا پ ۲۸)

اللہ وہ ہے جس نے اہل کتاب میں سے کفر کرنے والوں کو پہلی نکالی والے دن ان کے گھروں سے نکالا تم کو ان کے نکلنے کا گمان تک نہ تھا اور وہ یقین کرتے تھے کہ ان کے قلعے اُن کو اللہ سے بچا ئیں گے لیکن اللہ ان پر عذاب لایا جہاں سے ان کو گمان ہی نہ تھا اور ان کے دلوں میں خوف ڈالا اور وہ اپنے اور مومنین کے ہاتھوں سے اپنے گھروں کو خراب کرنے لگے۔ اے آنکھوں والو عبرت لو نصیحت لو۔

اب غور کرو کہ اللہ نے وہ کام کیا جو مسلمان خواہ کفار کے وہم و گمان میں نہ تھا بلکہ ان کے عقل و فراست سے دور تھا لیکن یفعل اللہ ما یشاء یحکم ما یرید لا معقب لحکمہٖ پس یہ سیاق خود بتاتا ہے کہ یہاں نصیحت لینے کا حکم ہے۔ خامساً اصول فقہ حنفیہ کی معتبر کتاب تلویح صفحہ ۵۵ ج ۲ میں اس آیت کے متعلق ہے کہ

ولاشک ان سوق الاٰیۃ للاتعاظ فیدل علیہ عبارۃ وعلی القیاس اشارۃ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ آیت کا سیاق اتعاظ (نصیحت لینے) کے لیے ہے اور اسی پر عبارۃ دلالت کرتی ہے اور قیاس پر اشارہ۔

اور بموجب اصول تعارض کے وقت عبارت، اشارۃ پر مقدم ہے اور یہاں ایک ہی معنی متعین ہو سکتا ہے دونوں نہیں کیونکہ اتعاظ اور قیاس میں فرق ہے۔ اتعظ بمعنی قبل الموعظۃ

وعلی بو فقہ وقایس قیاسًا ومقایسۃ بین الامرین قدر۔ اب اگر نصیحت کرنے کے معنی لیں گے تو بغیر چون وچرا کے اتباع لازم آئے گا اور اگر تقدیر بین الامرین کا معنی لیں گے تو اپنی عقل کے موافق کرنا ہوگا بس ایک ہی معنی متعین ہو سکتا ہے۔ لہٰذا جو معنی عبارت نکلتا ہے وہی مقدم ہوگا۔

قولہ ص۳۹ س۱۸: "اور اشتراک علّت کی وجہ سے غیر منصوص میں منصوص کا حکم جاری کرنے کا نام قیاس ہے۔"

اقول: یہاں کسی حکم کے نافذ کرنے کا امر ہے کیا ایسے کافر پر جلاوطنی کا حکم نافذ کرو گے ثانیًا یہ جب ہو کہ ایسا حکم انشار کے معنی میں ہو۔ یہاں تو صرف خبر ہے اور اللہ جب چاہے جو چاہے کرے لیکن یہ کب حاصل ہے کہ جس طرح بھی اللہ کرے تم بھی کرو۔

ثالثًا بالغرض یہ بتلانا کہ ان غیر منصوص مسائل میں جو منصوصہ کا حکم جاری کرو گے اس حکم کا اتباع النص ہوگا یا اتباع القیاس؟ علی الاول قیاس متبوع نہیں رہا لہٰذا دلیل شرعی بھی نہیں رہا۔ وعلی الثانی آپ نے نص پر قیاس کو ترجیح دے دی کہ جو کسی کا مذہب نہیں کیونکہ حکم نص کا جاری کرتے ہیں اور حاکم قیاس کو قرار دیتے ہیں اور نص کو اپنے رحم وکرم پر چھوڑتے ہیں۔ اگر کہو گے کہ قیاس نصوص سے مسائل حاصل کرنے کا ذریعہ ہے تو بھی غلط ہوگا کیوں کہ اس کے معنی کہ قیاس نص پر قاضی ہے بلکہ اگر تسلیم کریں۔ تو بھی یہی قیاس کے عدم حجیت پر کافی دلیل ہے کیونکہ دلیل کے معلوم کرنے کا ذریعہ دلیل نہیں ہوا کرتا ہے مثلاً علوم نحو صرف معانی ادب وغیرہ قرآن و حدیث کو سمجھنے کے ذریعے ہیں کیا ان کو بھی حجت قرار دیں گے؟ اسی طرح حجت وہی نصوص ہیں نہ قیاس۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

قولہ ص۳۹ س۱۹ :۔ جلال الدین سیوطی تفسیر اکلیل میں فرماتے ہیں کہ" الخ

اقول :۔ سیوطی نے بصیغہ تمریض استدلال کر کے ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ خود اس نے اکلیل میں اور کئی استدلال ذکر کیے ہیں مثلاً صلا آیت ولقد اتینٰک سبعًا من المثانی کے تحت لکھتا ہے کہ ھی الفاتحۃ اخرجہ البخاری وغیرہ ففیہ وجوب قرأتھا فی الصلوٰۃ فی کل رکعۃ ص۱۳۷ اور آیت وما زادھم الا ایمانًا وتسلیمًا کے تحت لکھتے ہیں۔ استدل علی زیادۃ الایمان ونقصانہ ص۱۶۴ اور آیت" وما کان اللہ لیضیع ایمانکم کے تحت لکھتے ہیں کہ استدل بہ علی ان الایمان قول وعمل ص۲۰ اور آیت فلا تعضلوھن کے تحت لکھتے ہیں کہ فیہ اعتبار الولی فی النکاح والا لم یلتفت الی عضلہ ص۵۴ اور ص۶۰ میں لکھتے ہیں کہ

واستدل عطاء بن ابی رباح بقولہ" الا ان تتقوا منھم تقٰۃ" علی عدم وقوع طلاق المکرہ اخرجہ ابن ابی حاتم اور آیت ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابًا من دون اللہ کے تحت لکھتے ہیں :۔ قال الکیا فیہ رد علی من قال بالاستحسان المجرد الذی لا یستند إلی دلیل شرعی وعلی من قال یجب قبول قول الامام فی التحلیل والتحریم دون ابانۃ مستند شرعی ص۵۳ اور آیت یرید اللہ لیبین لکم کے تحت لکھتا ہے کہ یدل علی امتناع خلو واقعۃ عن حکم اللہ ص۸۱ اور آیت ان یتبعون الا الظن کے تحت لکھتے ہیں کہ استدل بہ علی ابطال التقلید فی العقائد واستدل بہ الظاھریۃ علی ابطالہ مطلقا وابطال القیاس ص۱۲۸ اور آیت" وانحر" کے تحت لکھتا ہے کہ فیہ إشارۃ إلی وجوب الاعتدال والطمانینۃ فیہ ص۲۲۹ اور آیت فان لم تفعلوا کے تحت لکھتا ہے کہ فیہ دلالۃ علی الأمر باستعمال حجج المعقول وإبطال التقلید ص۱۵ اور آیت فان تابوا وأقاموا الصلوٰۃ الآیۃ کے تحت لکھتا ہے استدل بہ من قال بتکفیر تارکھا ای تارکیھا ص۱۱۶ اور آیت" وما یتبع اکثرھم إلا ظنًا" کے

تحت لکھتا ہے کہ استدل بھا منع التقلید فی اصول الدین ص۱۳۵ اور آیت قل ارایتم ما انزل اللہ لکم من رزق کے تحت لکھتا ہے کہ استدل بہ نفاۃ القیاس وفیہ دلیل علی انہ لاحکم للعقل ص۱۲۵ اور آیت من کان یرید الحیوٰۃ الدنیا" کے تحت لکھتا ہے کہ یدل علی من توضاء للبرد او للتنظیف لا یصح وضوءہ ص۱۲۷ اور آیت "ولا یطوٴن موطا" کے تحت لکھتا ہے کہ استدل بھا ابوحنیفۃ علی جواز الزنا لنساء اھل الحرب فی دار الحرب ص۱۲۳ کیا یہ سب استدلال آپ مانیں گے ؟

قولہ ص۸ سطر۸ "قیاس کے حجت ہونے کے بارہ میں بے شمار حدیثیں ہیں" الخ

اقول: کسی حدیث میں قیاس کا نام نہیں البتہ ایک روایت میں قیاس کی مذمت آئی ہے۔

عن عوف بن مالک الاشجعی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تفترق امتی علی بضع وسبعین فرقۃ اعظمھا فتنۃ علی امتی قوم یقیسون الامور برأیھم فیحلون الحرام ویحرمون الحلال (جامع البیان العلم ص۱۳۴ ج۲ الاحکام لابن حزم ص۳۵ ج۸۔ اعلام الموقعین ۔ ج۱ ص۲۵۰

عوف بن مالک اشجعی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری امت میں ستر سے زیادہ فرقے ہوں گے امت کے لیے سب سے بڑا فتنہ اس فرقہ کا ہوگا جو کہ قیاس و رائے سے احکام نکالیں گے۔ پھر حرام کو حلال اور حلال کو حرام کریں گے۔

ص۲۵۰ ج۱ اس روایت کو امام ابن حزمؒ اور حافظ ابن قیمؒ نے صحیح مانا ہے اور جن روایات کو صاحب رسالہ نے ذکر کیا ہے ان پر کلام آئے گا۔

قولہ ص۸ سطر۸ "عن ابن جبل ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما بعثہ الی الیمن الخ

اقول اولاً یہ روایت صحیح نہیں ہے کیونکہ مصنف نے ابوداؤد ترمذی اور دارمی کا حوالہ دیا ہے۔

حالانکہ تینوں کتابوں میں سند اس طرح ہے

عن شعبة عن ابی عون عن الحارث بن عمرو ابن اخی المغیرة بن شعبة عن اناس من أهل حمص من اصحاب معاذ عن معاذ۔ اور یہ سند بچند وجوہ ضعیف اور باطل ہے

اول یہ کہ حارث مجہول ہے کما فی المیزان ص۲۰۲ ج ا والتہذیب ص۱۵۲ ج ۲ والتقریب ص۱۴۳ ج ا مصری والتاریخ الکبیر للبخاری ص۵۵ ج ا قسم ۲ المحلی لابن حزم ص۶۲ ج ا نیز عقیلی ابن جارود اور ابو العرب نے اس کو ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔ کما فی التھذیب.

دوم اناس من أهل حمص خود مجہول ہیں کوئی پتا نہیں کہ کون ہیں کما فی الاحکام لابن حزم ص۱۱۱ ج ۶، اور التلخیص الحبیر میں بھی مجہول لکھا گیا ہے۔

سوم سند میں بھی اختلاف ہے۔ ترمذی میں عن اناس من اصحاب معاذ ہے اور معاذ بن جبل کا نام نہیں پس یہ روایت مرسل ہوئی اور التلخیص الحبیر ص۴۰۱ میں ہے کہ :۔

قال الدارقطنی فی العلل رواہ شعبة عن أبی عون هکذا وارسله بن مهدی وجماعات عنه والمرسل أصح وقال أبو داؤد اکثر ما کان یحدثنا شعبة عن أصحاب معاذ أن رسول الله صلی الله علیه وسلم وقال مرة عن معاذ ـ

امام دار قطنی نے کتاب العلل میں کہا کہ عام جماعت اس کو مرسل نقل کرتی ہے اور اسی طرح ٹھیک ہے اور ابو داؤد طیالسی نے کہا کہ شعبہ اکثر ہم کو یہ روایت مرسلا سناتا تھا اور ایک مرتبہ معاذ کا واسطہ ذکر کیا۔

اور امام ترمذی نے بھی سنن میں مرسل کو ترجیح دی ہے۔ کما یأتی اور محدثین نے بھی اس روایت کو غیر معتبر قرار دیا ہے۔ التلخیص الحبیر ص۴۰۱ میں ہے کہ

قال الترمذی لانعرفه الا من هذا الوجه ولیس اسناده بمتصل وقال

البخاری فی تاریخہ الحارث بن عمرو عن اصحاب معاذ وعنہ ابوعون لایصح ولایعرف الابھذا۔۔۔۔ وقال ابن حزم لایصح لان الحارث مجھول وشیوخہ لایعرفون قال وادعی بعضھم فیہ التواتر وھذا کذب بل ھو ضد التواتر لان ما رواہ غیر ابی عون بن الحارث فکیف یکون متواترا وقال عبدالحق لایسند ولا یوجد من وجہ صحیح فقال ابن الجوزی فی العلل المتناھیۃ لایصح وان کان الفقہاء کلھم یذکرونہ فی کتبھم ویعتمدون۔۔۔۔ وقال ابن طاھر۔۔۔۔ انی فحصت عن ھذا الحدیث فی مسانید الکبار والصغار وسألت من لقیتہ من اھل العلم بالنقل فلم اجد لہ غیر طریقین احدھما طریق شعبۃ والاخری طریق محمد بن جابر عن اشعث بن ابی الشعثاء عن رجل من ثقیف وکلاھما لایصح اھ مختصراً۔

امام ترمذی نے کہا کہ اس کی ایک ہی سند ہے اور وہ بھی متصل نہیں اور امام بخاری نے کہا کہ حارث کی روایت صحیح نہیں۔ اس کے علاوہ کسی اور روایت میں اس کا پتا نہیں لگتا۔ امام ابن حزمؒ نے کہا کہ یہ روایت صحیح نہیں کیونکہ حارث مجہول ہے اور اس کے اساتذہ کا کوئی حال معلوم نہیں اور بعض نے اس کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے مگر یہ جھوٹ ہے بلکہ برعکس ایک ہی سند ہے پھر کیسے متواتر ہو سکتی ہے اور عبدالحق نے کہا کہ یہ روایت کسی صحیح سند سے نہیں پائی جاتی اور ابن جوزی نے کہا اگرچہ سب فقہاء اس کو لاتے اور اعتماد کرتے ہیں مگر صحیح نہیں ہے اور ابن طاہر نے کہا کہ میں نے حدیث کی چھوٹی بڑی کتابوں میں اس کی تلاش کی اور ہر ملنے والے عالم بالحدیث سے پوچھا مگر دو ہی سندیں ملیں اور وہ دونوں صحیح نہیں۔

اور امام ابن حزم نے الاحکام ص۱۱۲ ج ۷، میں لکھا ہے کہ

ان ھذا الحدیث ظاھر الکذب والوضع یہ روایت ظاہراً جھوٹی اور بناوٹی ہے۔

علامہ جمال الدین زیلعی حنفی نے بھی نصب الرایہ ص۶۳ ج ۴ میں امام ترمذیؒ اور امام بخاریؒ سے اس کا غیر صحیح ہونا ثابت کیا ہے۔ اسی طرح علامہ ابوالحسن سندھی نے بھی حاشیہ مسند احمد بن حنبل میں اس کو غیر صحیح کہا ہے لہٰذا اس روایت سے استدلال صحیح نہیں۔ ثانیاً خود صحیح حدیث نبوی میں رائے کی مذمت آئی ہے۔

عن عبد اللہ بن عمرو سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اللہ لا ینزع العلم بعد ان أعطاھموہ انتزاعا ولکن ینتزعہ منھم مع قبض العلماء بعلمھم فیبقی ناس جھال یستفتون فیفتون برأیھم فیضلون و یضلون۔
(صحیح بخاری ص۱۰۸۷ ج ۲)

عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو علم دے کر واپس نہیں چھینے گا بلکہ ان سے علماء کو علم سمیت لے جائے گا پھر جاہل لوگ رہ جائیں گے جو فتویٰ پوچھے جائیں گے پھر اپنی رائے سے فتویٰ دیں گے اور خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو گمراہ کریں گے۔

ناظرین! اس روایت سے چند امور ظاہر ہوئے

اوّل:۔ یہ کہ سلف میں رائے کا رواج نہ تھا۔

دوم۔ یہ نئی محدث چیز ہے۔

سوم:۔ رائے و قیاس علم نہیں۔

چہارم:۔ رائے گمراہی کا باعث ہے۔

پنجم:۔ رائے و قیاس پر فتویٰ دینا جائز نہیں۔

ششم:۔ کیونکہ اس طرح لوگوں کو گمراہ کرنا ہے۔ ثالثاً خود معاذ رضی اللہ عنہ رائے

کے خلاف تھے چنانچہ آنے والے فتنوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

ویبتدع کلام لیس من کتاب اللہ ولا من سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فایاکم وایاہ فانہ بدعۃ وضلالۃ قال معاذ ثلاث مرات (اعلام الموقعین ص۲۶۰ ج ۱)

ایسا نیا کلام نکلے گا جو نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں اس سے اپنے کو بچاؤ کیوں کہ وہ بدعت و گمراہی ہے اس طرح معاذ رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ فرمایا۔

معاذ رضی اللہ عنہ کے قول سے ظاہر ہے کہ قرآن و حدیث کے علاوہ باقی کلام خواہ قیاس ورائے جو کچھ بھی ہو وہ بدعت ہے۔ پس کس طرح کہے گا کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کس طرح اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوں گے۔

رابعًا یہ روایت الاحکام لابن حزم ص۱۲۵ ج ۶ میں دوسری سند سے مروی ہے جس میں اجتہد برائی کے بجائے یہ لفظ ہیں " اؤم الحق جہدی " جس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں سے حق حاصل ہوتا ہے وہاں سے حاصل کرنے کی کوشش کروں گا اور حق قرآن و حدیث ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔

خامسًا علی التقدیر یہ اس وقت کی بات ہو سکتی ہے کہ جب دین کامل نہیں ہوا تھا۔ احکام اترتے رہتے تھے لیکن جب آیت " الیوم اکملت لکم دینکم " اتری اور دین کامل ہوا پھر یہ سوال ہی غلط ہے کہ یہ مسئلہ قرآن و حدیث میں معاذ اللہ۔ نہیں ہے اس لیے قیاس کرتے ہیں۔ یہ عقیدہ (قرآن و حدیث کو ناقص سمجھنا) مسلمانوں کا مذہب نہیں ہے

سادسًا علی التقدیر " اجتہد برائی " سے کیا مراد ہے کہ میں اپنی رائے استعمال کروں گا؟ یہ فاسد گمان صحابہؓ پر نہیں ہو سکتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ اگر مجھے مسئلہ نہیں ملا تو بھی ہمت نہیں ہاروں گا بلکہ قرآن و حدیث میں تلاش کرتا رہوں گا بالآخر وہ مسئلہ مجھے مل جائے گا کیونکہ اجتہاد کا مطلب ہے کوشش کر کے قرآن و حدیث سے مسائل نکالنا۔

سابعاً اجتہاد بالرائے سے مراد امام سفیان بن عیینہ یہ لیتے ہیں کہ:

هو مشاورة اهل العلم لا ان يقول برايه (الاحكام ص۲۶ ج ۲)

اہل علم سے مشورہ کیا جائے نہ کہ اپنی رائے سے فیصلہ دے۔"

مطلب یہ ہے کہ جب کوئی مسئلہ خود قرآن یا حدیث میں نظر نہ آئے تو اپنے قیاس یا رائے کے بجائے دوسرے علماء سے دریافت کرے۔ ممکن ہے کسی کو اس بارہ میں آیت یا حدیث معلوم ہو کیونکہ "فوق کل ذی علم علیم" ہر عالم سے زیادہ علم رکھنے والا ہوتا ہے اور پس علمیت کی انتہا تو ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ علماء قدیم و حدیث میں بے شمار رہیں ایک سے نہ دوسرے سے تیسرے سے الی مالانہایتہ پس قیاس کا موقع ہی نہیں رہتا ہے اور یہ سوال تقلید نہیں لوجھین۔ الاول یہ اتباع مسار وایۃ دلیل ہے نہ رائے وقیاس۔ الثانی رجوع المجتہد و کذا الی الدلیل تقلید نہیں ہے۔

ثامناً روایت میں لفظ قیاس ہی نہیں ہے۔

تاسعاً ایک دوسری روایت ضعیفہ میں اس کے خلاف ہے۔

عن معاذ بن جبل قال لما بعثنی رسول الله صلى الله عليه وسلم الى اليمن قال لا تقضين ولا تفصلن الا بما تعلم وان اشكل عليك امر فقف حتى تبينه او تكتب الى فيه (ابن ماجه ص۰)

رسول اللہؐ نے مجھے یمن روانہ کرتے وقت فرمایا کہ علم (قرآن و حدیث کے جاننے) کے بغیر ہر گز کوئی فیصلہ یا قضاء کرنا جب تک کہ وہ بات تمہارے لئے ظاہر نہ ہو جائے یا پھر میری طرف لکھنا۔

ناظرین! یہ روایت بھی ضعیف وہ بھی ضعیف دونوں ایک دوسری کی تکذیب کرتی ہیں اور اگر دونوں ثابت ہیں تو بھی تطبیق ممکن ہے کہ "میں کوشش کر کے حق حاصل کر دوں گا" یا علماء سے مشورہ کر کے دلیل معلوم کروں گا یا آپ کو لکھوں گا۔

عاشراً: اگر ان سب باتوں سے قطع نظر کریں اور روایت کو معتبر مان لیں تو بھی اس اجتہاد کی فضیلت ہے نہ کہ تقلید کی۔ ہمارے لیے اس میں یہ سبق ہے کہ ہم مجتہد نہیں۔ قرآن وحدیث سے خود مسائل تلاش کریں نہ کہ کسی کی تقلید کریں۔ ورنہ معاذ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کرتے کہ جب قرآن وحدیث میں مجھے مسئلہ نہیں ملا تو میں کسی کی تقلید کروں گا مگر اس روایت میں یہ ہے کہ میں اجتہاد کرونگا جس کے معنی یہ ہیں کہ مسنون اجتہاد ہوا اور تقلید بدعت۔

تلک عشرۃ کاملۃ۔ الحاصل یہ کہ روایت آپ کو مضر ہے مفید ہرگز نہیں۔

قولہ، صلا سطر "اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوئیں"

اقول:۔ بشرط صحت اس روایت سے یہ باتیں معلوم ہوئیں:

اول۔ مسئلہ قرآن وحدیث سے ہی تلاش کرنا چاہیے نہ فقہی کتاب سے۔

دوم۔ اگر بوجہ قصور علم وہاں نہ ملے تو دوسرے علماء سے مذاکرہ کرے ممکن ہے کہ کہیں دلیل مل جائے۔

سوم۔ کوشش کو جاری رکھنا چاہیے یہاں تک دلیل مل جائے اس کے بغیر توقف کرے۔

چہارم۔ اور نہ کسی قول یا رائے پر فتویٰ دے یا عمل کرے۔

پنجم۔ خود اجتہاد کرے دوسرے کی تقلید نہ کرے۔

ششم۔ سب کے سب مسائل قرآن وحدیث میں موجود ہیں۔ ورنہ روایت کے کوئی معنی نہیں بنتے کیونکہ مقصد یہ ہے کہ اول مسائل قرآن وحدیث سے لے اگر نہ ملیں تو دوسرے علماء سے آیت یا حدیث پوچھے اور کوشش کرتا رہے حتیٰ کہ مل جائے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ سب مسائل ان میں موجود ہیں ورنہ یہ تکلیف مالا یطاق ہوگی۔ باقی جو باتیں آپ نے نکالی ہیں ان پر کلام کرتے ہیں۔

قولہ ص۱۲ سطر ۵ "اول یہ کہ بہت مسائل ایسے ہیں جو قرآن اور حدیث میں ان کے احکام منصوص نہیں"

اقول:۔ یہ بچند وجوہ غلط ہے: اوّل یہ کہ جو ہم نے ششم کے تحت ذکر کیا ہے۔ دوم قرآن و حدیث دین کامل کا پتا دیتے ہیں۔ سوم حدیث میں علی شرط الصحة یہ لفظ ہیں " فان لم تجعل" یعنی اگر تو نہ پائے کہ " اگر قرآن و حدیث میں موجود نہ ہوں" یہ معاذ کی قصور فہم کی طرف اشارہ ہے جس کو آپ قرآن و حدیث کا قصور بتاتے ہیں۔ یہ آپ کی طبع میں قیاس کی سرایت اور اس پر غلبہ اور اس کی بے پناہ محبت کا نتیجہ ہے ورنہ ؎

جمیع العلم فی القرآن لکن   تقاصر عنه أفهام الرجال

بلکہ اگر دیکھا جائے تو یہاں بشرط ثبوت الروایۃ معاذ رضی اللہ عنہ کا امتحان ہے کہ بوجہ قصور اپنے ناامید تو نہیں ہوتا مگر انھوں نے اپنی قوت ایمانی سے کہہ دیا کہ نہیں میں ناامید نہیں ہوں گا بلکہ دلیل تلاش کرتا ہوں گا۔ یہ تقاعد و تکاسل کا نتیجہ ہے جواب ایسا فرما رہے ہیں ورنہ اگر کوشش کی جائے اور صرف اقوال و آراء اور فقہی کتابوں پر قناعت نہ کی جائے تو انسان ہر مسئلہ قرآن و حدیث سے بالآخر حاصل کر ہی لیتا ہے اور یہ دونوں چیزیں سب اشیاء سے مستغنی کر دیتی ہیں۔ یہ وجہ چہارم سمجھنی چاہیئے۔

قولہ صلہ سطر ۹ " دوم غیر منصوص مسائل میں اپنی رائے اور اجتہاد سے فیصلہ کرنا نہایت درست ہے اور اللہ اور اس کے رسُول کی عین مرضی کے مطابق ہے۔

اقول:۔ یہ بھی بچند وجوہ باطل ہے۔ اوّل: اس کی بناء پہلی بات پر تھی جب وہ نہ رہی یہ بھی نہیں رہی۔ دوم رائے و اجتہاد میں فرق ہے۔ رائے اپنی رائے کو کہتے ہیں جیسا کہ آپ نے خود لکھا ہے اور اجتہاد قرآن و حدیث سے مسائل لینے کا نام ہے۔ سوم غیر منصوص کی قید بھی صحیح نہیں کیا۔ منصوص مسائل کا قرآن و حدیث سے لے لینا اجتہاد نہیں۔ چہارم۔ اجتہاد و مجتہد کا کام ہے گویا کہ اجتہاد صرف غیر منصوص مسائل میں ہے۔ منصوص میں سب مقلد (عجیب) پنجم منصوص مسائل میں آپ

غیر مقلدیں۔ آپ گویا عوام کو نقہی کتابوں سے مستغنی سمجھتے ہیں چہ خوش۔ ششم۔ اپنی رائے استعمال کرنے کو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مرضی کے مطابق کہنا صریح افترا ہے۔ حالانکہ قرآن و حدیث میں رائے کی مذمت آئی ہے۔

قولہ صلا سطر ۱۱ سوم یہ کہ رائے اور اجتہاد حق سبحانہ و تعالیٰ کی ایک نعمت ہے جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے الحمد للہ پڑھا۔ الخ

اقول:۔ اس پر بھی چند وجوہ کلام ہے۔ اوّل۔ اجتہاد جب اللہ کی نعمت ہے تو اس کو بعض لوگوں کے لیے خاص کرنا یا کسی زمانہ تک محدود کرنا کیسے درست ہے بلکہ ہر ایک بندہ خدا کو ترغیب دلاؤ کہ حسب استطاعت اجتہاد کریں اور خواہ مخواہ ان کو دائرہ تقلید میں بس ہو کر رہنے کی تلقین کیوں کرتے ہو۔ دوم۔ رائے اللہ کی نعمت نہیں بلکہ اس کو حدیث میں اُمّت کے لیے بڑا فتنہ کہا گیا ہے۔ کما مر۔ سوم۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حمد کرنا معاذ رضی اللہ عنہ کی جرأت اجتہادی پر ہے نہ کہ تقلید کی وجہ سے۔ چہارم۔ یہ اجتہاد جس پر الحمد للہ پڑھی گئی۔ وہ اخذ المسائل من القرآن والسنتہ ہے۔ کما مر۔ پنجم۔ بلاشک شکر کرنے والوں کے لیے نعمت کے زیادہ ہونے کا وعدہ ہے لیکن ان کے لیے جو اس نعمت (اجتہاد) کو استعمال کریں۔ ان پر نعمت زیادہ ہوگی اور مسائل نکالنے میں آسانی ہوتی جائے گی جیسا کہ ارشاد ہے کہ

"والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ (العنکبوت ع پ)

لیکن جو اس نعمت کو استعمال ہی نہ کرے اور کہے کہ میں مقلد ہوں میں اجتہاد کا اہل نہیں ہوں۔ مجھے علم نہیں تو اس آیت کی مثال ہے کہ

"ولو شئنا لرفعناہ بھا ولکنہ اخلد الی الارض (الاعراف ع ۲۲ پ۹)

ششم۔ بے شک دست نبویؐ کے فیوض و برکات مجتہد کے ساتھ ہیں لیکن مقلد کے

ساتھ کس کے ہاتھ ہیں۔ ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم　　　نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

قولہ ص۱۲ س۱۵ " نیز غیر منصوص مسائل میں صحابہؓ اور تابعینؒ کا اجتہاد اور قیاس سے فتویٰ دینا حد تواتر کو پہنچ چکا ہے" الخ

اقول ۔ صحابہ اور تابعین کے چند اقوال قیاس ورائے کی مذمت میں ہم نقل کر آئے ہیں جس کے معنی نہ اجماع ہے نہ تواتر محض خوش فہمی ہے بلکہ صحابہؓ کے اجتہاد کا یہ حال تھا کہ جو بات اقرب الی الکتاب والسنۃ دیکھتے اس کو لے لیتے۔ کما فی اعلام الموقعین ص۵۸ ج ۱ ۔ یہ نہ رائے ہے نہ قیاس اور حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ طبقہ تاسعہ کے اخیر میں فرماتے ہیں کہ

" وکان فی ھذا الوقت خلق من الائمۃ اھل الرای والفروع" (تذکرہ ص۲۲۶ ج ۲)

یعنی اس زمانہ میں ائمۂ اہل الرائی تھے ۔ یہ طبقہ صحابہ اور تابعین سے بہت بعد کا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ رائے وقیاس کا نی بعد میں ہوا۔

قولہ ص۱۲ س۱۸ " امام بخاریؒ نے قیاس کی حجیت ثابت کرنے کے لیے صحیح بخاریؒ میں ایک باب منعقد فرمایا :۔

باب من شبہ أصلا معلوما بأصل مبین وقد بین النبی صلی اللہ علیہ وسلم حکمھما لیفھم السائل "

اقول :۔ یہ سراسر دھوکا ہے ۔ امام بخاریؒ نے قیاس کے اثبات کیلئے نہیں بلکہ اس کے ابطال کے لیے رکھا ہے۔

اولاً " من شبہ اصلا معلوما باصل مبین " پر غور کریں کیونکہ قیاس میں مقیس فرع اور مقیس علیہ اصل ہوتا ہے ۔ ایک اصل کو دوسرے اصل کے ساتھ تشبیہ کا ذکر ہے ۔

قیاس نہیں۔ مقیس اصل نہیں کہلاتا۔ ثانیاً اصل معلوم سے بھی ظاہر ہے کہ وہ دلائل سے ثابت و مبرہن اور معلوم و معروف ہے۔ پس اس کے لیے قیاس کی کیا ضرورت ہے۔ ثالثاً ایک اصل کو معلوم دوسرے کو نہیں کہا جس کے معنی یہ ہیں کہ کسی حکم جو کہ پہلے ہی دلائل سے ثابت اور منصوص ہو اس کو مزید سمجھانے کے لیے کسی اور اصل جو اس سے زیادہ واضح ہو اس سے تشبیہ دے کر سمجھایا جائے۔ یہ قیاس نہیں تفہیم و مبیّن ہے۔ قیاس جب ہو کہ مسئلہ پہلے منصوص و مدلل ہی نہ ہو۔ اس کو کسی مدلل و منصوص کا فرع بنایا جائے جیسا کہ آپ نے خود قیاس کی تعریف کی ہے رابعًا بقیہ عبارت وقد بین النبی صلی اللہ علیہ وسلم حکمہما لیفہم السائل" اس پر شاہد ہے کہ ایک اصل کو دوسری سے تشبیہ دے کر مبین و واضح کیا جائے۔ خامسًا امام بخاریؒ نے اس باب میں دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔ ان سے بھی یہی بات ظاہر ہوتی ہے پہلی حدیث میں ایک اعرابی نے اپنے بچہ پر کالے رنگ کا جمنے کی وجہ سے شبہہ کیا لیکن یہ شبہہ فی الحقیقت کوئی چیز نہیں کیونکہ قرآن مجید میں ہے کہ" ومن آیاتہ خلق السموات والارض واختلاف السنتکم والوانکم" (الروم ع ۳ پ ۲۱) پس یہ مسئلہ تو پہلے ہی منصوص ہے جو بذاتِ خود ایک اصل معلوم ہے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اعرابی کو مزید سمجھانے کے لیے اونٹوں کے مختلف رنگوں کی مثال دے کر سمجھایا۔ دوسری روایت میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے حج عن المیت کے متعلق سوال کیا گیا۔ یہ مسئلہ بھی منصوص ہے چنانچہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جواب میں "نعم" (ہاں) فرمایا۔ یہ صراحتہً تنصیص ہے اور یہی روایت امام بخاریؒ نے کتاب الحج میں لائی ہے وہاں یہ الفاظ ہیں کہ نعم حجی عنہا" (ہاں اس کی طرف سے تم حج کرلو) اس تنصیص کے بعد آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وصحبہ وسلم) نے قرض کی مثال دے کر سمجھایا۔ ثابت ہوا کہ یہ قیاس نہیں۔

سادساً بلکہ امام بخاریؒ نے صحیح میں کتاب الاحکام میں متعدد ابواب قیاس کے ابطال کے لیے رکھے ہیں۔

مثلاً:۔

۱۔ "باب قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعثت بجوامع الکلم"

"جب آپ کے کلمات مبارکہ جامع ہیں تو پھر سارے مسائل منصوص ہوئے اور قیاس کی کوئی ضرورت نہیں رہی"

۲۔ باب ما یذکر من ذم الرأی وتکلف القیاس ولا تقف ما لیس لک بہ علم"

یہاں صریحاً قیاس کی تردید کی گئی ہے اور آیت سے استدلال کیا گیا ہے جو چیز معلوم نہیں اس کے پیچھے پڑنے کی ممانعت ہے جو نص سے معلوم ہو اس کو لیا جائے جو نہ ہو سکے اس میں توقف کیا جائے نہ کہ قیاس ورائے کا تکلف کیا جائے۔

۳۔ باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسئل مما لم ینزل علیہ الوحی فیقول لا أدری او لم یجب حتی ینزل علیہ الوحی و لم یقل برأی ولا بقیاس لقولہ تعالیٰ بما أراک اللہ وقال ابن مسعود سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الروح فسکت حتی نزلت الآیۃ"

یہاں تصریح ہے کہ جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ حال تھا کہ جب کوئی ایسا مسئلہ آتا جس کے متعلق خدا کی طرف سے کوئی حکم نہ آیا ہو تو آپ خاموش رہتے یا لاعلمی کا اظہار فرماتے جب تک وحی کا نزول نہ ہو مگر قیاس یا رائے سے فتویٰ نہیں دیتے تو پھر دوسرے مفتیوں یا علماء کو کیا حق ہے کہ قیاس کریں بلکہ منصوص میں تلاش کرتے رہیں۔ جب تک نہ ملے خاموش رہیں یا لا ادری کہہ کر معذرت کر دیں۔ یہاں امام مالکؒ کا قول نقل کرنا مناسب ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امام المرسلین وسید العالمین یسئل عن الشیٔ فلا یجیب حتی یأتیہ الوحی من السماء (الاحکام ص۲۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب نبیوں کے امام اور سب جہان والوں کے سردار ہونے کے باوجود کسی مسئلہ میں جواب نہیں دیتے تھے، جب تک آسمان سے وحی نہ آئے۔

۴۔ "باب تعلیم النبی صلی اللہ علیہ وسلم أمتہ من الرجال والنساء بما علمہ اللہ لیس برائی ولا تمثیل"

یہاں بھی صاف بیان ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم محض وحی سے آئے ہوئے علم کے ماتحت تھی جو کہ نص ہے نہ کہ اپنی رائے سے یا محض مثالوں سے بتاتے تھے جس سے ظاہر ہے کہ اس باب (باب من شبہ اصلا معلوما الخ) سے مراد وہ مسئلہ ہے جو اللہ کی طرف سے بیان کیا ہوا ہو لیکن اس کے سمجھانے کے لیے تمثیل دیتے تھے۔ نہ کہ مثال کو اصل بنا کر اس پر تفریع کرتے تھے معاذ اللہ!

۵۔ "باب ماجاء فی اجتهاد القضاة بما انزل اللہ تعالی لقولہ تعالی ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک هم الظالمون ومدح النبی صلی اللہ علیہ وسلم صاحب الحکمة حین یقضی بها ویعلمها ولا یتکلف من قبلہ ومشاورة الخلفاء وسؤالهم أهل العلم"

اس باب سے سفیان بن عیینہ کے سابق قول کی وضاحت ہو گئی کہ اجتہاد الرای سے مراد اہل علم سے مشورہ کرنا ہے تاکہ کہیں نہ کہیں دلیل مل جائے اور اس باب میں امام بخاریؒ نے امیر عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ ایک مسئلہ کے متعلق آپ کو نص معلوم نہ تھی تو صحابہؓ سے پوچھا کہ

أیُکُمْ سمع من النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم (بخاری ص۱۰۸۱ ج ۲ مصری)

اس مسئلہ کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے آپ میں سے کچھ سنا ہے۔

چنانچہ بتانے کے بعد اسی کے مطابق حکم نافذ فرمایا۔ ان ائمہ سے امیر عمر رض ہزار بار اعلم و افقہ تھے مگر بوجہ عدم اطلاع علی النص قیاس نہیں کیا بلکہ دوسرے صحابہ رض سے مشورہ کرکے نص معلوم کی۔ بس یہی طریقہ حق معلوم کرنے کا ہے۔

۶۔ باب قول اللّٰہ تعالیٰ لیس لك من الامر شئی

جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی اختیار نہیں تو دوسروں کو اپنی رائے یا قیاس استعمال کرنے کا کیا حق ہے۔

۷۔ "باب الاحکام التی تعرف بالدلائل وکیف معنی دلالۃ التفسیر وقد اخبر النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم امر الخیل وغیرہ ثم سئل عن الحمر فدلھم علی قولہ تعالیٰ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ" الخ۔

یہاں یہ بیان کیا ہے کہ مسائل عمومات میں داخل ہیں ان سے لیے جائیں۔ قیاس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ الغرض یہ ابواب خود بتاتے ہیں کہ امام بخاری رح قیاس کو ثابت کرتا ہے یا رد کرتا ہے؟ سابقاً نیز الفاظ" وقد بین النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم حکمھما" پر غور کریں اور بعض نسخوں میں ہے کہ بین اللّٰہ تعالیٰ" کما فی فتح الباری ص۲۶۱ ج ۱۳ اور ضمیر تثنیہ جو اصل معلوم اور اصل مبین کی طرف راجع ہے جس کا مطلب صاف ہے کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے جس کا مطلب صاف ہے کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان دونوں کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ خاص طرح واؤ حالیہ تو اس کو اور صاف کر دیتا ہے۔ پس یہ تو منصوص مسائل کا ذکر ہے۔ جن کی تفہیم و مزید تبیین ہے اور نہ قیاس نہ غیر منصوص میں منصوص کا حکم جاری کرتا ہے۔

فافہم۔

قولہ ص۲۲ سطر۱۔" حافظ عسقلانی اس باب کی شرح میں فرماتے ہیں اول من انکر القیاس"۔ الخ

اقول: ۔یہاں بھی دھوکے سے کام لیا گیا ہے۔ اس لیے یہ کلام حافظ ابن حجر عسقلانی کا اپنا نہیں ہے بلکہ ابن بطال سے نقل کیا ہے اور اس کی پھر تردید میں نقل فرماتے ہیں کہ

وتعقب بعضهم الاولية التى ادعا ابن بطال بان انكار القياس ثبت عن ابن مسعود من الصحابة ومن التابعين عن عامر الشعبى من فقهاء الكوفة وعن محمد بن سيرين من فقهاء البصرة (فتح البارى ص۲۳۲ ج ۱۳)

بعض اہل علم نے ابن بطال کے اس دعویٰ (قیاس کا انکار سب سے پہلے ابراہیم نظام وغیرہ نے کیا ہے) کو رد کرتے ہوئے کہا کہ حالانکہ قیاس کا انکار اس سے پہلے صحابہؓ میں سے ابن مسعودؓ اور تابعینؒ میں سے کوفہ کے فقیہ شعبی اور بصرہ کے فقیہ محمد بن سیرین نے بھی کیا ہے۔

اور پھر اس عبارت سے آگے فرماتے ہیں کہ وذالك مشهور عنهم یعنی قیاس کا انکار صحابہؓ اور تابعینؒ سے مشہور ہے بلکہ حافظ صاحب اپنا نظریہ اس طرح پیش کرتے ہیں کہ

والمذهب المعتدل ما قاله الشافعى ان القياس مشروع عند الضرورة لا انه اصل برأسه (فتح البارى ص۲۳۳ ج ۱۳)

درمیانہ مذہب وہی ہے جو امام شافعیؒ نے کہا کہ قیاس بوقتِ ضرورت مشروع ہے نہ کہ وہ بذاتِ خود کوئی اصل ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ قیاس اصول شرعیہ میں سے نہیں ہے اور اس کی مشروعیت ضرورت سے مشروط ہے۔ اور ضرورت کا معنی ہے کہ نص نہ ملے سو اس سے سہل یہ طریقہ ہے کہ

نص کی تلاش جاری رکھے جیسا کہ امیر عمرؓ نے کیا یا سفیان بن عیینہ نے کہا گویا کہ حافظ عسقلانی بھی قیاس کو کوئی چیز نہیں سمجھتے تھے۔

قولہ ص۱۳۱ "وانشد ابن عبد البر لابی محمد الیزیدی النحوی المنقری المشہور بروایۃ عمرو ابن العلاء من ابیات طویلۃ فی اثبات القیاس" الخ

اقول:۔ جامع بیان العلم وفضلہ ص۶۷/۶۸ ج۲ میں یہ اشعار اس سند کے ساتھ مذکور ہیں۔

"قال ابو محمد الیزدی فی القیاس و ذالک فیما حدث بہ شیخنا ابوالاصبغ عیسٰی بن سعید ابن سعدان قال حدثنا ابوالحسن بن مقسم قال حدثنا ابوالحسن بن المنادی قال انشدنی ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن علی بن محمد بن علی بن عبدالعزیز العمری الموصلی خال ابی علی البیاضی الہاشمی قال انشدت لابی محمد الیزیدی فذکرہ"

اور ابوالحسن بن مقسم متکلم فیہ ہے۔ کما فی المیزان ص۴۲ ج۳۔ اگرچہ خطیب نے اسے ثقہ کہا ہے لیکن ساتھ ہی اس کی قراءۃ میں تحریف کی بدعت بھی نقل کی ہے اور باوجود (توبہ) کے اس پر مصر رہا (تاریخ بغداد ص۲۰۷ ج۲) نیز ابو عبدالرحمٰن العمری الموصلی کا ترجمہ کہیں نہیں ملتا۔ پس یہ سند قابل اعتماد نہیں نہ معلوم یہ اشعار کس کے ہیں۔ ثانیاً اشعار کوئی سند نہیں۔

"والشعراء یتبعھم الغاون" (الشعراء ع۱۱ پ۱۹)

ثالثاً ان اشعار میں جو استدلال کیا گیا ہے وہ مردود ہے چنانچہ شعر نمبر۸ میں وہی معاذ کی روایت اجتہد برائی کا ذکر ہے وہ غیر صحیح ہے۔ کما تقدم شعر ۸، ۹ میں امیر عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے، حالانکہ وہ ان سے ثابت نہیں۔ امام ابن حزم نے اس کو دو سندوں سے ذکر

کیا ہے۔

"حدثنا احمد بن عمر العذری ثنا ابوذر عبد بن احمد الھروی ثنا ابوسعید الخلیل بن احمد القاضی السجستانی ثنا یحیٰی بن محمد بن صاعد ثنا یوسف بن موسیٰ القطان ثنا عبید اللہ بن موسیٰ ثنا عبد الملک بن الولید بن معدان عن ابیہ قال کتب عمر بن الخطاب فذکرہ وحدثنا احمد بن عمر ثنا عبد الرحمٰن بن الحسن الشافعی ثنا القاضی احمد بن محمد الکرجی ثنا محمد بن عبد اللہ العلاف ثنا احمد بن علی ابن محمد الوراق ثنا عبد اللہ بن سعد ثنا ابوعبد اللہ محمد بن یحیٰی بن ابی عمر المعدنی ثنا سفیان عن ادریس یزید الاودی عن سعید بن بردۃ بن ابی موسیٰ الاشعری عن ابیہ قال کتب عمر بن الخطاب فذکرہ"۔

پھر امام ابن حزم دونوں سندوں کے لیے بطور فیصلہ فرماتے ہیں کہ

وھذا لا یصح لان السند الاول فیہ عبد الملک بن الولید ابن معدان متروک الحدیث ساقط بلاخلاف وابوہ مجھول واما السند الثانی فمن بین الکرجی الی سفیان مجھولون وھو ایضا منقطع فبطل القول بہ جملۃ (الاحکام ص۱۱۳ ج ۷)

یہ روایت صحیح نہیں پہلی سند میں عبد الملک جو کہ متروک (متہم بالکذب) اور بلا خلاف اعتبار سے گرا ہوا ہے اور اس کا باپ ولید مجہول ہے اور دوسری میں کرجی اور سفیان کے درمیان چاروں راوی مجہول ہیں نیز سند منقطع بھی ہے پس اس کو لینا ہر لحاظ سے باطل ہے۔

ناظرین! پہلی سند کے متعلق جو امام ابن حزم نے عبد الملک اور اس کے باپ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کو امام ذہبیؒ نے بھی میزان ص۲۷۶ ج ۲ میں تسلیم کیا ہے اور ساتھ یہ کہا ہے کہ ولید اس روایت کے نقل کرنے میں منفرد ہے اور تہذیب ص۴۲۹ ج ۶ میں بھی عبد الملکؒ کے متعلق

ابن حزم کا قول نقل کیا ہے اور ائمۂ جرح وتعدیل ابی حاتم بخاری نسائی ابن عدی سے اس کی تضعیف نقل کی ہے اور ازدی سے اس کا منکر الحدیث ہونا نقل کیا ہے اور ابن حبان سے نقل کیا ہے کہ

یقلب الاسانید لا یحل الاحتجاج بہ

یہ شخص سندیں بدل دیتا ہے اس کی روایت سے دلیل لینا حرام ہے۔

اگر کوئی کہے کہ اس کے باپ ولید کو ابن حبان نے ثقات طبقہ تابعین میں ذکر کیا ہے تو اس کا جواب اس طرح ہے۔ اول ابن حبان کی یہ شرط نہیں کہ وہ کتاب الثقات میں مجاہیل کو ذکر نہیں کرے گا بلکہ کئی مجہول راویوں کو ذکر کر دیتا ہے۔ دیکھو مقدمہ لسان المیزان اور جلد اول کی آخر۔ دوم حافظ ذہبی نے اس کی جہالت اور ساقط ہونے کو بحال رکھا ہے۔ ثابت ہوا کہ جہالت مرتفع نہیں ہوئی۔ سوم ابن حبان نے اس کے ترجمہ میں یوں کہا ہے کہ

یعتبر من حدیثہ مالم یروہ عنہ ابنہ (ثقات ابن حبان۔ ج ا)

اس کی وہ روایت معتبر ہے جس میں اس سے اس کا بیٹا راوی نہ ہو۔

اور فیما نحن فیہ اس کا بیٹا عبد الملک اس سے روایت کرتا ہے لہٰذا بقول ابن حبان بھی وہ اس روایت میں قابلِ اعتبار نہیں۔ چہارم "یعتبر بہ" کا لفظ بتاتا ہے کہ اس کی روایت اگرچہ من غیر طریق ابنہ عنہ ہو پھر بھی احتجاجاً قابل قبول نہیں بلکہ شواہد میں لی جائے گی۔ سو یہاں اس کا کوئی صحیح شاہد نہیں ہے۔ لہٰذا مردود ہے اور دوسری سند میں محمد بن یحیی العدنی کا ترجمہ تقریب وتہذیب میں مذکور ہے اس کی ائمہ نے توثیق کی ہے مگر ابو حاتم رازی نے کہا ہے کہ

کان رجلا صالحا وکان بہ غفلۃ ورایت عندہ حدیثا موضوعا

حدث به عنه ابن عيينة وكان صدوقا (تهذيب ص۱۹ ج ۱)

یہ شخص صالح تھا لیکن اس میں غفلت کی بیماری تھی میں نے اس کے پاس ایک موضوع روایت دیکھی جس کو سفیان بن عیینہ نے اس سے روایت کیا اور وہ بذاتِ خود سچا تھا جس کا مطلب کہ اس کی روایت بھی محتاج تحقیق ہے کہیں غفلت کی وجہ سے کوئی جھوٹی روایت ان کی روایتوں میں مل نہ گئی ہو اور باقی تین راوی مجاہیل ہیں۔ ان کے حال کا پتا کہیں نہیں لگتا۔

الحاصل:۔ یہ روایت بھی غیر معتبر ہے بلکہ امیر عمر رضہ سے تو قیاس کی تردید پہلے ذکر ہو چکی ہے۔ باقی ان اشعار کو دلیل نہیں سمجھا جا سکتا ہے۔

قولہ ص۳۴ سطر ۱۷ "رائے محمود اور رائے مذموم کو حافظ ابن قیم رح نے اعلام الموقعین میں نہایت تفصیل سے ثابت کیا ہے کہ رائے کی دو قسمیں ہیں، ایک محمود اور ایک مذموم" الخ

اقول:۔ حافظ ابن قیم رح نے اس رائے کو بھی مذموم میں شمار کیا ہے جس کی نصوص میں شہادت نہ ملتی ہو اور منصوص مسائل کے لیے قیاس آپ بھی غیر ضروری جانتے ہیں۔ اب دوسرے مسائل اگر ان میں قیاس نصوص سے مؤید ہے تو وہ اتباع النص ہوا اور قیاس بلا فائدہ اور اگر مؤید نہیں تو وہ مذموم رائے میں شمار ہوگا۔ نیز ابن قیم رح نے استحسان کو بھی رائے مذموم میں شمار کیا ہے۔ دیکھو اعلام ص۶۹ ج ا کیا اس کو بھی مانیں گے یا نہیں؟ استحسان کے باطل ہونے کے قائل ہوں گے؟

قولہ ص۳۴ سطر ۱۹ "محمود وہ ہے کہ جو اصول اور قواعد کے مطابق ہو اور کتاب اور سنت اور اجماع امت سے ماخوذ ہو۔"

اقول:۔ کتاب و سنت اور اجماع دلائل ہیں . . . . اور ان کا اتباع دلیل کا

اتباع ہے نہ قیاس کا۔

قولہ ص۲۲۴ س۱ "اور مذموم وہ ہے جو نصوص کے خلاف ہو یا محض ظن اور تخمین پر مبنی ہو"

اقول: جس مسئلہ میں بوجہ قصور علمی نص نہیں ملتی اس میں قیاس کرنا خود ظن و تخمین ہے۔ کیا خبر یہ نص کے موافق ہوگا یا مخالف۔ الحمد للہ آپ ہی کے فیصلہ سے ثابت ہوگیا کہ قیاس مذموم رائے میں شمار ہے۔

قولہ ص۲۲۴ س۲ "جن احادیث اور آثار صحابہؓ میں رائے کی مذمت آئی ہے" الخ

اقول: اس میں قیاس ہے۔ کما ذکر اور محمود رائے بقول شما وہ ہے جو نصوص سے مؤید ہے۔

قولہ ص۲۲۴ س۵ "حافظ ابن قیمؒ دونوں قسم کی روایتیں تفصیل کے ساتھ نقل کرکے فرماتے ہیں کہ :۔ ولا تعارض الخ

اقول: یہی تطبیق قیاس کو رد کرتی ہے اور وہ مذموم رائے میں شمار ہوتا ہے۔ جیسا کہ گذرا۔

قولہ: ص۲۲۴ س۱۰ "اسی طرح حافظ موصوف نے اعلام الموقعین اور حافظ ابن تیمیہؒ نے کتاب القیاس فی الشرع الاسلامی میں قیاس کی دو قسمیں بیان کی ہیں" الخ

اقول: لیکن اس کا معیار نص ہے اور جو اس سے مؤید نہیں اس کو ابن قیمؒ مذموم شمار کرتا ہے اور جو مؤید بالنص ہے وہ کوئی چیز نہیں کیونکہ نص بذات خود متبوع اور مستغنی عن الغیر ہے۔ بلکہ ابن قیمؒ نے تو صاف لکھا ہے کہ

إن الرأی نوعان أحدهما رأی مجرد لا دلیل علیه بل هو خرص وتخمین فهذا الذی أعاذ الله الصدیق والصحابة منه والثانی رأی مستند إلی استدلال واستنباط من النص وحده أو من نص آخر معه (الاعلام ص۸۳ ج ۱)

رائے دو قسم کی ہے ایک خالی رائے جس پر کوئی دلیل نہ ہو صرف ظن اور تخمین ہو۔ ایسی رائے سے اللہ تعالےٰ صدیق اکبرؓ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کو پناہ دے۔

دوسری قسم وہ رائے ہے جس پر دلیل ایک نص ہو یا دوسری نص اس کے ساتھ ملا کر استنباط کی گئی ہو۔

ناظرین! غور کریں کہ جس قیاس و رائے پر نص شاہد ہے وہ محمود اور جس پر نص شاہد نہیں وہ محمود نہیں۔ مذموم۔ یہ تو نص کا اتباع ہے نہ قیاس کا۔ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قیاس بذات خود دلیل نہیں بلکہ اس کی صحت کا معیار خود نص ہے۔ لہٰذا نص دیکھے بغیر قیاس پر اعتبار نہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ مسائل سب منصوص ہیں اور دلیل اسی طرح منصوص اور غیر منصوص کی تقسیم بھی غلط ہوئی۔ والحمد للہ اور امام ابن تیمیہؒ قیاس فاسد میں استحسان کو بھی شمار کرتے ہیں۔ دیکھو نقض المنطق ص ۱۲ اور ص ۴۱ میں فرماتے ہیں کہ

والدین ما شرعہ اللہ ورسولہ وقد بین أصولہ وفروعہ ومن المحال أن یکون الرسول قد بین فروع الدین دون أصولہ۔

دین وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مقرر کیا ہو اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دین کے اصول اور فروع سب بیان کر دیئے ہیں اور نا ممکن ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دین کے فروعات تو بتائے ہوں لیکن اُصول نہیں۔

بلکہ اس مسئلہ کے متعلق امام موصوف نے مستقل رسالہ بنام معارج الوصول الی معرفۃ ان اصول الدین و الفروع حق بینہا الرسول تصنیف کیا ہے۔ اس میں ایک جگہ فرماتے ہیں کہ

واما العملیات وما تسمیہ ناس الفروع والشرع والفقہ فھذا

قد بينه الرسول أحسن بيان فما شئ مما أمر الله به أو نهى عنه أو حل له أو حرمه إلا بين ذالك (ص۱۹)

اعمال اور جس کو لوگ فروعی یا شرعی یا فقہی مسائل کہتے ہیں وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھی طرح بیان کر دیئے ہیں اور جو کچھ اللہ تعالےٰ نے حکم دیا یا منع کیا یا حلال یا حرام فرمایا سب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بیان کر دیئے۔

پھر فرماتے ہیں:

وان الكتاب والسنة وافيان بجميع أمور الدين (ص۲)

قرآن وحدیث میں سب مسائل پورے آگئے ہیں۔

جب مسائل مبین اور منصوص ہیں تو پھر قیاس کی ضرورت نہیں رہی۔ صرف یہ ہے کہ جہاں نص نہیں ملتی وہاں عالم کا قصور ہے نہ قرآن وحدیث کا بس تلاش کرتا رہے آخر نص مل ہی جائے گی، ان شاء اللہ اور قیاس صحیح کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ

وكذالك القياس الصحيح حق يوافق الكتاب والسنة (معارج الوصول ص۱۶)

قیاس صحیح حق ہے وہ قرآن وحدیث کے موافق ہوتا ہے۔

امام ابن تیمیہؒ کے قول کے مطابق صحیح قیاس کتاب سنت کے موافق ہوتا ہے اور مخالف فاسد یہ تقسیم بتاتی ہے کہ جب نص معلوم نہیں تو کیا خبر کہ یہ قیاس اس کے موافق ہے یا مخالف؟ پس پہلے نص کا وجود لازمی ہے اور جب نص مل گئی تو قیاس سے استغنا ہو گیا نہایتہ وہ تفہیم اور مزید تائید ہو گی۔

قولہ ص۴۴ س۱۶ اور جو رائے اور قیاس کتاب وسنت اور اجماع امت سے مستفاد ہو

اور قواعد شرعیہ کے مطابق ہو وہ محمود ہے "

اقول :۔ اس کے معنی کہ جس مسئلہ میں ہم قیاس کریں پہلے اس کے لیے قرآن و حدیث یا اجماع کا ہونا ضروری ہے ورنہ نہیں اسی طرح قیاس دلیل نہیں رہا۔

قولہ ص۲۴۴ س۱۷ " اور امام بخاری نے صحیح بخاری میں ایک باب صحیح قیاس کی حجیت کے لیے منعقد کیا جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں "

اقول : اس کا جواب بھی ہم مفصل دے چکے ہیں نیز اس میں صحیح و غیر صحیح کی تقسیم کہاں ہے ؟۔

قولہ ص۲۴۴ س۱۹ " اور ایک باب رائے مذموم اور قیاس فاسد کی تحذیر میں " الخ

اقول :۔ یہ تقسیم و تفصیل وہاں مذکور نہیں بلکہ آپ کی تخریج ہے نیز یہ ایک باب نہیں اور کئی ابواب ہیں جو کہ ہم نے ذکر کیے۔

قولہ ص۲۴۵ س۳ " حافظ ابن حجر اس کی شرح میں لکھتے ہیں " ما یذکر من ذم الرأی الخ

اقول :۔ اس عبارت کی خود آپ نے یہ تشریح کی ہے کہ " حاصل کلام یہ کہ جن آیات اور احادیث میں عمل بالرائی کی مذمت آئی ہے "

" اس سے وہ رائے مراد ہے جو کہ محض انہی کی رائے ہو اور اس کی کوئی دلیل نہ ہو "

اور جس پر دلیل ہے تو وہ ہی متبوع و ماخوذ ہو گا ثابت ہوا کہ قیاس و رائے دلیل نہیں بلکہ دلیل قرآن و حدیث ہے۔ پھر آپ تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

" اور اسی طرح حدیث میں اس شخص کی مذمت آئی ہے جو بلا علم اور بلا تحقیق فتوے دے "

" وہ اور خود بھی گمراہ ہوں اور دوسروں کو گمراہ کرے اور جو لوگ کتاب و سنت سے

صحیح استنباط کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم میں ان کی مدح فرمائی ہے۔

مقام غور ہے کہ علم ہوا ور علم بالقرآن والسنۃ مراد ہے کیونکہ اگر قرآن و حدیث معلوم نہیں تو قیاس کے صحیح یا فاسد ہونے کا کیا پتا لگے گا۔ ثانیاً مطلب یہ کہ قیاس حجت نہیں اور جب تک کسی مسئلہ میں نص نہ ہو قیاس نہیں ہو سکتا اور یہ مقتضی ہے اس کا کہ سب مسائل منصوص ہوں اور منصوص مسائل اور غیر منصوص کی تقسیم عبث ہوئی۔ ثالثاً تحقیق کرے اور اس میں اجتہاد کی ترغیب ہے اور وہ اب بھی جاری ہے نیز ثابت ہوا کہ مقلد کو فتویٰ دینے کا حق نہیں کیونکہ تحقیق مجتہد کا کام ہے اور تحقیق و تقلید دو الگ چیزیں ہیں جیسا کہ ابتداء کتاب میں گذرا۔ رابعاً کتاب و سنت سے صحیح استنباط کا کوئی منکر نہیں۔ انکار صرف تقلید کا ہے جو کہ مذموم ہے اور قیاس دلیل نہیں کیونکہ اس سے کسی مسئلہ کی تصحیح نہیں ہو سکتی بلکہ قیاس خود تصحیح کا محتاج ہے۔

الحاصل :۔ آپ ہی کی عبارت سے کام تمام ہوا۔ ؎

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا میرے حق میں — زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہ کنعاں کا

اور اسی عبارت عربیہ میں بھی یہ الفاظ ہیں کہ

فالرأی اذا کان مستند الی اصل من الکتاب او السنۃ او الاجماع فھو محمود واذا کان لا یستند الی شئی منھا فھو المذموم۔

محمود قیاس وہ ہے جو قرآن یا حدیث یا اجماع میں سے کسی سے مستند ہو جو ایسا نہیں وہ مذموم ہے۔

پس یہی معیار خود بتاتا ہے کہ قیاس خود محتاج تحقیق ہے چہ جائیکہ اس سے کسی مسئلہ کی تحقیق کی جائے نیز اس کو مقتضی ہے کہ سب مسائل ان تینوں (قرآن حدیث اجماع) سے باہر ہوں۔

ورنہ قیاس محمود اور مذموم کا فرق نہیں معلوم ہو سکے گا اور بوجہ مشتبہ ہونے کے مردود رہے گا۔

قولہ صـ۲۶۴ سـ۱۲ ۔ افسوس کہ حضرات اہل حدیث حافظ ابن تیمیہ اور ابن قیم کی کتابوں سے رائے مذموم کے بارے میں صحابہؓ اور تابعینؒ کے جو اقوال ہیں ان کو نقل کر دیتے ہیں" الخ

اقول: خیانت کا الزام غلط ہے جو اثبات کے بارہ میں اقوال مذکور ہیں وہ اکثر سب سنداً ضعیف ہیں بعض رائے کے جواز میں صریح نہیں ہیں۔ اس لیے ان کو ضروری نہیں سمجھتے بلکہ اکثر تو ان کو نقل کر کے ان کی تعلیل بھی کر دیتے ہیں۔ ثانیاً جن اقوال سلف کو وہ رائے وقیاس کی تردید میں نقل کرتے ہیں وہ استدلال نہیں بلکہ استشہاداً لاتے ہیں۔ ان کا دراصل استدلال آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ سے ہے۔ ان دونوں میں رائے کی مذمت ہے۔ کما مضی اور یہ اقوال ان کی تائید کے لیے ہیں۔ ثانی رائے کے اثبات میں جو اقوال مروی ہیں اگر ان کو صحیح بھی مانا جائے تو بھی ان کے لیے کوئی اصل (قرآن وحدیث سے ثبوت) نہیں ملتی۔ لہٰذا ان کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں کیوں کہ وہ علی الاطلاق حجت نہیں۔ حجت اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فرمان ہے اور ان کے بعد اجماع اگر پایا جائے تو ہو سکتا ہے لیکن رائے وقیاس پر صحابہؓ یا تابعین کا اجماع کبھی بھی ثابت نہیں ہو سکتا ہے۔ کما لا یخفی علی اولی النہی۔

نیز امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ

من ادعی ان من المسائل ما لم یتکلم فیها احد منهم الا بالرائ والقیاس فقد غلط بل کان کل منهم یتکلم بحسب ما عنده من العلم۔

"جس نے یہ دعویٰ کیا کہ بعض ایسے مسائل بھی ہیں جن میں صحابہؓ نے صرف رائے وقیاس

کیا تو غلطی کی بلکہ ہر ایک نے اپنی معلومات کے مطابق کلام کیا۔ (معارج الوصول ص۲۴)

معلوم ہوا کہ صحابہؓ صرف قیاس سے استدلال نہیں کرتے تھے۔ بلکہ حسب استعداد قرآن و حدیث سے مسائل لیتے تھے اور انہی کو وہ ایسا سمجھتے ہیں کہ بعض مسائل قرآن و حدیث میں نہیں ہیں۔ اب وہ قیاس سے لئے جائیں گے اور یہ عقیدہ محدث ہوا کہ غیر منصوص مسائل پر قیاس کریں۔ نیز ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ

وھذا کقولھم ان اکثر الحوادث یحتاج فیھا الی القیاس لعدم دلالۃ النصوص علیھا فانما ھذا قول من لا معرفۃ لہ بالکتاب و السنۃ ودلالتھما علی الاحکام (معارج ص۲۲)

اور بعض کا یہ کہنا کہ اکثر نئے مسائل ایسے ہیں جن پر نصوص دلالت نہیں کرتیں اس لیئے ان مسائل میں قیاس کی حاجت ہے۔ ایسا وہی کہہ سکتا ہے جس کو نہ قرآن و حدیث کی معرفت ہے اور نہ وہ احکام پر ان کی دلالت کو جانتا ہے۔

سچ ہے کہ قیاس متکاسلین کا وظیفہ ہے جو کہ نصوص کی تلاش کی زحمت گوارا کرنے کے بجائے قیاس کرنے پر قناعت کرتے ہیں۔ ورنہ مسائل سب منصوصہ ہیں۔ ایضاً اہل حدیث کا یہ اصول صحیح ہے کہ مسائل اصول سے لیے جائیں۔ قیاس کوئی اصل نہیں جبکہ اس کی خامیاں نکال کر بتاتے ہیں اور جہاں کہیں نصوص مل جاتی ہیں تو اس کے بعد اگر تفہیم کی ضرورت ہو تو مثال وغیرہ پیش کر دیتے ہیں جیسا کہ امام بخاری کے باب من شبہ اصلا معلوما الخ کی بحث میں گذرا۔

امام ابن تیمیہؒ اہل حدیث کی شان یوں بیان کرتے ہیں کہ

من المعلوم ان اھل الحدیث یشارکون کل طائفۃ فیما ینتحلون بہ من صفات الکمال ویمتازون عنھم مما لیس عندھم

فان المنازع لهم لابد ان یذکر فیما یخالفهم فیه طریقا اخری
مثل المعقول والقیاس والرای والکلام والنظر والاستدلال والمحاجۃ
والمجادلۃ والمکاشفۃ والمخاطبۃ والوجد والذوق ونحو ذالک و
کل هذه الطرق لاهل الحدیث صفوتها وخلاصتها فیهم
اکمل الناس عقلا واعدلهم قیاسا واصوبهم رایا واسدهم
کلاما واصحهم نظرا واهداهم استدلالا واقومهم جدلا و
اتمهم فراسۃ واصدقهم الهاما واحدهم بصرا ومکاشفۃ
واصوبهم سمعا ومخاطبۃ واعظمهم واحسنهم وجدا و
ذوقا وهذا هو للمسلمین بالنسبۃ الی سائر الامم ولاهل السنۃ
والحدیث بالنسبۃ الی سائر الملل (نقض المنطق لابن تیمیہ ص۸)

دوسرے فرقے جن جن چیزوں میں کمال رکھتے ہیں اہل حدیث کو ان سب میں
وہ امتیازی شان حاصل ہے جو دوسروں کو نہیں کیونکہ ان سے لڑنے والے
ان دوسرے طریقے سے پیش آتے ہیں (جو ان کی دلیل ہے یعنی قرآن
وحدیث اس سے نہیں بلکہ) مثلاً عقل قیاس رائے کلام نظر استدلال مناظرہ مجادلہ
مکاشفہ مخاطبہ وجد اور ذوق ایسی اور چیزیں اور اہل حدیث کو ان چیزوں کی
معلومات میں بھی امتیازی شان حاصل ہے اور وہی سب لوگوں سے عقل میں زیادہ
کمال رکھنے والے قیاس میں عدل کرنے والے (کیونکہ اگر نص موجود ہوگی تو فہما اور نہ
ایسے کو فاسد ثابت کر دیں گے اور پاش پاش کر دیں گے) اور رائے میں زیادہ
مصیب (کیونکہ ان کی رائے نص سے ماخوذ ہوتی ہے) اور کلام میں مضبوط نظر میں

صحیح استدلال میں ہدایت والے جدل میں قائم فراست میں پورے، الہام میں سچے بصارت و مکاشفہ میں تیز سمع و خطاب میں باصواب، وجد و ذوق میں بلند اور بہتر، یہ حال جس طرح مسلمانوں کا بنسبت دوسری امتوں کے ہے اسی طرح اہل حدیث کا بنسبت دوسرے فرقوں کے ہے۔
بلکہ دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ

ان کل من زعم بلسان حالہ ومقالہ ان طائفۃ غیر اھل الحدیث ادرکوا من حقائق الامور الباطنیۃ فی امر الخلق والبعث والمبدء والمعاد وامر الایمان باللہ والیوم الآخر وتعرف واجب الوجود والنفس الناطقۃ والعلوم والاخلاق التی تنزکی بھا النفوس وتصلح وتکمل دون اھل الحدیث فھو ان کان من المؤمنین بالرسل فھو جاھل فیہ شعبۃ قویۃ من شعب النفاق والا فھو منافق خالص (نقض المنطق ص ۱۱)

جو بھی شخص یہ گمان رکھتا ہے کہ امور خلق و بعث و مبدا و معاد اور اللہ و آخرت پر ایمان واجب الوجود تعالیٰ کی معرفت اور نفس ناطقہ علوم و اخلاق جس سے نفس کا تزکیہ اور اصلاح و تکمیل ہوتی ہے۔ ان میں اہل حدیث کے علاوہ کوئی اور فرقہ ان کے حقائق غیبیہ تک پہنچا ہے جہاں اہل حدیث نہیں پہنچے تو وہ شخص اگر اللہ کے رسولوں پر ایمان رکھتا ہے تو بھی جاہل ہے اور اس میں نفاق کا ایک پختہ شعبہ ہے اور اگر ایمان نہیں تو پھر پکا منافق ہے۔

قولہ ص ۲۶ س ۱۷ ''کیا وہ خود امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مقلد نہیں''۔ الخ

اقول:۔ حافظ ابن قیمؒ نے توا علام الموقعین میں کئی اوراق تقلید کی تردید میں صرف کیے ہیں ذیل میں ہم چند اقتباسات ذکر کرتے ہیں:

۱۔ اہلِ علم کا اجماع ہے کہ مقلد علماء میں شمار نہیں ہوتا ہے ص۷ ج ۱

۲۔ تقلید علم نہیں ہے۔ مقلد کو عالم کا نام نہیں دیا جاسکتا ہے اور فتویٰ بالتقلید حرام ہے ص۴۵ ج ۱۔

۳۔ تقلید دین میں جرأت عظیمہ ہے ص۲۵۶ ج ۱۔

۴۔ انصاف پسند علم کو تقلید سے زیادہ پسند کرے گا ص۲۸۱ ج ۱

۵۔ مقلد ہدایت پر نہیں ہوسکتا ہے ص۱۷۰ ج ۲۔

۶۔ تقلید و اتباع میں فرق ہے اور تقلید بلا دلیل ہوتی ہے اور قرآن کریم میں کئی جگہ تقلید کی مذمت وارد ہے ص۱۷۱ ج ۱۔

۷۔ حدیث کے جمع کرنے والے سب تقلید کو فاسد کہتے ہیں اور علماء کے پاؤں پھسلنے کا یہی باعث ہے ص۱۷۳ ج ۲۔ اور اسی اثنا میں بعض سلف مثلاً معاذ ابن مسعود وغیرہ رضی اللہ عنہم سے تقلید کی تردید نقل کرتے ہیں اور ساتھ دلائل عقلیہ سے بھی تقلید کو باطل کرتے ہیں۔

۸۔ مقلد اور بہیمہ میں کوئی فرق نہیں ص۸ ج ۲

۹۔ تقلید کے فاسد ہونے پر ائمہ کا اختلاف نہیں ہے ص۱۸۰ ج ۲۔

۱۰۔ چاراماموں نے تقلید سے منع کیا ہے اور بغیر دلیل کسی کی بات لینے کی مذمت کی ہے ص۱۸۱ ج ۲ پھر ان کے اقوال نقل کیے ہیں۔

۱۱۔ مقلد اور صاحب حجت کا دلچسپ مناظرہ نقل کرتے ہیں ص۱۸۲ ج ۲۔ اور اسی اثنا میں یہ

باتیں آتی ہیں۔

۱۲۔ قرآن اور حدیث سے استدلال کرنا مقلد کا منصب نہیں ص۱۸۷ ج ۲

۱۳۔ مقلدین اپنے اماموں کے بھی خلاف ہیں کیونکہ انھوں نے تقلید سے منع کیا ہے اور یہ ان کے خلاف کرتے ہیں ص۱۸۸ ج ۲۔

۱۴۔ صحابہؓ یا تابعین کے زمانہ میں کوئی مقلد نہ تھا اور یہ بدعت چوتھی صدی جو مذموم ہے اس میں نکلی ہے اور مقلدین بلا علم اشیاء کو حلال و حرام کرتے پھرتے ہیں ص۱۸۹ ج ۲

۱۵۔ مقلدین وہ روایت لیتے ہیں جو ان کے مذہب کے خلاف نہ ہو اور اس کی صحت و سقم کی کوئی پرواہ نہیں کرتے ایک ہی حدیث میں جو ٹکڑا موافق ہو لیتے ہیں اور جو مخالف ہو اس کو ترک کرتے ہیں ص۱۹۶ ج ۲۔ پھر اس کی مثال ذکر کرتے ہیں

۱۶۔ اللہ تعالےٰ نے ہم کو تقلید کے لیے مجبور نہیں کیا اگر کرتا تو ہمارے سارے کام بگڑ جاتے اور ہم بڑے فساد میں پڑ جاتے بلکہ ہر ایک کو حسب طاقت اجتہاد کا حکم ہے اور مشاہدہ سے ثابت ہوا ہے کہ اصلاح اجتہاد میں ہے اور تقلید سے فساد اور زیادہ ہوتا ہے ص۲۳۷ ج ۲۔

۱۷۔ تقلید کی منع ہم نے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے لیے کی ہے ص۲۵۰ ج ۲۔ اسی اثناء میں بعض مسائل ایسے ذکر کرتے ہیں جو بعض کبار صحابہؓ پر مخفی رہے۔

۱۸۔ پھر وہ صریح احادیث نقل کرتے ہیں جن کو مقلدین نہیں مانتے۔ ص۲۷۵ ج ۲۔

کیا ان تصریحات کے ہوتے ہوئے امام ابن قیمؒ کو مقلد کہا جا سکتا ہے؟ حاشا وکلا بلکہ امام موصوف نے تقلید کے رد میں مستقل کتاب بنام ذم التقلید تصنیف کی ہے۔

اور امام ابن تیمیہؒ کو مقلد کہنا بھی بچند وجوہ غلط ہے:

اول۔ جس نے اس کی تصنیفات کا مطالعہ کیا ہے۔ وہ بخوبی اندازہ کر سکتا ہے کہ امام موصوف تقلیدی جکڑ سے بہت دور تھے۔

دوم خود امام صاحب نے اپنے مقلد ہونے کا صاف انکار کیا ہے۔ چنانچہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ

ولقد انكر بعض المقلدين على شيخ الاسلام فى تدريسه فى مدرسة ابن الحنبل وهى وقف على الحنابلة والمجتهد ليس منهم فقال انما اتناول ما اتناوله منها على معرفتى بمذهب احمد لا تقليدى له (اعلام الموقعين ص۲۴۲ ج ۲)

"بعض مقلدین نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے ابن الحنبلی کے مدرسہ میں درس دینے کو برا سمجھا کیونکہ یہ مدرسہ حنابلہ کے لیے وقف ہے اور مجتہد حنابلہ میں سے نہیں۔ اس پر امام صاحب نے فرمایا کہ حنابلہ کی بعض باتیں اس لیے لیتا ہوں کہ میں امام احمد رح کے مذہب کی بابت اچھی معرفت رکھتا ہوں نہ کہ میں امام احمد رح کا مقلد ہوں"

سوم۔ امام صاحب بذات خود حنبلی وغیرہ نسبتوں کے قائل نہیں تھے (حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ مصنفہ محمد بہجۃ البیطار ص۳۲)

چہارم۔ امام صاحبؒ کا خود بیان ہے کہ

"امام احمد بن حنبل رح تو کتاب و سنت اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو لوگوں تک پہنچانے والوں میں سے ایک فرد ہیں۔ اگر کوئی شخص ایسی

بات کہے جس کی سند اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت میں نہیں ہے تو پھر وہ کسی طرح بھی قبول نہیں کی جاسکتی چاہے وہ امام احمد بن حنبل رح ہی کا کہا ہوا کیوں نہ ہو" (امام ابن تیمیہ رح مصنفہ محمد یوسف کوکن عمری ص۲۰۲)

اس تصریح سے عیاں ہوا کہ امام موصوف بالکل آزاد مجتہد تھے۔

پنجم۔ جب آپ کو بوجہ بعض عقائد و مسائل کے تکالیف کا سامنا ہوا تو اس وقت آپ کو کہا گیا کہ

"مخالفین کے دلوں میں اپنی جماعت کا تعصب اتنا ہے کہ بر سرِ عام اپنے مقتداؤں کے اقوال کے خلاف کسی دلیل کو بھی ماننے کے لیے تیار نہ ہوں گے اس لیے اگر امام موصوف یہ مان جائیں کہ انھوں نے امام احمد بن حنبل رح اور ان کے پیروؤں کا عقیدہ لکھا ہے تو مخالفین کی مخالفت ختم ہو جائے گی اور مسلمان بھی اس کشمکش اور فتنہ و فساد سے جو اس وقت انہیں ہیجان میں ڈالے ہوئے ہے نجات پا جائیں گے۔ اور اس طرح تمام علماء کی عزت بھی باقی رہ جائے گی۔ امام ابن تیمیہ رح نے کہا اللہ کی قسم عقائد اور اعمال و افعال کے معاملہ میں امام احمد بن حنبل کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ میں نے درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ اور تابعین اور تمام ائمۂ اہل حدیث اور علماء سلف کا عقیدہ لکھا ہے۔" (امام ابن تیمیہ رح مصنفہ محمد یوسف کوکن ص۲۱۰)

ششم۔ کئی علماء اور مؤرخین نے آپ کے مجتہد ہونے کی تصریح کی ہے۔ مثلاً۔ حافظ ذہبی رح نے تذکرۃ الحفاظ ص۲۷۸ ج ۴ طبع ۲ میں اور حافظ ابن کثیر رح نے تاریخ البدایہ والنہایہ۔ (قلمی ص۲۸ ج ۱۴) میں اور حافظ ابن حجر رح نے التقریظ علی الرد الوافر ص۸ میں اور جلال الدین سیوطی رح نے

طبقات الحفاظ (قلمی) میں اور ابن العمادی نے شذرات الذہب ص۸۰ ج ۶ میں اور امام شوکانی رح نے البدر الطالع ص۶۳ ج ۱ میں نواب صدیق حسن خان نے التاج المکلل ص۴۲۶ میں اور شیخ تقی الدین سبکی نے کما فی الدرر الکامنۃ لابن حجر ص۱۵۹ ج ۱۔ والتاج المکلل النواب ص۴۲۵ اور شیخ بدر الدین عینی نے حنفی التقریظ علی الرد الوافر ص۸۵ میں عبد الرحمن تفہنی المالکی تقریظ ص۸۳ میں۔ صفی الدین بخاری نابلسی حنفی نے القول الجلی ص۱۲ میں مفتی الحنفیۃ محمد التفلانی تقریظ القول الجلی ص۱۳۷ میں شیخ موسیٰ بن یوسف الحرمی نے الکواکب الدریۃ فی مناقب ابن تیمیہ ص۱۳۸ میں شیخ شہاب الدین احمد بن فضل العمری نے مسالک للابصار میں کما فی الکواکب الدریۃ ص۱۴۷ والتاج المکلل ص۴۲۱ شیخ سراج الدین ابو حفص عمر بن علی البزاز کتاب الا علام العلیۃ میں کما فی الکواکب ط۱۴۹ علامہ عبد الحی لکھنوی حاشیہ النافع الکبیر ص۱۲۲ میں اسی طرح شیخ ابن ناصر الدین الرد الوافر علی من زعم ان من سمی ابن تیمیہ شیخ الاسلام کافر" میں بھی آپ کو مجتہد ثابت کیا ہے۔ بلکہ کئی ائمہ سے نقل کیا ہے۔ مثلاً شیخ شمس الدین ابن عبد الہادی شیخ ابن الدین الوانی شیخ ابو المعال ناصر الدین محمد بن طغریل ابن الصیرفی شیخ کمال الدین ابن الزملکانی شیخ ابو العباس احمد بن ابراہیم بن محمود الزبیری المقدسی البقاعی شیخ ابو محمد محب الدین عبد اللہ بن احمد بن المحب القدسی الصالحی شیخ ابن رجب البغدادی الدمشقی شیخ صفی الدین ابو الفضائل عبد المؤمن بن عبد الحق البغدادی شیخ علاؤ الدین ابو الحسن علی بن محمد بن العباس البعلی شیخ کمال الدین ابو حفص عمر بن الیاس بن یونس المراغی امیر کبیر شمس الدین قراسنقر بن عبد اللہ المنصوری ان سب نے شیخ الاسلام کے مجتہد ہونے کی تصریح کی ہے۔ اسی طرح حافظ ابن حجر رح نے الدرر الکامنۃ میں حافظ صلاح الدین العلائی سے بھی ذکر کیا ہے۔

منفتم۔ حافظ ابن حجر رح نے الرد الوافر پر تقریظ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "ان ائمۃ عصرہ شہدوا لہ بان ادوات الاجتہاد فیہ حتی کان اشد المتعصبین علیہ

والعاملين فی ايصال الشر اليه وهو الشيخ كمال الدين الزملكانی
شهد له بذالك وكذالك الشيخ صدر الدين بن الوكيل الذی لم
يثبت لمناظرته غيره اھ۔

اور الرد الوافر صفہ۳ میں الزملکانی کا قول مذکور ہے کہ اجتمعت فيه شروط الاجتهاد على
وجهها اھ اور علامہ لکھنوی حاشیہ النافع الکبیر ص۱۲ میں لکھتا ہے کہ وکان يحق له الاجتهاد
لاجتماع الشروط فيه اھ ان عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ امام موصوف میں اجتہاد کے سب شرائط
موجود تھے۔ اور اس کے ہمعصر ائمہ نے بالخصوص شیخ زملکانی جو کہ آپ کے ساتھ سخت تعصب رکھنے
والا اور نقصان پہنچانے میں کوشاں تھا۔ اور شیخ صدر الدین بن وکیل جس کے بغیر آپ کے
سامنے کوئی مناظرہ میں ٹھہر نہیں سکتا تھا سب نے آپ کے مجتہد ہونے کی گواہی دی ہے۔ پس
ایسے شخص کو تقلید کی کیا ضرورت تھی؟

الغرض ان ہستیوں کو مقلد کہنا کھلی نادانی ہے۔

قولہ ص۲۸ ر ا "تعجب ہے کہ حضرات اہل حدیث امام بخاری کو مجتہد بتلائیں اور
منکر قیاس بھی" الخ

اقول:۔ اجتہاد قرآن وحدیث سے مسائل نکالنے کو کہتے ہیں نہ کہ قیاس ورائے کو۔
ابن مسعودؓ ودیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اسی طرح ابن سیرین شعبی وغیرہ تابعین منکر قیاس تھے۔
کما تقدم کیا وہ بھی مجتہد نہیں تھے؟ آپ ص۹۹ میں داؤد ظاہری کو مجتہد مانتے ہیں حالانکہ وہ بھی
قیاس کا منکر تھا۔ جیسا کہ ص۹۶ پر خود تسلیم کرتے ہیں۔ نیز علامہ لکھنوی نے بھی النافع الکبیر ص۱
میں امام بخاری کو مجتہد مستقل مانا ہے۔

قولہ ص۲۸ س۳ "رائے محمود اور قیاس صحیح کی حجیت پر تمام علماء اہلسنت والجماعۃ کا

اجماع ہے۔"

اقول :۔ اجماع کا دعویٰ غلط کر دیا گیا۔ نیز محمود غیر محمود اور صحیح وغیر صحیح کی تمیز آپ نہ کر سکے۔

قولہ ص۱۴ س۵ " اور داؤد ظاہری اور ان کے متبعین جن کو فرقہ ظاہری کے نام سے موصوف کیا جاتا ہے کوئی قیاس کا منکر نہیں "

اقول :۔ ص۳۶ س۱ میں خود فرماتے ہیں کہ

" ۲۰۲ھ میں داؤد ظاہری ظاہر ہوئے جنہوں نے سب سے پہلے قیاس کا انکار کیا کچھ لوگ ان کے متبع ہوئے "

اب بتائیں کہ ان دو متضاد باتوں میں کون سی سچی اور کون سی جھوٹی ؟

قولہ ص۱۴ س۸ " امام ابو حنیفہ رح فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کے دین میں اپنی رائے سے بات کہنے سے بچو اور سنت کا اتباع کرو "

اقول :۔ پھر آپ اپنے امام کے خلاف رائے وقیاس کا اتباع کیسے کرتے ہیں اور دوسروں کو ترغیب کیوں دلاتے ہیں۔ نیز امام صاحب کے اس قول سے ظاہر ہوا کہ اتباع سنت اور چیز ہے اور پیروی قیاس ورائے اور ۔ والحمد للہ۔

قولہ ص۱۴ س۱۱ " پس جب امام موصوف یہ فرما رہے ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اس کے مرتکب ہوں "

اقول : آپ ہی کہتے ہیں کہ وہ رائے وقیاس کرتے تھے۔ نیز بقول شما " بھلا جس کے پاس اجتہاد نہ ہو اور نہ وہ صاحب رائے ہو تو مجتہد کیسے ہو سکتا ہے " ص۱۴ س۲ ؎

مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے ۔۔۔ آئینہ دیکھئے گا ذرا دیکھ بھال کے

قولہ ص۱۲ سطر۱۲ لقب اصحاب الرای" الخ

اقول: عجیب ہے کہ اس عنوان کے تحت ایک جھوٹی روایت سے استدلال کیا ہے۔ لوگوں نے دیکھ لیا کہ آپ کو اپنی بات ثابت کرنے کے لیے جھوٹی روایتوں کے سوا کوئی سہارا نہیں ملتا ہے۔ یہی ہے جناب تقلید کا نتیجہ کہ صرف کنز العمال کا نام لے لیا اور اصل کتاب طبقات ابن سعد جس کا اس میں حوالہ ذکر کیا ہے۔ اس کو نہیں دیکھا۔ ورنہ اگر وہاں دیکھتے تو نقل کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔ سنو یہ روایت طبقات ابن سعد ص۱۸۵ ج۳ طبع بیروت میں اس سند کے ساتھ مروی ہے "اخبرنا محمد بن عمر السلمی قال اخبرنا جاریۃ بن ابی عمران عن عبدالرحمن بن القاسم عن ابیہ ان ابا بکر الصدیق فذکرہ" اور ابن سعد کا استاد محمد بن عمر یہ واقدی ہے جو کہ جھوٹی حدیثیں بنانے میں مشہور ہے۔

قال زکریا بن یحیی الساجی ... متہم ... وقال البخاری متروک وقال احمد بن حنبل کذاب وقال ابن معین ضعیف وقال مرۃ لیس بشیء .... وقال الشافعی فیما اسندہ البیہقی کتب الواقدی کلہا کذب وقال النسائی الکذابون المعروفون بالکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربعۃ الواقدی (وذکر الباقین) فقال ابن عدی احادیثہ غیر محفوظۃ والبلاء منہ وقال ابن المدینی عندہ عشرون الف حدیث یعنی مالہا اصل لیس بہو صتم للروایۃ وابراھیم بن ابی یحیی کذاب وھو احسن عندی حالا من الواقدی وقال ابوداؤد ولا اکتب حدیثہ ولا أحدث عنہ ما اشک انہ کان یفتعل الحدیث لیس ننظر للواقدی فی کتاب الا بین امرہ وروی فی فتح الیمن وخبر العنسی احادیث عن الزھری لیست من حدیث الزھری وقال بندار رمارأیت اکذب منہ وقال اسحاق بن راھویہ ھو

عندی ممن یضع وقال ابراهیم عن الشافعی کان بالمدینۃ سبعۃ رجال یضعون الاسانید احدھم الواقدی وقال ابوزرعۃ وابوالبشر الدولابی والعقیلی متروک الحدیث.... وحکی ابن الجوزی عن ابی حاتم کان یضع (تہذیب ص ۳۶۳، ۳۶۴ ج ۹)

زکریا الساجی نے کہا واقدی متہم ہے اور بخاری نے کہا متروک ہے اور امام احمد بن حنبلؒ نے کہا جھوٹا ہے اور ابن معین نے کہا ضعیف ہے کوئی چیز نہیں۔ اور امام شافعی نے کہا کہ واقدی کی سب کتابیں جھوٹ ہیں۔ نسائی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنے والے مشہور چار شخص ہیں جس میں ایک واقدی ہے اور ابن عدی نے کہا کہ اس کی روایتیں غیر محفوظ ہیں اور ان کی مصیبت اس کے ہاتھوں سے ہوئی ہے۔ ابن المدینی نے کہا اس کے پاس بیس ہزار روایتیں بے اصل اور بناوٹی ہیں۔ یہ روایت لینے کا اہل نہیں۔ ابراہیم بن ابی یحییٰ مشہور جھوٹا اس سے کہیں بہتر ہے۔ ابوداؤد نے کہا اس کی روایت میں نہ لکھوں گا نہ لوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ حدیثیں گھڑتا ہے۔ جب اس کی کوئی کتاب دیکھتے ہیں تو اس کا حال ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس نے یمن کی فتح اور اسود عنسی کے متعلق زہری سے روایتیں بیان کیں لیکن وہ زہری کی حدیثیں نہیں۔ محمد بن بشار بندار نے کہا اس سے زیادہ جھوٹا میں نے نہیں دیکھا اسحاق بن راہویہ نے کہا یہ حدیثیں بنانے والوں میں سے ہے۔ امام شافعیؒ نے کہا مدینہ میں سات لوگ سندوں کے گھڑنے والے تھے۔ ان میں ایک واقدی ہے اور ابوزرعہ رازی، دولابی اور عقیلی نے کہا متروک الحدیث (متہم) ہے۔ اور ابوحاتم رازی نے کہا یہ حدیثیں گھڑتا تھا۔

اور شذرات الذہب ص ۱۸ ج ۲ میں ہے کہ

اجمع الائمۃ علی ترک حدیثہ۔ قال الذھبی فی کتابہ المغنی .... مجمع علی ترکہ.... وقال النسائی یضع الحدیث اھ مختصرا۔

ابن ناصرالدین نے کہا کہ اس کی روایت کو ائمہ نے بالاتفاق ترک کر دیا ہے۔

اور حافظ ذہبیؒ نے المغنی میں کہا کہ اس کے ترک پر اجماع ہے۔ اور نسائی نے کہا حدیثیں گھڑتا ہے۔

اور حافظ ذہبی میزان الاعتدال ص۱۱۰ ج ۳ میں کہتے ہیں کہ

استقر الاجماع علی وھن الواقدی۔ واقدی کے ضعیف ورد کرنے پر اجماع ثابت ہو چکا ہے۔

پس اس روایت کے جھوٹے ہونے میں کیا شبہ باقی رہا ایسے جھوٹے شخص کی روایت کو سند بنانا علماء کو زیبا نہیں۔ نیز واقدی کا استاد جاریہ بن ابی عمران کے متعلق بھی حافظ ذہبی میزان ص۱۹۰ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ مجہول ہے۔ پس یہ روایت باطل ہے۔

قولہ ص۴۸ س۱۳" اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ اہل الرای" الخ

اقول:۔ جب یہ روایت ہی جھوٹی ہے تو پھر یہ تقریر بھی بیکار رہی۔

قولہ:۔ ص۴۸ س۱۳" اہل حدیث تو تمام صحابہؓ تھے" الخ

اقول:۔ یہ بات مدلل وثابت ہے۔ امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ

لو استقبلت من امری ما استدبرت ماحدثت الا ما اجمع علیہ اھل الحدیث (تذکرۃ الحفاظ للذھبی ص۸۰ ج ا طبع ۲)

جو بات مجھے اس وقت خیال میں ہے اگر پہلے ہوتی تو صرف وہی حدیثیں بیان کرتا جن پر اہل حدیث کا اجماع ہے۔

ناظرین! امام شعبیؒ کے اجماع اہل حدیث سے صحابہؓ اور تابعین مراد ہیں کیوں کہ اس کے وہی اساتذہ ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ اہل حدیث پہلی اور نبوی جماعت ہے لیکن ان کو

اہل الرای کہنا کہیں ثابت نہیں بلکہ مصنف رسالہ نے اس کی بنیاد ایک بناوٹی روایت پر رکھی ہے اعاذھم اللہ من ذالک۔

نیز اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ اہل حدیث کو نئی جماعت کہنا یا لقب اہل حدیث پر اعتراض کرنا عدم علمی کے باعث ہے یا محض تعصب ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ نبوی جماعت اور صحابہؓ کے طریق پر چلنے والی یہی ہے اور حنفی شافعی مالکی حنبلی اور جعفری ان جماعتوں کی کوئی اصل نہیں ملتی۔ ایضاً ہر ایک حسب حال فتویٰ دیتا رہتا تھا۔ اور کوئی ایک لقب اہل الرای سے یاد نہیں کیا گیا۔ بلکہ اہل الرای سے ان کو نفرت تھی اور امیر عمر رضی اللہ عنہ تو اصحاب الرائی کو اعداء السنن (سنتوں کے دشمن) بتاتے ہیں۔ کذا فی اعلام الموقعین ص۵۵ ج ۱)

قولہ ص۱۲ س۱۵ بعد میں یہ لقب ابو حنیفہ رح اور آپ کے اصحاب کا ہو گیا۔

اقول:۔ یہ لقب ان کو اس وقت ملا جب قیاس ورائے کا رواج شروع ہوا۔ خود آپ ص۱۲ س۱۱ میں قیاس ورائے کا موجد و واضع امام ابو حنیفہ رح بتاتے ہیں۔ کما سیأتی ان شاء اللہ و اہل الرائے کے لقب کی وجہ یہ ہے کہ

کان الحدیث قلیلا فی اھل العراق لما قدمنا فاستکثروا من القیاس ومھروا فیہ فلذالک یقال لھم اھل الرائی (مقدمہ ابن خلدون ص۳۵۲)

چونکہ عراق والوں کے پاس حدیث بالکل تھوڑی تھی لہذا انھوں نے زیادہ قیاس اور رائے کو استعمال کیا اور اسی میں ماہر ہوئے اسی وجہ سے ان کو اہل الرای کہا جاتا ہے۔

اور علامہ جزری فرماتے ہیں کہ

والمحدثون یسمون اصحاب القیاس اصحاب الرائی یعنون انھم یأخذون

برأيهم فيما يشكل من الحديث او ما لم يأت فيه الحديث ولا اثر

النهاية فى غريب الحديث ص۵ ج ۲ مصری۔

محدثین قیاس کرنے والوں کو اہل الرائی کہتے ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ انکو جہاں حدیث سمجھ میں نہ آئی یا نہ ملی تو اپنی رائے سے کام لیا۔

ثابت ہوا کہ محدثین نے یہ لقب دینے میں ان کی مدح نہیں کی بلکہ رائے وقیاس کے استعمال کرنے کی وجہ سے اور شاہ ولی اللہ اہل الرائی کا تعارف اس طرح کراتے ہیں کہ

لا یکرھون المسائل ولا یھابون الفتیا ویقولون علی الفقہ بناء الدین فلابد من اشاعتہ ویھابون روایۃ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والرفع الیہ (حجۃ اللہ البالغہ ص۱۵۱ ج ۱)

مسائل بیان کرنے میں کوئی برائی محسوس نہیں کرتے اور فتوی دینے سے خوف نہیں کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ دین کی بنیاد فقہ پر ہی ہے۔ اس واسطے اس کی اشاعت ضروری ہونی چاہیے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث روایت کرنے میں اور آپ تک سلسلہ روایت پہنچانے میں خوف محسوس کرتے تھے۔ (النعمۃ اللہ السابغہ ترجمہ حجۃ البالغہ مصنفہ شیخ عبدالحق صدیقی حنفی ص۳۵۲ ج ۱ اصح المطابع)

مطلب یہ ہے کہ اہل الرائی کی فقہ حدیث پر بالکل کم مبنی ہے اس لیے امام ابن خلدون نے مقدمہ ص۴۴۶ میں اہل حدیث کی فقہ اور ان کے استنباط کی طریقہ ان سے الگ بتاتے ہیں۔ اسی طرح شاہ ولی اللہ بھی حجۃ اللہ ص۱۵۰ ج ۱ میں اہل حدیث کا طریق فقہ یہ بتاتے ہیں کہ

مھد وا لفقہ علی ھذا القواعد فلم تکن مسألۃ من المسائل التی تکلم

فیھا من قبلھم والتی وقعت فی زمانھم الا وجد ھا فیھا حدیثا مرفوعا متصلا او مرسلا او موقوفا صحیحا او حسنا او صالحا للاعتبار او وجد وا اثرا من آثار الشیخین او سائر الخلفاء وقضاۃ الامصار وفقھاء البلدان او استنباطا من عموم او ایماء او اقتضاء فیسر اللہ لھم العمل بالسنۃ علی ھذا الوجہ۔

انہی قواعد (جو کہ اوپر ذکر ہوئے) پر فقہ کو مرتب کیا اور ہر ایک مسئلہ نئے خواہ پرانے کے لیے ان کو کوئی نہ کوئی حدیث یا اثر مل گیا۔ اسی طرح ان کے لیے سنت پر عمل کرنا آسان ہو گیا۔

ثابت ہوا کہ فقہ اہل حدیث کا طریق اور ہے اور فقہ اہل الرائی اور

قولہ ص۳۵۹ س۱۷ الخ جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرات محدثین کے نزدیک فتویٰ اصحاب الرای کا معتبر تھا۔

اقول: جب دونوں کی فقہ اور طریق استدلال الگ ہوا پھر یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ اہل حدیث صرف قرآن و حدیث سے استنباط کرتے ہیں اور اہل الرائی قیاس ورائے سے اخذ کرتے ہیں اور ان کے پاس حدیثیں بالکل تھوڑی تھیں بلکہ احادیث روایت کرنے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے تو پھر دونوں کا طریقہ ایک کیسے ہو سکتا ہے اور محدثین اہل الرای کے فتوی کو معتبر سمجھیں یا اس پر عمل کریں۔ اس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے اور لکھنوی بھی "النافع الکبیر" ص۱۸ میں تصریح کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رح کے مذہب میں نسبت اور آئمہ کے قیاس زیادہ پایا جاتا ہے اور ان کو حدیثیں بہت تھوڑی پہنچیں ثانیاً اہل حدیث نے بے شک ان کو لقب اہل الرائی دیا لیکن اس کا سبب بھی معلوم ہو گیا ثالثاً وہ ان کی رائی کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ ذیل میں کچھ حوالہ جات

ذکر کیے جاتے ہیں۔

۱۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ

سکتوا عنه وعن رأيه وعن حديثه (التاریخ الکبیر للبخاری ص۸۱ ج۴ قسم ۲)

محدثین نے امام ابوحنیفہ رح اور اس کی رائے اور اس کی حدیث سے سکوت یعنی اس کو ترک کیا ہے۔

۲۔ امام احمد بن حنبل امام ابوحنیفہ رح کے متعلق فرماتے ہیں کہ :۔

رأيه مذموم وحديثه لا يذكر (الضعفاء للعقیلی ص۲۶۲ ج۲ قلمی)

ان کی رائے مذموم ہے اور ان کی روایت قابل ذکر نہیں۔

۳۔ عبداللہ بن نمیر فرماتے ہیں کہ

ادركت الناس ما يكتبون بحديث ابي حنيفة فكيف الرأى

(الضعفاء للعقیلی ص۲۶۲ ج۲ قلمی)

میں نے لوگوں (محدثین) کو دیکھا کہ امام ابوحنیفہ رح کی رائے تو کجا اس کی حدیث بھی نہیں لکھتے تھے۔

۴۔ شرف اصحاب الحدیث للخطیب ص۷۵ میں ہے کہ

عن عبد الله بن احمد بن شيرويه قال سمعت ابى يقول من اراد علم القبر فعليه بالآثر ومن اراد علم الخبز فعليه بالرأى....

وعن يونس بن سليمان السقطى قال نظرت فى الامرفاذا هو الحديث والرأى فوجدت فى الحديث ذكر الرب تعالى وربوبيته وجلاله وعظمته وذكر العرش وصفة الجنة والنار وذكر النبيين والمرسلين

والحلال والحرام والحث على صلة الارحام وجامع الخير فيه ونظرت
فى الرأى فاذا فيه المكر والغدر والحيل وقطيعة الارحام و
جماع الشر فيه۔

ابن شبویہ نے کہا کہ جو شخص قبر میں کام آنے والا علم سیکھنا چاہے وہ حدیث پڑھے اور جو صرف خبر کا ارادہ رکھتا ہو وہ رائے و قیاس سیکھے اور یونس بن سلیمان سقطی نے کہا کہ میں نے خوب غور کیا تو دو چیزیں پائیں۔ حدیث اور رائے۔ حدیث میں تو اللہ رب العالمین اور اس کی ربوبیت جلال و عظمت کا ذکر پایا۔ عرش جنت و دوزخ اور نبیوں اور رسولوں کا اور حلال و حرام یعنی کونسی چیز حلال اور حرام ہے اور اس کے ثواب و عقاب کا بھی ذکر پایا۔ صلہ رحمی اور ہر طرح کی بھلائی بھی اس میں پائی لیکن رائے و قیاس میں مکر حیلہ دھوکا بازی پائی اور قطع رحمی اور ہر طرح کی برائیاں اس میں پائیں۔

۵۔ امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ

نبذوا كتاب الله وسنن رسول الله صلى الله عليه وسلم ولزموا القياس

تاویل مختلف الحدیث لابن قتیبہ ص۶۵۔

اہل الرائے نے کتاب اللہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو پھینک دیا اور قیاس و رائے کو پکڑ لیا۔

۶۔ خود امام ابن قتیبہ کا اپنا قول اوپر ذکر ہوا۔

۷۔ تاریخ بغداد ص۱۲۸۔ ج ۱۳ میں محمد بن یوسف الفریابی سے مروی ہے کہ

سمعت الثوری ینھی عن مجالستہ ابی حنیفہ واصحاب الرائی۔
میں نے امام سفیان ثوری سے سُنا کہ اہل الرائے کی مجلس میں بیٹھنے سے منع کرتے تھے۔
اسی طرح عبدہ بن زیاد کے اشعار بھی اوپر گذرے کہ حدیث دن اور رائے و قیاس رات ہے اور سفیان بن عینیہ کا قول بھی گذرا کہ اہل الرائے نے سب کچھ بگاڑا ہے اور ابن القاسم کا فتویٰ بھی گذرا کہ رائے کی کتابوں کی تجارت جائز نہیں۔ ان کے علاوہ تاریخ بغداد میں اور کئی اقوال مذکور ہیں پس کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ اہل حدیث کے نزدیک اہل الرائے کا فتویٰ معتبر تھا۔

قولہ ص۴۸ س۱۹ " یحییٰ بن معین کا مقولہ ہے کہ " الرای رای ابی حنیفۃ " الخ
اقول:۔ یہ روایت تاریخ بغداد ص۳۴۷ ج۱۳ اور المناقب للموفق ص۳۱ ج۲ میں ان الفاظ کے ساتھ ہے۔
والفقہ فقہ ابی حنیفۃ علی ھذا ادرکت الناس۔ اور اس کی سند میں احمد بن عطیہ ہے جو دراصل احمد بن محمد بن الصلت بن المغلس الحمانی ہے (میزان ص۲۶ ج۱) جو مشہور کذاب اور بے شرم ہے۔ جس کا حال اوپر گذرا پس یہ روایت جھوٹی اور بناوٹی ہے۔ اس پر اعتماد درست نہیں بلکہ امام ابن معین امام ابو حنیفہ رحمہ کے حق میں فرماتے تھے کہ کان لیضعف فی الحدیث (الضعفاء للعقیلی ص۲۶۲ ج۲ قلمی)

قولہ ص۴۹ س۳ " اور امام شافعی کا مقولہ مشہور ہے۔
" الناس فی الفقہ عیال علی ابی حنیفۃ الخ
اقول:۔ اس قول پر بحث گذری کہ یہ ثابت نہیں ہے۔ فلیراجع

قولہ:۔ ص۹۴ س۵ " علامہ موفق نے اس کو نظم کیا ہے "۔

اقول:۔ جب روایت غیر صحیح ہوئی تو پھر یہ بھی غیر مقبول ہوا۔ نیز اشعار کی کوئی سند نہیں۔

ایضاً موفق خود معتبر شخص نہیں۔ کما سیاتی۔

قولہ ص۹۴ س۱۲ " ابو عنسان تمیمی فرماتے ہیں ؎

" وضع القیاس ابو حنیفہ کلہ " الخ

اقول:۔ یہ بھی اشعار ہیں نیز ان سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ قیاس کی بنیاد امام صاحب نے ڈالی اس سے پہلے نہیں تھا نہ صحابہؓ میں نہ تابعینؒ میں۔

قولہ:۔ ص۹۱ س۱۸ " سوید بن نصر جو امام ترمذی اور نسائی کے شیوخ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مبارک کو یہ کہتے ہوئے سنا

لا تقولوا رأی ابی حنیفہ ولکن قولوا تفسیر الحدیث کتاب المناقب للموفق ص۵ ج ۲ الخ۔

اقول:۔ بلاشک سوید بن نصر ترمذی و نسائی کے استاد ہیں۔ اسی طرح امام عبداللہ بن المبارک بھی کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ لیکن اس بات کا ان دونوں کو علم نہیں۔ ان پر گھڑی ہوئی ہے کیونکہ موفق نے یہ روایت بواسطہ ابو محمد الحارثی نقل کی ہے جو مشہور روایتیں گھڑنے والا ہے کما مر۔ یہ روایت اسی کی بنائی ہوئی ہے اور وہ قیس بن ابی قیس سے نقل کرتا ہے جو کہ مجہول ہے اس کا حال کہیں معلوم نہیں ہوتا ... بلکہ خطیب نے تاریخ بغداد ص۴۰۵ ج ۱۳ میں ابن مبارک کو امام صاحب پر تردید کرنے والوں میں شمار کیا ہے بلکہ امام محمد بن نصر مروزی نے قیام اللیل ص۱۲۳ میں لکھا ہے کہ

سمعت اسحاق بن ابراهیم یقول قال ابن المبارک کان ابو حنیفہ رحمۃ اللہ یتیما فی الحدیث اھ

میں نے اسحاق بن ابراہیم (ابن راہویہ) سے سنا کہ امام ابن مبارک فرماتے تھے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علم حدیث میں یتیم تھے۔

ناظرین! یہ سند بالکل سورج کی طرح روشن ہے۔ اس کے ناقل ائمہ ہیں۔ امام محمد بن نصر المروزی امام الفن مشہور اور اسحاق بن راہویہ کے خاص شاگردوں میں سے ہیں اور اسحاق تو مشہور امام اور شیخ الحدیث والفقہ ہے۔ ابن المبارک کے شاگرد ہیں۔ اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ موفق والی روایت جعلی ہے اور ابن المبارک پر جھوٹ ہے۔ اگر وہ امام صاحب کی رائے کو حدیث کی تفسیر سمجھتا ہوتا تو آپ کو یتیم فی الحدیث نہ بتاتا اور یہی روایت تاریخ بغداد ص۱۵۴ ج ۱۳ میں دو سندوں کے ساتھ ابن المبارک سے مروی ہے بلکہ ابن المبارک اہل الحدیث اور اہل الرائی کی شان اس طرح بیان کرتے ہیں کہ

الدین لاھل الحدیث والکلام والحیل لاھل الرائی والکذب للرافضۃ (المنتقی من منہاج الاعتدال للذہبی ص۴۸۰)

دین اہل حدیث کے لیے کلام اور حیلہ بازی اہل الرائی کے لیے اور جھوٹ رافضیوں کے لیے ہے۔

قولہ ص۵۰ سے "امام بخاری کا اہل الرای کی کتابوں سے استفادہ الخ"

اقول: یہ بالکل غلط ہے۔ اس نے اہل الرائی کی پوری تردید کی ہے۔ بالخصوص اس کی وہ عبارت جو تاریخ کبیر سے ہم نے نقل کی اس کی تکذیب کرتی ہے۔ ثانیاً ان عبارات جو کہ مقدمہ فتح الباری سے نقل کی گئی ان میں یہ نہیں ہے کہ اہل الرائی کی کتابوں سے استفادہ کیا بلکہ

یہ ہے کہ سب باتیں معلوم کر لیں کیونکہ جب تک انسان موافق مخالف کی بات معلوم نہ کرلے تو کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ امام بخاریؒ نے ان کی باتیں معلوم کرلیں جب ہی تو ان کی تردید کی کیونکہ ؎

چو در سفتہ باشد چہ داند کسے کہ جوہر فروش است یا ہیلہ ور

ثالثاً لفظ "عرفت کلام اہل الرائ" ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے ان کی باتوں کو اچھی طرح سمجھا اور دلائل کو پرکھ کر پھر ان کی تردید کی کیونکہ امام بخاری کی اہل الرائ کی تردید مشہور و مسلم ہے۔ رابعًا۔ اس عبارت "حفظت کتب ابن المبارک ووکیع وعرفت کلام ہؤلاء یعنی اصحاب الرائی" سے ظاہر ہے کہ ابن المبارک ووکیع اہل الرائ میں سے نہیں تھے۔ خامسًا ابن مبارک اور وکیع کی کتابوں پر "حفظت" (میں نے یاد کر لیا) کا لفظ بولا اور اہل الرائ کی کتابوں کے لیے کہا کہ "عرفت" (میں نے معلوم کر لیا) جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ امام بخاری دونوں کا فرق بتاتے ہیں کہ اول الذکر کو یاد کرتے ہیں کیونکہ ان میں صرف احادیث و آثار تھے اور ثانی الذکر یاد کرنے کے قابل نہیں کیونکہ وہ رائے و قیاس کا مجموعہ تھا اس کو صرف معلوم کرنے کی خاطر دیکھا اور ان کا طریقہ استدلال معلوم کیا اور دلائل سے اس کا قرب و بعد معلوم کیا۔

قولہ صفحہ ۱۳: "اہل الرای کی کتابوں کو دیکھنا اور سمجھنا نہایت ضروری تھا" الخ

اقول۔ اس لئے کہ اس کے دیکھے بغیر ان کی تردید ناممکن تھی۔

قولہ صفحہ ۱۳: "بغیر اس کے تدریس و تعلیم کے قابل نہیں۔"

اقول۔ یہ کس جملہ کا ترجمہ ہے؟۔

قولہ صفحہ ۱۵: "اور عبداللہ بن مبارک اور وکیع کی کتابوں کا حفظ کرنا ضروری ہے۔"

اقول:۔ کیونکہ ان میں صرف احادیث و آثار ہیں نہ کہ رائے و قیاس۔ اس لیے تو امام موصوف نے ان کے لیے "حفظت" اور اہل الرائی کے کلام کے لیے "عرفت" کہا۔

قولہ صفحہ ۱۶؎ ”اور محدثین اور فقہاء میں عبداللہ بن مبارک اور وکیع کا امام ابوحنیفہ رح کے تلامذہ خاص میں سے ہونا اور ان کے تفقہ کا شیدا اور دلدادہ ہونا معروف اور مسلم ہے۔“

اقول: باوجود تلامذہ ہونے کے ان کی سخت مخالفت کی۔ ابن مبارکؒ کے لیے امام ابن ابی حاتم نے ”الجرح والتعدیل ص۲۲۰ ج ۴ قسم میں فرمایا ہے کہ

ترکہ ابن المبارك باخرۃ سمعت ابی یقول ذالك

اخیر میں اس نے امام ابوحنیفہ رح کو چھوڑ دیا اسی طرح میں نے اپنے باپ (امام ابوحاتم الرازی) سے سنا۔

نیز ابن مبارک کے کچھ قول ابھی گذرے نیز ان کا یہ قول بھی ہے کہ

من نظر فی کتاب الحیل لابی حنیفہ احل ما حرم اللہ وحرم ما احل اللہ۔ (تاریخ بغداد ص۴۲۶ ج ۱۳)

امام ابوحنیفہ رح کی کتاب الحیل میں جو دیکھے گا وہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کرے گا۔

امام وکیع سے سنن ترمذی ص۱۱۱ ج ۱ باب ماجاء فی اشعار البدن میں مذکور ہے۔

سمعت یوسف بن عیسٰی یقول سمعت وکیعا یقول حین روی ھذا الحدیث فقال لا تنظروا الی قول اھل الرای فی ھذا فان الاشعار سنۃ وقولھم بدعۃ قال وسمعت اباالسائب یقول کنا عند وکیع فقال الرجل ممن ینظر فی الرائ اشعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و یقول ابوحنیفۃ ھو مثلۃ قال الرجل فانہ یروی عن ابراھیم النخعی انہ قال الاشعار مثلۃ قال

فرایت وکیعا غضبا شدیدا وقال اقول لک قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتقول قال ابراھیم ما احقک بان تحبس ثم لا تخرج حتی تنزع عن قولک ھذا

امام وکیع نے اشعار (قربانی کے اونٹ کو شگاف دینا) کی حدیث بیان کر کے کہا کہ اس بارے میں اہل الرائی کی بات نہ دیکھنا کیونکہ اشعار سنت ہے اور اہل الرای کا قول بدعت ہے نیز امام موصوف نے اہل الرائی میں کسی شخص سے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اشعار کیا ہے اور ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ اشعار مثلہ (جانور کو عیب دار بنانا) ہے اس شخص نے کہا کہ امام ابو حنیفہ رح نے تو ابراہیم نخعی سے نقل کیا ہے کہ اس نے اشعار کو مثلہ بتایا ہے۔ امام وکیع سخت غصّے ہوئے اور کہا کہ میں تم کو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سُنا رہا ہوں اور تم مجھے ابراہیم کا قول سُنا رہے ہو۔ تم جیل میں رکھنے کے حقدار ہو اور جب تک اس قول سے باز نہ آئے نہ نکالا جائے۔

ان اقوال سے ظاہر ہوا کہ دونوں (ابن المبارک اور وکیع) امام صاحب کی فقہ کے کس طرح دلدادہ تھے اور اہل الرای کو کیا سمجھتے تھے۔

قولہ صنہ ۵ سطر ۱۸ امام بخاری کے اس کلام سے یہ بھی معلوم ہوا کہ محدثین کی نظر میں اہل الرائی کی فقہ معتبر تھی۔" الخ

اقول:۔ اب اس کی حقانیت لوگوں نے دیکھ لی اور معلوم کر لیا کہ وہ ان کو کیا سمجھتے تھے

قولہ صلہ سطر ۲ بظاہر امام بخاری کو اہل الرای کی کتابوں کے مطالعہ کا داعیہ پیش آیا کہ اپنے اساتذہ اور استاذ الاساتذہ کو فقہ ابی حنیفہ رح کی مدح میں رطب اللسان پایا۔"

اقول :۔ داعیہ جو تھا ہم نے ذکر کر دیا اور امام بخاری کے اساتذہ نے جو امام ابو حنیفہ رح کی فقہ ورائے کے متعلق کہا ہے وہ آپ نے دیکھ لیا۔ ائمہ احمد، مالک، شافعی، ابن عیینہ، سفیان ثوری ابن مبارک۔ وکیع، اسحاق بن راہویہ سب کے اقوال گذر رہے۔ مزید تفصیل کے لیے تاریخ بغداد للخطیب میں آپ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔ ایک جگہ خطیب نے امام ابو العباس احمد بن علی بن مسلم الابار سے نقل کرتے ہیں کہ

قال ذکر القوم الذین ردوا علی ابی حنیفۃ ایوب السختیانی و جریر ابن حازم وھمام بن یحیی وحماد بن سلمۃ وحماد بن زید وابو عوانۃ وعبد الوارث وسوار العنبری القاضی ویزید ابن زریع وعلی بن عاصم ومالک بن انس وجعفر بن محمد وعمر بن القیس وابو عبد الرحمن المقری وسعید بن عبد العزیز والاوزاعی و عبد اللہ بن المبارک وابو اسحاق الفزاری ویوسف بن اسباط ومحمد بن جابر وسفیان الثوری وسفیان بن عیینۃ وحماد بن ابی سلیمان وابن ابی لیلی وحفص بن غیاث وابو بکر بن عیاش و شریک بن عبد اللہ ووکیع بن الجراح ورقبۃ بن مصقلۃ والفضل بن موسی وعیسی بن یونس والحجاج بن ارطاۃ ومالک بن مغول والقاسم بن حبیب وابن شبرمۃ اھ۔ (تاریخ بغداد ص۴۲۹ ج ۱۳)

یعنی یہ پینتیس ۳۵ محدثین وفقہا سب امام ابو حنیفہ رح پر تردید کرنے والے ہیں۔ ان میں اکثر امام بخاری کے اساتذۃ الاساتذہ ہیں۔

قولہ ص۱۵ سطر ۲ " اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحیح بخاری کے درس سے پہلے ہدایہ کا پڑھنا

نہایت ضروری ہے۔ امام بخاری کا اتباع اسی میں ہے"

اقول۔ دونوں کا مقابلہ کرتے ہیں تو آسمان زمین کا فرق نظر آتا ہے اور بخاری کے اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہونے کا آپ نے ص۹۹ میں اقرار کیا ہے۔ پس اس کے معارض کتاب غیر صحیح ہوئی "فماذا بعد الحق الا الضلال" نیز ہدایہ کا حال نصب الرایہ میں دیکھیں نیز ہدایہ کی حدیثوں کے متعلق فقہاء نے جو ریمارکس دیئے ہیں۔ وہ ہم نقل کر آئے ہیں پس اگر اس کو آپ نے بخاری کے ہم پلہ قرار دیا تو کونسی بات ہوئی۔ لوگوں نے تو قرآن کے برابر کہہ دیا۔ چنانچہ مقدمہ ہدایہ ص۳ میں ہے ؎

ان الهداية كالقرآن قد نسخت

ما صنفوا قبلها في الشرع من كتب

ہاں اگر یہ نسبت ہے کہ دونوں کتابوں (بخاری وہدایہ) کو ساتھ دیکھ کر حدیث اور فقہ کا فرق نیز فقہ اہل حدیث اور فقہ اہل الرائی کا تفاوت معلوم ہو جائے تو اور بات ہے" وانما لکل امرئ مانوی" نیز امام بخاری کے اتباع کا کوئی سوال نہیں۔ کیونکہ وہ تو خود امتی اور تابع ہیں۔ ان کی احادیث کو امت نے صحیح مانا ہے ہم بھی ان کی روایات کو مانتے ہیں نہ رائے کو۔ ایضاً صاحب ہدایہ اور امام بخاریؒ کے نظریہ میں بڑا فرق ہے۔ پس ہدایہ کے پڑھنے سے کیسے امام بخاریؒ کا اتباع ہوگا؟

قولہ ص۱۵۱ "امام بخاریؒ نے صحیح بخاریؒ میں یہ ارادہ فرمایا کہ یہ کتاب حدیث اور فقہ کی جامع ہو الخ

اقول: جب دونوں کی جامع ہے تو پھر دوسری کتاب کی ضرورت نہ رہی اور یہ کہنا بھی غلط ہوا کہ اہل حدیث کی فقہ نہیں ہے۔ دراصل فقہ الحدیث انہی کے پاس ہے نیز فقہ سے مراد فقہ الحدیث ہے نہ کہ فقہ اہل الرای کیونکہ امام بخاری رحؒ کا اہل الرائی کے متعلق جو نظریہ ہے وہ بیان ہو چکا۔"

قولہ ص۱۵۱ "حدیث امام بخاریؒ نے محدثین سے لی اور فقہ اور استنباط کے لیے

اہل الرائی کی کتابوں سے مدد لی" الخ

اقول: یہ اس پر افترا ہے حدیث بے شک محدثین سے لی اور تفقہ ان کے پاس خدا داد تھا۔ نیز محدثین ہی سے فقہ الحدیث کا طریقہ سیکھا اور اہل الرائی کی فقہ کو تو امام بخاری رح معتبر ہی نہیں سمجھتا تھا۔ جیسا کہ اس کی تاریخ کبیر سے ہم نے نقل کیا۔

قولہ صلہ سطر ۱۳ "قیاس حجیت شرعیہ ہے" الخ

اقول:۔ یہ سارا عنوان لایعنی ہوا کیونکہ آپ قیاس کو دلائل سے ثابت نہ کر سکے۔ کما مضی پس خواہ مخواہ قیاس پر دیئے ہوئے فتوی کو شرعی فتوی کہنا تحکم علی اللہ ہے۔

"ام لھم شرکاء شرعوا لھم من الدین مالم یاذن بہ اللہ (الشوریٰ ع ۳ پ ۲۵)

قولہ صلہ سطر ۱۷ "جو حاکم اور جج قانونی نظائر اور شواہد کی بنا پر کوئی حکم صادر کرتا ہے وہ حکم شاہی ہی سمجھا جاتا ہے" الخ

اقول:۔ یہ مقام اللہ تعالیٰ نے صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی دیا ہے "من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (النساء ع ۱۱ پ ۵) "وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ" (النجم ع ۱ پ ۲۷)

یعنی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اور آپ وحی کے بغیر نہیں بولتے ہیں اور جج کو فیصلہ دینے کا شاہی اختیار رہوتا ہے اور دوسرا چاہے کتنی ہی شان و شوکت کا مالک ہو لیکن وہ ایسا کرنے کا مجاز نہیں۔ اس طرح یہ اختیار صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے نہ کسی اور کو چنانچہ فرمایا کہ:

انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ۔ (النساء ع ۱۶ پ ۵)

آپ کی طرف (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے حق کے ساتھ قرآن کو اس لیے اتارا ہے کہ آپ لوگوں کے درمیان حکم نافذ کریں جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھایا ہے۔

پس آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جمیع احکام نصوص ہوئے کسی اور کو یہ اختیار نہیں ہے۔ نہ اس کا حکم یا رائے نص کہلاسکتی ہے اور پر ہم صحیح بخاری کے متعدد ابواب سے ثابت کر آئے ہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف وحی کے تحت احکام نافذ فرمایا کرتے تھے نہ قیاس کرتے تھے نہ رائے بلکہ اگر ایسا کوئی سوال آتا تھا جس کے متعلق وحی نہیں آئی ہوتی تھی تو سکوت فرماتے جب وحی آئے پھر جواب دیتے تھے۔ پس موجودہ ججوں کے احکام پر احکام الٰہی قیاس کرنا فاحش غلطی ہے سے

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر ۔۔۔ گرچہ ماند در نوشتن شیر شیر

قولہ ص۵۲ س۱ "یہ حاکم کا ذاتی حکم نہیں بلکہ قوانین حکومت اور آئین سلطنت کے ماتحت ہے" الخ۔

اقول:- یہی ہماری بات کی وضاحت ہے اور یہ اختیار سوائے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور کو نہیں ملا۔ نیز دنیاوی حکومتوں کا قانون مکمل نہیں ہوا کرتا ہے۔ اس لیے ججوں کو نظائر وغیرہ دیکھنے اور ان پر حکم صادر کرنے کا اختیار رہتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے احکام اور قوانین تو مکمل ہیں بلکہ ان کی تکمیل خود اس دروازے کو بند کر دیتی ہے اور کسی قاضی کو مجاز نہیں کہ وہ نص نہ ملے تو قیاس کرتا پھرے بلکہ یہ اپنا علمی قصور سمجھے اور نصوص میں حکم کی تلاش کرے یا دوسرے اہل علم سے نص معلوم کرے ورنہ لا ادری کہہ کر اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائے۔ قرآن حکیم میں ہے کہ:- یا ایھا الذین اٰمنوا لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ۔

(الحجرات ع ۱ پ۲۶)

اے ایماندارو! اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے آگے مت بڑھو۔
اس سے زیادہ آگے بڑھنا اور کیا ہوگا کہ ان کے فیصلہ ملنے سے پہلے اپنا فیصلہ کیا جائے۔
بنیادی قوانین اور الٰہی قوانین میں بڑا فرق ہے۔

قولہ صفحہ ۵۲ سطر ۲ "اس لیے رعایا پر اس کا اتباع واجب ہے۔"

اقول:۔ لیکن رعایا کو ان پر اپیل کرنے کا حق باقی ہے اور ان کے فیصلہ جات کو چیلنج کیا جاسکتا ہے۔ گویا کہ ان کے فیصلہ کے وہ علی الاطلاق پابند نہیں ہیں جب تک مملکت کی آخری عدالت سپریم کورٹ فیصلہ نہ دے۔ اس کے بعد اپیل کا کوئی اختیار نہیں بلکہ طوعاً وکرہاً اس کے فیصلہ کی پابندی کی جائے۔ اسی طرح احکام الٰہی کے لیے آخری عدالت قرآن وحدیث ہے دوسروں کے فیصلے کے ہم پابند نہیں بلکہ ان کو چیلنج کر سکتے ہیں یا ان پر تنقید کر سکتے ہیں۔ یہی حکم قرآنی ہے۔

"فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول۔"

یہ آیت بتاتی ہے کہ فقہا کا فیصلہ قطعی اور حرفِ آخر نہیں۔ جب ہی تو اختلاف کے وقت سب کو چھوڑ دینے کا حکم ہوا۔ گویا قیاس حجت نہ رہا۔ کیونکہ وہ اجماع نہیں بلکہ اہل قیاس کا ایک دوسرے کے معارض رہنا اور ایک قیاس کا دوسرے قیاس کو رد کرنا خود بین دلیل ہے کہ قیاس فیصلہ الٰہی نہیں۔ "ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیرا!"

پس موجودہ قوانین اور فیصلہ جات پر قیاس کرنا سخت نادانی ہے۔

قولہ: صفحہ ۵۲ سطر ۳:۔ "اسی طرح مجتہدین قیاس اور استنباط سے فتویٰ دیتے ہیں (والی قولہ) شریعت کے منشا کو ظاہر کر دیتے ہیں۔"

اقول: اگرچہ بقول شما وہ اپنی رائے سے نہیں دیتے اور نصوص سے نکالتے ہیں لیکن یہ نکالنا اور استخراج واستنزاع دو حالتوں سے خالی نہیں ہے یا تو سب متفق ہوں گے یا مختلف علی الاول

اخذ بالاجماع ہوا یہ نہ قیاس ہے نہ تقلید و علی الثانی حکم ہے کہ

"فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول۔

اور کسی ایک کا استخراج حجت نہیں بلکہ اس وقت رجوع الی القرآن والحدیث ہوگا اور معلوم کرنا ہوگا کہ کس کا استخراج صحیح ہے۔ یہ بھی قیاس کا اتباع نہیں بلکہ نصوص کا ہے اسی طرح قیاس ہر حالت میں متعذر رہتا ہے۔

قولہ ص۲۱۵ س۵ "اس لیے تمام فقہاء بالاتفاق یہ تصریح فرما رہے ہیں کہ قیاس مثبت حکم نہیں مظہر حکم ہے۔" الخ

اقول: اس کی دو ہی صورتیں ہیں۔ اظہار میں متفق ہیں یا مختلف علی الاول اجماع و علی الثانی رجوع الی النصوص ہے نہ قیاس رہا نہ تقلید۔

قولہ ص۲۱۵ س۷ "قیاس نے اپنے طور پر کوئی مستقل حکم نہیں دیا۔

اقول: پھر وہ دلیل شرعی نہیں۔ ایضاً اجماعی خواہ اختلافی دونوں صورتوں میں دلیل کی اتباع ہے۔

قولہ ص۲۱۵ س۸ "اصل حکم تو اللہ کا ہے" الخ

اقول: کیا وہ تام نہیں؟ اگر ہے تو قیاس کی کیا ضرورت۔ نیز اللہ نے قرآن و حدیث پھر اجماع کا حکم دیا اور قیاس کا کہیں نہیں بلکہ قیاس کی صورت میں اختلاف لازمی ہے۔ اس لیے حکم دیا کہ کسی کو مت لو۔ "ولیس بعضہم اولی من بعض۔"

بلکہ قرآن و حدیث کی طرف لوٹاؤ جس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن و حدیث میں احکام بتمامہا مذکور ہیں۔

قولہ ص۲۱۵ س۱۰ "نبی اور رسول کا حکم بعینہٖ اللہ کا حکم ہے۔"

اقول: بے شک آیت میں " من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (النساء ع پ۵) کا یہی مطلب ہے لیکن کسی اور کے لیے بھی ایسا کہا گیا ہے؟ اگر نہیں تو پھر ان کا استنباط صرف تفقہ ہوا۔ پس اگر متفق ہیں تو اجماع ہے اگر نہیں تو سب کو چھوڑ کر قرآن وحدیث کی طرف لوٹنا ہے۔

قولہ ص۵۵ س۹ " اور حکم خداوندی کا مظہر ہے۔

اقول: یہی مطلب آیت " وانزلنا الیک الذکر لتبیین للناس ما نزل الیہم (النحل ع پ۱۴) کا ہے لیکن کسی دوسرے کو بھی خدا تعالے نے اپنے حکم کا مظہر بتایا ہے کسی امام کو یا قیاس یا رائے کو" ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین " ایضاً کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احکامِ خداوندی کو کما حقہ ظاہر کیا یا نہیں؟ علی الثانی یہ محض افتراء بلکہ کفریہ کلمہ ہوگا و علی الاول اب دوسرے مظہر کی کوئی حاجت یا ضرورت نہیں رہی۔

قولہ ص۵۵ س۱۰ " اس لیے حضرات انبیاء کی اطاعت اطاعتِ خداوندی ہے۔ اسی طرح فقہاء و مجتہدین کی تقلید اور اتباع اللہ اور اس کے رسُول ہی کا اتباع سمجھا جائے گا "

اقول: نبوی اطاعت کا الٰہی اطاعت ہونا تو قرآن وحدیث میں منصوص ہے لیکن فقہا و مجتہدین کی علی الاطلاق اطاعت کہاں منصوص ہے؟ بلکہ وہ اتفاق کے ساتھ مشروط ہے اور بوقت اختلاف کسی کی بھی اطاعت بوجہ خلاف ہونے نص کے باطل ومردود ہے۔ ثانیاً نبی کی اطاعت میں کبھی معصیت نہیں ہو سکتی لیکن غیر نبی کی اطاعت کبھی معصیت بھی ہو سکتی ہے۔ اسی لیے تو حدیث میں آیا ہے کہ

" لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق (بخاری ص۱۰۵۸ ج۲ مصری)

جہاں خالق کی نافرمانی لازم آئے ایسی صورت میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں ہے۔

اس سے نبی مستثنیٰ ہے باقی غیر نبی کی اطاعت معصیت اور غیر معصیت کو محتمل ہے۔ پس اس کے لیے نص کی تائید ضروری ہے۔ اسی لیئے امام ابو حنیفہ نے بلا دلیل ان کے قول پر فتویٰ دینا یا عمل کرنا حرام قرار دیا۔ کما مر۔

اور مؤید بالوحی تقلید نہیں۔ کما ذکر پس یہ اطلاق صحیح نہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ فقہاء کا وہ قول صحیح ہے جو نص سے مؤید ہو اور اس کو دیکھ کر پھر اس کو لینا اللہ اور رسول کی اطاعت ہے۔

ثالثاً آپ کے اس کلام سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تقلید و اتباع ایک ہی چیز ہے۔ حالانکہ دلیل دیکھنے کے بعد کسی بات کو ماننا اتباع ہے۔ تقلید نہیں جیسا کہ حافظ ابن عبد البر" جامع بیان العلم وفضلہ" ص۱۱۷ ج ۲ اور حافظ ابن القیم اعلام الموقعین ص۱۹۸ ج ۲ میں لکھتے ہیں اور دونوں ابو عبداللہ بن خواز منداد المالکی سے نقل کرتے ہیں کہ

التقلید معناہ فی الشرع الرجوع الی قول لا حجۃ لقائلہ علیہ و ذالک ممنوع فی الشریعۃ والاتباع ما ثبت علیہ حجۃ۔

شرعی اصطلاح میں تقلید بلا دلیل کسی کی بات کو لینا ہے اور یہ شریعت میں ممنوع ہے اور اتباع اسی قول لینے کو کہا جاتا ہے جس پر دلیل ہو۔

جب فقہاء کا قول مؤید بالوحی ہو تو وہ لینا تقلید نہیں۔ کما فی التحریر لابن الہمام ص۵۵۹ بلکہ اتباع ہے جو ممدوح ہے کیونکہ اتباع القرآن والحدیث ہے اور جو مدلل نہیں اس کا لینا تقلید ہے جو ممنوع ہے۔ پس ان کے اتباع کو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کہنا صریحاً غلط اور فاسد ہے۔

قولہ ص۵۲ س۱۲ ، جو لوگ فقہاء اور مجتہدین کے اتباع کو شرک قرار دیتے ہیں عجب نہیں

رفتہ رفتہ حضرات انبیاء کے اتباع کو بھی شرک قرار دینے لگیں"۔

اقول: یہی بات اس کے شرک کہنے کی معقول وجہ ہے کہ وہ ان کے اقوال کو قول اللہ وقول الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پلّہ قرار دیتے ہیں ایک طرف تو آیت ان الحکم الا للہ" پڑھتے ہیں (مکہ ۵۲ سطر) اور دوسری طرف صاف کہتے ہیں کہ" حضرات فقہاء و مجتہدین کی تقلید اور اتباع اللہ اور اس کے رسول ہی کا اتباع سمجھا جائے گا" (مکہ ۵ سطر ۱۱) لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کو شرک کہنے کا کوئی سبب یا داعی نہیں، بلکہ عین توحید ہے کیونکہ

"من یطع الرسول فقد اطاع اللہ" وارد ہے۔

ثانیاً حکم قرآنی ہے کہ:

ام لھم شرکاء شرعوا لھم من الدین مالم یاذن بہ اللہ

(الشوریٰ ع ۳ پ ۲۵)

اب اگر کوئی امام یا کوئی بھی غیر نبی ہو۔ اس کا قول اگر مؤید بالوحی ہے تو یہ باذنہ تعالیٰ ہے۔ اس کا کوئی منکر نہیں اور یہ اتباع ہے نہ تقلید اور اگر اس پر کوئی دلیل نہیں تو وہ بغیر اذن اللہ ہے اور اس آیت میں داخل ہے اسی کا نام تقلید ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سب اقوال باذن اللہ ہیں جیسا کہ آیت ہے

لتخرج الناس من الظلمٰت الی النور (ابراہیم ع ۱ پ ۱۳)

وداعیا الی اللہ باذنہ (الاحزاب ع ۶ پ ۲۱)

اور غیر نبی کے اقوال سب باذنہ نہیں بس محتاجِ تحقیق ہیں۔ اس فرق کو سمجھ لیں۔

قولہ ص۵۲ سطر ۱۴ "خلفائے راشدین کی سُنّت کو بدعت کہنے ہی لگے ہیں"

اقول :۔ لعنۃ اللہ علی الکاذبین" خلفاء راشدین کی سُنّت کو بدعت نہیں کہتے۔ ہاں اس میں اشارہ بیس تراویح کی طرف ہے جیساکہ حاشیہ میں خود ذکر کیا ہے مگر یہ بہتان ہے کیونکہ بیس کا ثبوت نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے نہ خلفائے راشدین سے اور جو روایت خلفاء کی طرف منسوب کی جاتی ہے وہ ضعیف و مردود ہے جیساکہ اپنے مقام پر تفصیل سے آئے گا اور یہ غلط ہے کہ اہل حدیث بیس رکعات خلفاء کا عمل مان کر پھر بھی اس کو بدعت کہتے ہیں۔ استغفر اللہ بلکہ ان کے ہاں خلفاء سے بیس کے عدد کا قطعاً ثبوت نہیں۔ اس طرح الزام دینا علماء کی شان نہیں۔

کتابیں کھول کر دیکھو کہ اہل حدیث خلفاء کی طرف اس نسبت کو مانتے ہی نہیں۔ پس یہ الزام صریح بہتان ہے کیونکہ یہ مستلزم ہے اس کو کہ وہ بیس کو خلفاء سے ثابت مانتے ہوں۔

واذا بطل اللازم بطل الملزوم۔

قولہ ص۵۲ سطر ۱۵ "شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ نے مجتہدین کی مدح میں طویل کلام فرمایا" الخ

اقول: لیکن مقلدین کی تو تعریف نہیں کی۔ باقی جو آپ نے اس کے کلام کا خلاصہ نقل کیا ہے۔ اس پر بحث آتی ہے۔ اس میں ہر ایک کو اپنے اجتہاد پر عمل کرنے کی ترغیب ہے نہ کسی کی تقلید کرنے کی اور غیر منصوص مسائل کے لیے بھی اجتہاد کرنے کا ذکر کیا نہ کہ قیاس کا یعنی نصوص میں تلاش جاری رکھے۔ کما ذکرنا۔

قولہ ص۵۳ سطر ۵ تشریع ابنیا اور تشریع فقہا" الخ

اقول: فقہا کو تشریع کا حق دینا بھی دین میں جرأت اور حاکم اعلیٰ جل شانہ پر تحکم ہے

تشریح کا حق اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کو نہیں دیا۔ ثانیاً آپ نے انبیاء کو معصوم اور فقہاء کو غیر معصوم بتایا ہے اور معصوم کی بات کا اخذ ضروری اور غیر معصوم کی تحقیق طلب ہے بلکہ اس میں معصوم کی تائید ضروری ہے۔

یہ سب تحقیقی مناصب ہیں۔ تقلید نہیں رہ سکتی۔ ثالثاً آپ نے نبی کی تشریح کو قطعی اور فقہاء کی تشریح کو ظنی قرار دیا ہے۔ پس جو گمان اور تخمین ہو وہ قطعی کی تائید کے بغیر کیسے قابل اتباع ہوگی۔ بالغرض وہی اتباع الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوا نہ اتباع الفقہاء۔

قولہ ص۵۳ س۹" انبیاء کرام کی تشریع مستقل ہے اور فقہاء کی تشریع کتاب وسنت کے تابع ہے"

اقول: پس اتباع متبوع کا ہوگا نہ تابع کا۔ نیز اتباع باعتبار فرع کے ہوتے ہیں اگر مختلف ہوں گے تو رجوع الی الاصل ہوگا۔ پھر وہی اتباع دلیل ہوئی نہ کہ تقلید کی۔

قولہ ص۵۳ س۱" اگر فقہا کو حضرات انبیاء کی طرف سے کتاب وسنت کا مادہ عطا نہ کیا جاتا تو اجتہاد اور استنباط پر قادر نہ ہوتے"

اقول: کیا اس استنباط اور اجتہاد میں ہمیشہ مصیب ہوتے ہیں یا کبھی مصیب کبھی مخطی؟ علی الاول آپ ان کو نبی بنا گئے۔ حالانکہ ابھی قبول کر آئے ہیں کہ انبیاء معصوم اور فقہاء غیر معصوم ہیں۔ وعلی الثانی۔ آپ کا یہ کہنا غلط ہوا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ان کو محفوظ عن الخطا چیز دی۔ پھر وہ اس میں مخطی کیسے ہوتے ہیں بلکہ ہر ایک مجتہد خداداد لیاقت کے ماتحت مسائل نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایضاً جو قول خطا وصواب کا متحمل ہو اس کو بلا تحقیق لینا روا نہیں۔

قولہ ص۵۵ س۱۲" احکام شرعیہ میں ناسخ منسوخ ہیں اور احکام اجتہادیہ میں یہ رجوع

عن الا جتہاد ہے۔"

اقول: نسخ کا ہونا خدا کے حکم سے ہے اور ناسخ حکم یقینی ہوتا ہے لیکن مجتہد کا رجوع اس کے اجتہاد کی بنا پر ہے اور "المجتہد قد یخطی ویصیب" مسلم امر ہے۔ پس کیا خبر کہ اس کا پہلا اجتہاد مرجوع عنہ صحیح ہے یا دوسرا مرجوع الیہ؟ بے شک مجتہد اپنے اجتہاد کا پابند ہے۔ لیکن پہلے اور دوسرے دونوں میں خطا کا احتمال ہے۔ بخلاف وحی کے وہ پہلا حکم بھی حق تھا اور جو نیا آیا وہ بھی حق ہے۔ فاین ھذا من ذا۔

قولہ ص۵۳ س۱: "الغرض اجتہاد ایک لفظ لمحات تشریع میں سے" الخ

اقول: سورج کی شعاعیں واقعی اسی کی ہوتی ہیں لیکن کیا جبریہ اقوال وحی کے عین یا اسی سے ماخوذ تو بجائے خود اس کے موافق بھی ہیں یا نہیں۔ پس ان کو حتمی طور پر نور وحی کی شعاعیں کہنا غلط ہے نیز ان اقوال کا آپس میں مختلف ہونا خود بتاتا ہے کہ سورج وحی کی شعاع در پرتو یہ سب نہیں۔ لہٰذا ایک کے سوا باقی سب اس کے مخالف ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ تمثیل و تشبیہہ درست نہیں ہے۔

قولہ ص۵۴ س۳: "اسی طرح احکام قیاسیہ شریعت کی طرف منسوب ہوں گے۔" الخ

اقول: جس تشبیہہ پر یہ متفرع تھا وہ غلط نکلی پس یہ بھی ایسا سمجھیں۔

قولہ ص۵۴ س۵: شیخ فرماتے ہیں کہ اللھم صل علی محمد و علی آل محمد (الی قولہ) جو تشریع احکام میں انبیاء کے وارث ہوں کہ اجتہاد و استنباط سے احکام شرعیہ کی تشریع اور تشریح فرمائیں۔

اقول: غیر نبی کو تشریع کا حق نہیں ملا ہے۔ البتہ ان کی تشریح کرتے ہیں لیکن وہ بھی دیکھی جائے گی کہ کونسی تشریح اصل (قرآن وحدیث) کے موافق ہے۔ کیونکہ تشریحات مختلف

ہیں۔ لہٰذا علی الاطلاق حجت نہیں یا تو سب متفق ہوں یا پھر مختلف فیہ کی تحقیق کی جائے گی۔

قولہ ص۵۴ س۱ ”سوالحمد للہ اس اُمّت کے مجتہدین کو“ الخ۔

اقول: یہ فضیلت کسی زمانہ سے خاص ہے یا ہر زمانہ کے لیے ہے۔ اگر خاص ہے تو کس کے لیے؟ اس کی دلیل کیا ہے۔ نیز اس بنا پر صحابہ کے بعد کون اس منصب پر رہ سکتا ہے۔ وعلی الثانی اجتہاد کے بند ہونے کا دعویٰ غلط ہوا بلکہ لازمی ہے کہ ہر زمانہ میں اجتہاد رہنا چاہیئے جو تقلید کے منافی ہے۔

قولہ ص۵۵ س۱۲ ”اس امت کے علماء اور فقہاء کا حشر قیامت میں انبیاء اور مرسلین کی صفوف میں ہوگا“

اقول: ”لیکن مقلدین کا حشر کن کی صفوف میں ہوگا؟“

قولہ ص۵۵ س۱۳ ”اور یہ اجتہاد امت محمدیہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے“

اقول: ”پھر ان کو تقلید پر مجبور کیوں کرتے ہو“؟

قولہ ص۵۵ س۱۵ ”اور بظاہر اجماع کی حجیت وہ بھی اسی امت مرحومہ کا خاصہ ہے“

اقول: لیکن جہاں اجماع نہ ہو وہاں کیا حکم ہے۔؟

”وما اختلفتم فیہ من شئ فحکمہ الی اللہ“ فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول۔

قولہ ص۵۵ س۱۰ ”مجتہدین کا قیاس اور استنباط تو تشریع انبیاء کی وراثت بھی اور اجماع بظاہر عصمت کی وراثت ہے“

اقول: نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو قیاس نہیں کرتے تھے بلکہ وحی کا انتظار کرتے تھے۔ پھر قیاس کیسے آپ کی وراثت ہوئی اور اجماع اگر عصمت کی وراثت ہے تو اس کے معنی کہ بصورت

اختلاف کسی کا قول معصوم نہیں۔ پھر اس کا اتباع کیسے لازم ہوگا۔

قولہ ص۵۵ س۲ "قیاس اور استنباط میں ہر مجتہد فرداً فرداً وارث ہوا لیکن عصمت عن الخطاء یہ خاصہ نبوت کا ہے اس لیے عصمت عن الخطاء کی وراثت مجموعۂ اُمّت کو بزنگ اجماع عطاء کی گئی" الخ

اقول: معلوم ہوا کہ قیاس غیر معصوم ہے اور معصوم کے ساتھ مقابلہ کرنا ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر خطا و صواب کا فرق معلوم نہیں ہوگا۔ نیز معصوم چیز کیسے نبیوں کا ورثہ بن سکتی ہے۔

قولہ ص۵۵ س۵ "حق تعالیٰ شانہ کی تقسیم ہے (الی قولہ) اس لئے کتاب کو نسبت سے یہ نسبت ولائت کے علم کا پلّہ بھاری رکھا۔

اقول: بلاشک کرامات وغیرہ حجت شرعیہ نہیں اور ولایت سے شریعت کا پلّہ بھاری ہے۔ لیکن شریعت وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو نہ کہ امتیوں کے قیاسات و آراء اسی طرح علماء ربانیین علوم شرعیہ کے وارث ہیں لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ورثہ صرف قرآن و حدیث ہے اور یہی دو چیزیں آپ نے چھوڑی ہیں جیسا کہ فرماتے ہیں کہ

ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ و سنۃ نبیہ۔ (الموطا ص۳۶۳)

دو چیزیں آپ میں چھوڑ جاتا ہوں۔ اگر ان کو مضبوط پکڑا تو ہر گز گمراہ نہیں ہوں گے۔ قرآن و حدیث۔

یہ حدیث اگرچہ امام مالکؒ کی بلاغات میں سے ہے لیکن کئی طرف سے مسنداً مروی ہے۔ دیکھو التمہید لابن عبد البر و الاحکام لابن حزم وغیرھما۔ پس یہی آپ کا ورثہ ہے اور قیاس نہ آپ نے کیا نہ آپ کا ورثہ ہے نہ ہی قیاس کرنے والا آپ کا وارث کہلا سکتا ہے۔

قولہ ص۵۵ س۱۲: "ظاہر نصوص کا اتباع تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ ظاہر نصوص کی اتباع واجب ہے" الخ

اقول: لیکن قیاس کے معتبر ہونے میں اختلاف ہے "فدع مایریبک الی مالایریبک"

قولہ: ص۵۵ س۱۳ "اور نصوص کے مقابلہ میں قیاس قطعاً ناجائز اور حرام ہے"

اقول: اسی لیے ہمارا کہنا ہے کہ جس مسئلہ میں ہم کو نص نظر نہ آئے سکوت کرنا چاہیے اور دلیل کی تلاش کرنی چاہیے کیونکہ اگر قیاس کیا تو ممکن ہے کہ نص کے خلاف ہو۔

قولہ ص۵۵ س۱۴ "مگر ظاہر نصوص کا اتباع کا یہ مطلب نہیں کہ آیت قرآن اور حدیث نبوی کا جو لفظی ترجمہ ہو اس پر عمل کرنا واجب ہے"

اقول۔ سب اسی طرح عمل کرتے آئے ہیں۔ الّا وہ نص جس کا مطلب سمجھ میں نہ آئے تو دوسرے علماء سے مشورہ کیا جائے۔

قولہ: ص۵۵ س۱۵: "جب یہ آیت نازل ہوئی کہ "کلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود تو ایک صحابی نے خیط ابیض اور خیط اسود الخ۔

اقول: یہاں مطلب صاف نہیں تھا اس لیے اس کو خطا لاحق ہوئی۔ آپ لکھتے ہیں کہ "ظاہر نصوص کا اتباع جب واجب ہے جبکہ وہ نص صریح ہو یعنی مراد اس کی ظاہر ہو کسی دوسرے معنی کا اس میں احتمال نہ ہو" ص۵۶ س۸۔

ثانیاً۔ یہاں سے ایک اور بات نکل آئی ہے کہ جب صحابی جو کہ علم شریعت کی تشریح میں سب سے اعلم و افضل تھے۔ ان سے بھی نصوص سمجھنے اور استنباط کرنے میں خطا واقع ہوئی تو دوسروں سے ان کی نسبت زیادہ امکان ہے لہٰذا کسی کا تفقہ ہم پر حجت نہیں جب تک اس کو اصل نصوص کے الفاظ سے مقابلہ نہ کریں۔

قولہ ص۵۶ س۳ "صحابی تھے اہل زبان بظاہر ظاہر نص پر عمل فرمایا مگر صاحب شریعت نے اس کا اعتبار نہ فرمایا" الخ

اقول :۔ اس سے ظاہر ہوا کہ شریعت اور چیز ہے اور قیاس واستنباط اور نیز شریعت فقہا کے تفقہ پر موقوف نہیں بلکہ ان کے تفقہ کا بر صواب ہونا النصوص کے دیکھنے پر موقوف ہے نیز یہ سب چیزیں اجتہاد کو چاہتی ہیں نہ کہ تقلید کو۔

قولہ ص۵۶ س۵ "ایسی ظاہریت پر مزاح سنّت نبوی ہے" الخ

اقول : یہ ظاہریت نہیں یہ خطائی الاجتہاد ہے جو اہل الظاہر خواہ اہل القیاس سب سے واقع ہو سکتی ہے۔ لیکن جو مسائل آپ کے فقہا کی کتابوں میں بھرے پڑے ہیں ان پر مزاح کرنے کی اجازت دو گے؟ مثلاً ۔

۱۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب فتاوی قاضی خان ص۱۰ ج ۱ میں ہے کہ

ولو صلی و فی عنقتہ سن کلب او ذئب یجوز صلوتہ

کتے یا بھیڑیے کے دانتوں کا ہار پہن کر نماز پڑھے گا تو نماز ہو جائے گی۔

۲۔ فقہ حنفی کی معتبر کتاب شامی ص۱۱۱ ج ۱ میں ہے کہ

فرج البھیمۃ کفیھا لا غسل فیہ بغیر انزال۔

جانور کی شرم گاہ اس کے منہ کے برابر ہے اس میں وطی کرنے پر جب تک انزال نہ ہو غسل نہیں۔

۳۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب دُرِ مختار ص۱۹ طبع ہند میں ہے کہ

واما فی دبر نفسہ فرجح فی النھر عدم الوجوب الا بانزال

اپنے عضو کو اپنی دبر میں داخل کرنے پر غسل نہیں جب تک انزال نہ ہو۔

۴۔ مشہور درسی فقہ کی کتاب ہدایہ جس کے پڑھنے کی آپ نے بھی ترغیب دی ہے اس کے صلہ۲ ج ایں ہے کہ

ولو جامع میتتہ او بھیمتہ فلا کفارۃ علیہ انزل اولم ینزل۔

روزمرہ حالت میں مُردہ عورت یا جانور سے وطی کی تو اس پر کوئی کفارہ نہیں انزال ہو یا نہ ہو۔

۵۔ درمختار صلہ۱۲۷ طبع ہند میں ہے کہ

او مس فرج بھیمتہ او قبلھا فانزل۔

جانور کی شرمگاہ کو ہاتھ لگایا یا بوسہ دیا اور انزال ہو گیا تو بھی روزہ نہیں ٹوٹا۔

۶۔ قاضی خان صلہ۲۰۷ ج ۴ میں ہے کہ

لو استاجر امرأۃ لیزنی بھا فزنی بھا لا یحد فی قول ابی حنیفہ۔

اگر کوئی شخص کسی عورت کو زنا کے لیے کرایہ پر لے آئے اور اس کے ساتھ زنا بھی کرے تو بقول امام ابی حنیفہ رح اس پر کوئی حد نہیں ہے۔

۷۔ شامی صلہ۱۰۳ ج ۲ میں ہے کہ

اپنی بیوی یا خادمہ کے ہاتھ سے مشت زنی کرانا جائز ہے۔

۸۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب فتاویٰ عالمگیری صلہ۲۵۴ ج ۴ میں ہے کہ

اذا ادخل الرجل ذکرہ فی فم امرأتہ قد قیل یکرہ وقد قیل بخلافہ۔

اپنی بیوی کے منہ میں اپنا مخصوص عضو داخل کرنا بعض کے نزدیک مکروہ ہے اور بعض کے نزدیک نہیں۔

۹۔ عالمگیری مسئلہ ۳ میں ہے کہ

اذا ذبح کلبہ وباع لحمہ جاز

اپنا کتا ذبح کر کے اس کا گوشت بیچے تو جائز ہے۔

۱۰۔ درمختار صلہ طبع ہند میں امامت کی ترتیب یہ ہے کہ

ثم الاحسن زوجۃ۔

پھر وہ نماز پڑھائے جس کی بیوی زیادہ حسین ہو۔

۱۱۔ شامی صــ ج ۱ میں ہے کہ

یجد نکاح امرأتہ عند شاھدین فی کل شھر مرۃ اومرتین

احتیاطاً ہر مہینہ ایک یا دو بار دو شاہدوں کے سامنے اپنی بیوی کا نکاح نیا کرے۔

۱۲۔ دُرِّ مختار صـ۲۶ طبع ہند میں ہے کہ

ویتخذ جلدہ مصلاً ودلوا

کتے کی کھال سے جائے نماز یا کنوئیں کے لیے ڈول بنانا درست ہے۔

۱۳۔ فتاویٰ سراجیہ صـ۱۵۴ میں ہے کہ

اذا أراد أن یحیل لامتناع وجوب الزکوٰۃ لما خاف أن لا یؤدی فیقع فی المأثم فالسبیل أن یھب النصاب قبل تمام الحول من یثق بہ ویسلم إلیہ ثم یستوھبہ۔

زکوٰۃ نہ دے اور گناہ سے بھی بچ جائے۔ اس کے لیے یہ راستہ ہے کہ کسی قابل اعتماد آدمی کو اپنا مال جو نصاب کو پہنچ چکا ہو سال پورے ہونے سے

پہلے ہبہ کر دے پھر وہ شخص دوبارہ اسی کو ہبہ کے طور پر وہ مال دے دے۔

ایسی بہت سی مثالیں ہیں۔ اب علامہ صاحب بتائیں کہ ان مسائل واجتہادات پر مزاح کرنا سنت ہے یا فرض یا کیا؟

قولہ ص۵۶ س۸ "ظاہر نصوص کا اتباع جب واجب ہے جب کہ وہ نص صریح ہو یعنی اس کی مراد ظاہر ہو"

اقول:۔ اگر ظاہر نہ ہوگی تو متعذر العمل ہوگی یہ نص کی توہین ہے۔ اگر کہو گے کہ جو مراد ائمہ نے بتائی ہے وہی لی جائے گی تو یہ بھی غلط ہے۔ اس لیے ان کا مراد بتانا مختلف ہے۔ اب تین صورتوں کے سوا چوتھی نہیں ہو سکتی یا تو سب کو چھوڑ دو یہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ نص پر عمل نہ رہے گا اور خود آپ بھی ایسی اجازت نہیں دیتے اور یا تو جس کو چاہے اس کی مراد کر لے لے یہ تلاعب بالدین واتباع الھوی والنفس ہوگا اور یا تو جس مراد کو دلائل کے لحاظ سے صحیح پائے اسی کو لے لے۔ یہ اجتہاد ہوگا نہ تقلید۔

قولہ ص۵۶ س۹ "اور نہ وہ منسوخ ہو"

اقول:۔ جب ناسخ نظر نہیں آتا اور نہ ہی نسخ کی کوئی وجہ نظر آئی تو وہ نص محکم غیر منسوخ ہے کیونکہ "لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا" (البقرۃ ع ۴۰ پ ۳) اور اس پر عمل واجب ہوگیا۔

ثانیاً یہی عذر اقوال ائمہ میں بھی ہو سکتا ہے کیا خبر کہ امام کا یہ قول قدیم ہے یا جدید اور مرجوع منہ تو نہیں جو وہاں کرے گا یہاں بھی وہی کرے گا اور آپ امام کے رجوع کو بھی نسخ بتا کر آئے ہیں جیسا کہ لکھ چکے ہیں کہ

"احکام شرعیہ میں ناسخ ومنسوخ ہیں اور احکام اجتہادیہ میں رجوع

عندالاجتہاد ہے'' ص۵۳ س۱۲۔

پس جب یہاں مانتے ہیں تو وہاں بھی ماننا پڑے گا۔ لان قول الرسول علیہ السلام لا ینزل عن قول المفتی' ہدایہ ص۲۱۰ ج ۱۔

قولہ ص۵۶ س۱۰'' اور نہ کوئی دلیل قوی اس کے معارض ہو''

اقول: جب اس کو معارض نظر نہیں آیا تو وہ حدیث اس کے لیے سالم عن المعارض ہوئی ثانیاً تعارض کے وقت اگر ایک طرف ترجیح ہے یا دونوں میں تطبیق ممکن ہے تو ایسی صورت میں تعارض متصور نہیں اور بصورت دیگر ایسا تعارض اضطراب شمار ہوتا ہے اور یہ بات تتبع کتب سے معلوم ہو سکتی ہے۔ ثالثاً یہی وجہ امام کے قول پر عمل کرنے سے بھی مانع ہے کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ دوسرے امام کا قول جو اس کے معارض ہے وہ زیادہ قوی اور مضبوط ہو لہٰذا تقلید بڑے خطرے کی راہ ہے اور تحقیق لازمی ہے۔

قولہ ص۵۶ س۱۰'' اور نہ شریعت کے اصول مقررہ کے خلاف ہو''

اقول:۔ جو نص صحیح اور ثابت وسالم عن الجرح والعلل ہوگی وہ کبھی اصول شرعیہ کے خلاف نہیں ہو سکتی نیز اصول شرعیہ نصوص سے ماخوذ ہیں یا کسی اور چیز سے علی الاول نصوص من عند اللہ ہیں ان میں ایسا تخالف نہیں ہو سکتا ہے وعلی الثانی اس کے مخالف نصوص میں قادح نہیں ہو سکتی۔ ایضاً یہی احتمال امام کے قول میں بھی ہو سکتا ہے۔

قولہ ص۵۶ س۱۱'' ایسی نصوص کے ہوتے ہوئے عالم تو کیا ادنیٰ مومن بھی قیاس کو جائز نہیں سمجھتا'' الخ۔

اقول:۔ دل سے کوشش کرے گا تو مل سکتی ہے نیز یہ بات مسلم ہے کہ بعض نصوص پر کسی کو اطلاع ہوتی ہے اور کسی پر بعض کی'' وفوق کل ذی علم علیم'' جس کا مطلب ہے کہ فی الوقت

نص کے نہ ملنے سے عدم وجود النص کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا ہے بلکہ تلاش جاری رکھی جائے گی۔ کما مر۔ کیونکہ نص کے پائے جانے کا امکان ابھی باقی ہے اور نص کے ہوتے ہوتے قیاس کو آپ بھی شیطانی کام بتلاتے ہیں۔

قولہ ص۵۶ س۱۳: "ہاں اگر اس نص میں حقیقت اور مجاز یا اشتراک معنی کی وجہ سے دو احتمال ہوں اور کوئی مجتہد اپنی فہم و فراست سے کسی ایک احتمال کو ترجیح دے تو یہ نص ہی پر عمل کرنا سمجھا جائے گا" الخ

اقول: ۔ اس پر سب متفق ہیں کہ جب تک حقیقت متعذر نہ ہو مجاز مراد لینا درست نہیں۔ اسی طرح مشترک کی تعیین بھی دلیل ہی سے ہو سکتی ہے۔ اب اگر مجتہد اس کا تابع ہے اور دلیل متبوع ہے اور تابع متبوع پر قاضی نہیں ہو سکتا ہے لہٰذا اس پر قاضی دلیل ہی ہو سکتا ہے نہ مجتہد متفکر۔

قولہ ص۵۶ س۱۷: "صحیح بخاری میں ہے کہ احزاب کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا" الخ

اقول: ۔ یہاں دونوں فریق نے اجتہاد کیا نہ کسی کی تقلید کی اسی واسطے ان کی نماز بحال رکھی گئی اور دونوں نے حسب فہم اپنے عمل کئے نہ کسی دوسرے مجتہد کے فہم کے پیچھے چلے۔ لہٰذا یہ حدیث خارج عن النزاع ہے اور یہاں قیاس بھی نہیں ہے کیونکہ کسی نے غیر منصوص مسئلہ میں منصوص کا حکم جاری نہیں کیا۔ جنھوں نے وہاں بنی قریظہ میں جا کر نماز پڑھی۔ وہ بظاہر نص کی وجہ سے جیسا کہ خود مانتے ہو اور جنھوں نے راستہ میں پڑھی ان کے لیے بھی آپ نص ہی بتلاتے ہیں یعنی آیت قرآنیہ "ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا" (النساء ع ۱۵ پ۵) یہ سارا عمل نصوص پر ہوا نہ قیاس ہے نہ تقلید۔ ثانیاً آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دونوں پر ملامت نہیں

کی تو پھر ظاہری الفاظ پر عمل کرنا معیوب نہیں ہوا کیونکہ جنھوں نے بقول شما عشاء کے بعد نماز پڑھی حالانکہ صریحًا آیت قرآنیہ کے خلاف وقت کو بدلا گیا لیکن تاہم پھر بھی آپ نے اس ظاہریت کا ملامت نہیں کی تو پھر آپ کون ہیں ملامت کرنے والے؟ ثالثًا بلکہ اگر دیکھا جائے کہ بظاہر الفاظ پر عمل کرنا یہاں سے بہتر معلوم ہوا کیونکہ اگر انصاف کی ترازو میں دونوں کو تولا جائے تو یہ نظر آتا ہے کہ وقت کے اندر نماز پڑھنا آیاتِ صریحہ اور احادیث صحیحہ اور اجماع امت کی رو سے بالکل فرض اور لازمی ہے یہاں تک کہ اگر وقت نکل گیا اور عمدًا نماز نہیں پڑھی تو کئی علماء نے ایسے شخص پر کفر کا فتویٰ دیا ہے تو جنھوں نے راستہ میں وقت پر نماز پڑھی ان کے لیئے تو بہت سے قرآئن داعیہ تھے لیکن فریق ثانی کے لیے ظاہر الفاظ نبویہ کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ پھر بھی ان کو بحال رکھنا ظاہریت پر عظیم دلیل ہے۔

قولہ ص۵ س۳ " حق جل شانہ نے جس کو عقل سے کچھ بھی حصہ عطاء فرمایا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ عمل بالرأی اور قیاس بمقابلہ نص نہیں ہے"۔

اقول: بلکہ قیاس ہی نہیں کیونکہ نماز اپنے وقت پر پڑھنا منصوص ہے۔ یہاں کسی غیر منصوص کو منصوص پر متفرع نہیں کیا گیا ہے۔

قولہ ص۵ س۴ " بلکہ اجتہاد فی مراد النص ہے"۔

اقول:۔ اس کو قیاس نہیں کہتے اور یہی فرق مابین اجتہاد و قیاس ہے

قولہ ص۵ س۷ " فریق اول نے محض لفظ پر عمل کیا اور فریق ثانی نے ظاہر معنی اور ظاہر مراد پر عمل کیا" الخ

اقول: لیکن فریق اول کے لیے خطاء کا احتمال نہیں رہتا۔ بخلاف فریق ثانی کہ فہم المراد میں خطا ہو سکتی ہے اور جو بات ظاہر الفاظ سے نکلتی ہے وہ اصوب ہوتی ہے۔ جب ہم نے دیکھا کہ

شارع صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو بحال رکھا تو ظاہر الفاظ پر عمل کرنے کا طریقہ اسلم رہا۔ اس لیے کہ اس میں خطرہ نہیں ہے۔ باقی دوسرا طریقہ ایسا نہیں۔ اس میں دونوں احتمال رہتے ہیں۔ کیونکہ "المجتهد قد يخطي ويصيب" اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فریق اول کو اس لیے بحال رکھا کہ ان کا طریقہ صحیح تھا اور فریق ثانی کو اس لیے کہ وہ اجتہاد میں مصیب ہوئے۔ ورنہ آپ نے اپنی زندگی مبارک میں کئی بار صحابہ کے اجتہاد کو خطاء قرار دیا۔ مثلاً عمار بن یاسر کی حالت جنبی میں بوجہ پانی نہ ملنے کے زمین پر اونٹ کی طرح لیٹنے کو آپ کا غلط قرار دینا اور تیمم کو کافی بتانا مشہور ہے ایسی اور کئی مثالیں ہیں جو امام ابن حزم نے الاحکام (ص۸۶ ج ۵) میں نقل کی ہیں۔ جنگ اُحد کے وقت آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے تحت ایک جماعت کو کسی خاص مقام پر مامور فرمایا اور حکم دیا کہ خواہ ہماری شکست ہو یا فتح جب تک میں حکم نہ دوں یہ جگہ نہ چھوڑنا لیکن انھوں نے مسلمانوں کی فتح اور مال غنیمت جمع کرتے دیکھ کر وہاں سے ہٹ گئے اور وہیں سے کفار نے دوبارہ حملہ کیا اور ستر مسلمان شہید ہوگئے۔ یہ واقعہ بخاری (ص۱۵ ج ۳ مصری اور فتح الباری ص۲۲۶ ج ۷) میں مذکور ہے۔ دیکھو یہاں انھوں نے ظاہر الفاظ نبویہ پر عمل نہیں کیا اور جو ان کو مفہوم و مراد سمجھ میں آئی اس پر عمل کیا لیکن انھوں نے اپنی سمجھ میں غلطی کی اور خطا کھائی لیکن اگر ظاہر الفاظ پر عمل کرتے تو نہ غلطی ہوتی نہ یہ نقصان لاحق ہوتا جس کا صاف مطلب ہے کہ ظاہر الفاظ کو چھوڑنا خطرہ سے خالی نہیں ہے۔

قولہ: ص۲۵ س۱ "اور فریق اول اس سعادت اور فضیلت سے محروم رہا۔"

اقول: لیکن خطاء کا امکان بھی نہ رہا اور فہم المراد میں خطاء کا امکان موجود ہے۔

قولہ ص۲۵ س۵ "قال الحافظ ابن القيم فحاز ما الفضيلتين" الخ

اقول: لیکن یہ باعتبار اصابۃ فی الاجتہاد ہے اور یہ مسلم ہے کہ اجتہاد میں خطاء کا احتمال

رہتا ہے اور ظاہر الفاظ میں صرف اتباع و انقیاد ہے۔ امام ابن حزم جامع السیرۃ ص۱۹۲ میں فرماتے ہیں کہ

وعلم اللہ تعالیٰ اننا لو کنا ھناک ما صلینا العصر فی ذالک الیوم الا فی بنی قریظۃ ولو بعد ایام ولا فرق بین نقلہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ فی ذالک الیوم الی موضع بنی قریظۃ وبین نقلہ صلوٰۃ المغرب لیلۃ مزدلفۃ وصلوٰۃ العصر من یوم عرفۃ الی وقت الظہر والطاعۃ فی ذالک واجبۃ اھ۔

اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ اگر اس موقع پر ہم ہوتے تو اس دن کی عصر نماز بنی قریظہ ہی میں جا کر پڑھتے خواہ کتنے دن کے بعد جا کر یہاں پہنچتے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اس دن کی نماز کو بنی قریظہ کی طرف منتقل کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ مغرب کو مزدلفہ کی رات اپنے وقت سے منتقل کیا یا عرفہ کے دن عصر کو ظہر کی طرف منتقل کیا ان میں کوئی فرق نہیں سب میں اطاعت و تابعداری واجب ہے۔

ایضاً: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فریق ثانی پر اس لیے ملامت نہیں کی کہ ان کا قصد خیر کا تھا اور ملامت اس پر ہو سکتی ہے جو کسی کام کو برا سمجھ کر پھر بھی اس کو کرے۔

قولہ ص۱۳۵: صحیح مسلم میں ابوہریرہ رض سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ مجھ کو اپنے نعلین مبارکین عطا فرماتے الخ

اقول: یہاں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے امیر عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کو مصیب اور صحیح قرار دیا۔ تو یہ مسئلہ منصوص ہوا نہ رائے رہی نہ قیاس نیز کئی بار امیر عمر کی رائے کو آپ نے

خطا بھی قرار دیا ہے مثلاً صلح حدیبیہ کے وقت نیز جب حاطب بن ابی بلتعہ پر بوجہ آپ کے راز ظاہر کرنے کے تلوار لے کر کھڑا ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ نص کا توافق شرط ہے۔ اس کے دیکھے بغیر قیاس و رائے کوئی چیز نہیں۔

قولہ ص۵۹ سـ "مگر حضرت عمر رضہ نے یہ سمجھا کر لوگوں پر تکاسل اور تغافل کا غلبہ ہے" الخ

اقول: انسان کی سمجھ خطاء و صواب دونوں کی متحمل ہے۔ پس اس واقعہ پر رائے و تفقہ کو قیاس نہیں کیا جا سکتا جس رائے کو شارع صلی اللہ علیہ وسلم نے بحال رکھا وہ صحیح ہے۔ دوسری نہیں۔

قولہ ص۵۹ سـ۱ "جو بظاہر حکم نبوی کے صریح خلاف تھا"

اقول: معاذ اللہ ایسا کہنا درست نہیں۔ جب آپ نے بحال رکھا تو پھر مخالفت کیسی یہ اس قیاس سے ہزار بار بہتر ہے جس کی موافقت میں نص نہیں ملتی۔

قولہ ص۵۹ سـ۱ "مگر علت اور منشاء کے اعتبار سے عین موافق تھا"

اقول: کیا معاذ اللہ یہ علت و منشا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہیں تھا؟ اور امیر عمرؓ کا علم و فراست آپ سے زیادہ تھی ہرگز نہیں۔ صرف یہ ہے کہ آپ نے اس کی رائے کو مصیب قرار دیا اگر خطا قرار دیتے تو خطا ہی ہوتی ثابت ہوا کہ رائے خطاء و ثواب کا مجموعہ ہے جس کے لیے فیصلہ قرآن و حدیث سے ہو گا۔

قولہ ص۵۹ سـ۱۲ "اہل ظاہر کی نظر ہمیشہ ظاہر لفظ پر رہتی ہے اور فقہاء کی نظر ہمیشہ علت اور منشاء پر رہتی ہے"

اقول۔ ع رضینا قسمة الجبار فینا۔ الفاظ پر عمل ہر لحاظ سے خطرہ سے خالی ہے اور منشاء و علت سمجھنے میں انسان خاطی ہو سکتا ہے جیسا کہ واقعہ اُحد میں پیش آیا۔

نیز یہ جب ہو سکتا ہے کہ ہر حکم کی علت و منشا ہم کو معلوم ہو اور پھر وہ بھی نص ہی ہو گی۔

قولہ ص۵۹ س۱۵ "اہل ظاہر فقط لسان نبوی اور شفتین کی حرکت دیکھتے ہیں"

اقول :۔ اسی کے ہم مامور ہیں "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ"

(الاحزاب ع۳ پ۲۱)

جب عبداللہ بن عمرو بن العاص رضؓ کو قریش نے آپ کی احادیث لکھنے سے منع کیا اور کہا کہ آپ انسان ہیں۔ رضا و خوشی اور غصہ دونوں میں بولتے ہیں تو عبداللہ نے لکھنا روک دیا آپ سے ذکر کیا۔ آپ نے اپنے منہ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ

اکتب نوالذی نفسی بیدہ ماخرج منہ الا حق (سنن دارمی ص۶۷)

لکھتا جا (یعنی جو سنے) کیونکہ خدا کی قسم میرے اس منہ (مبارک) سے حق کے سوا اور کچھ نہیں نکلتا ہے۔

ثابت ہوا کہ آپ کے منہ مبارک کو ہی دیکھنا ہے۔

قولہ ص۵۹ س۱۶ "اور حضرات فقہا خداداد اور نور فہم اور نور فراست سے قلب نبوی اور خاطر ماطر کی حرکات ارادیہ کو دیکھ کر مراد نبوی کو معلوم کرتے ہیں" الخ

اقول : اولاً "اللسان ترجمان الجنان" جب تک آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) زبان فیض ترجمان سے نہ بولیں تو دل کی مراد کیسے معلوم ہو سکتی ہے۔

ثانیاً فہم و فراست یہ سب تخمینی اشیاء ہیں۔ یقینی نہیں ہیں۔

ثالثاً کیا صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس خداداد نور فراست و فہم سے بے بہرہ تھے؟ حاشا اللہ بلکہ وہ ان فقہا سے بدرجہا زیادہ بہرہ ور تھے پھر کیا وجہ ہے کہ ان سے بھی بعض اوقات فہم مراد میں خطا واقع ہو جاتی تھی۔ کیا دوسروں سے ایسا ممکن نہیں بلکہ ہر وقت ڈر رہتا ہے۔

رابعاً یہ بھی عجیب ہے کہ مراد نبوی آپ کے الفاظ سے تو ظاہر نہ ہوا اور آپ کی دل سے معلوم کر لیا جائے۔

قولہ ص۵۹ س۱۹ "صحیح مسلم میں ہے کہ لاتکتبوا عنی شیئا غیر القرآن والی قولہ ظاہر حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حدیث کی کتابت نہ کی جائے۔ کتابت صرف قرآن کی کی جائے گی فقہائے امت نے یہ سمجھا کہ اس ممانعت کی علت یہ ہے کہ قرآن اور حدیث کو خلط نہ کیا جائے" الخ

اقول:۔ اولاً یہاں بھی الفاظ نص پر عمل ہے اسی طرح کہ پہلے منع تھی بعد میں اجازت ہو گئی چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ

استاذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الکتابۃ عنہ فأذن لہٗ۔

"اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی حدیثیں لکھنے کی اجازت مانگی آپ نے اجازت فرمائی"

علامہ عینی حنفی عمدۃ القاری ص۱۶۶ ج ۲ طبع منیریہ میں اس روایت کو بحوالہ مسند احمد اور المدخل للبیہقی لاکر کہتے ہیں کہ "اسنادہ حسن" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ نہی قبل تھی بعد میں اجازت مل گئی اور صحابہ جو آپ سے سنتے تھے لکھتے جاتے تھے چنانچہ عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ

بینما نحن حول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکتب الحدیث

(سنن الدارمی ص۶۸)

"ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارد گرد بیٹھے حدیثیں لکھتے رہتے تھے"

ثانیاً اس روایت کے راوی زید بن ثابت بھی ہیں کما فی عمدۃ القاری ص۱۶۹ ج ۲ منیریہ اور وہ خود لکھتے تھے اس کا دربار نبوی میں کاتب ہونا محدثین اور اہل السیر والتاریخ کے ہاں مشہور و مسلم ہے۔ پس بر جب اصول حنفیہ روایت منسوخ ہوئی کیونکہ ان کا اصول ہے کہ راوی جب اپنے

مروی کے خلاف عمل کرے یا فتویٰ دے تو وہ اس کے نسخ پر دلیل ہے۔ کما فی نور الانوار ص۱۵۵ وغیرہ۔

ثالثًا یہ روایت مسند احمد ص۱۲ ج ۳ میں ابوہریرہ رض سے بھی مروی ہے۔ اس میں یہ الفاظ کہ "امحضوا کتاب اللہ او اخلصوہ یعنی کتاب اللہ کو خالص رکھو" ثابت ہوا کہ صرف فقہا کا فہم المراد نہیں بلکہ نص بھی ہے۔

رابعًا کتابت حدیث کے جواز پر اجماع ہو چکا ہے جیسا کہ امام نووی نے شرح مسلم ص۴۱۲ ج ۲ میں اور علامہ عینی نے عمدۃ القاری ص۱۷۰ ج ۲ میں اس پر تصریح کی ہے اور اجماع خود دلیل ہے۔

خامسًا۔ فقہاء نے جو مراد سمجھی ہے اس کو صحیح سمجھنا بھی آپ کو فائدہ نہیں دے گا۔ کیونکہ یہ قضیہ اتفاقی ہے۔ اس لیے کہ فقہا فہم مراد میں ہمیشہ مصیب نہیں ہوتے ہیں آپ کا استدلال اس وقت صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ ہر وقت مصیب ہوں۔ امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ

ان القضایا التی یوثق بها هی التی تصدق ابدا الا التی تصدق مرۃ وتکذب اخری (التقریب لحد المنطق ص۶۸)

"اعتماد انہی قضایا پر کیا جا سکتا ہے جو کہ ہر وقت صادق آتے ہوں۔ نہ ان پر جو کبھی صادق آتے ہوں اور کبھی نہیں"۔

قولہ ص۶ س۱۰ "اجتهاد" الخ

اقول:۔ اس عنوان کے تحت اجتہاد کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ

"اور اصطلاح و شریعت میں اپنے فہم ثابت کے ذریعے سے احکام شرعیہ کو ادلہ تفصیلیہ سے معلوم کرنے کے لیے انہی طاقت فکریہ کو خرچ کر دینے کا نام اجتہاد ہے"۔ ص۶ س۱۳۔

پھر اس عبارت کی تشریح میں یوں لکھتے ہیں کہ

یعنی جو شخص براہ راست اپنی خداداد فہم کے ذریعے سے کتاب وسنت کے اصول وفروع کا اور دین کے مقاصد کلیہ اور جزئیہ کا استنباط اور استخراج کر سکے اور فرائض اور واجبات اور سنن اور مستحبات اور مفسدات اور مکروہات اور حلال وحرام اور جائز وناجائز کی تعیین اور تمیز کر سکے وہ مجتہد ہے"

اجتہاد کی حقیقت یہ ہے" صفحہ ۶ سطر ۱۵ ۔

اب ناظرین غور فرمائیں کہ یہ امام شوکانی کے سابق قول اور متاخرین پر متقدمین کی نسبت اجتہاد سہل وآسان ہے" کی تصدیق نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید کی تفاسیر کی کثرت کسی میں تفسیر بالروایات کسی میں لفظی تحقیق تو کسی میں احکام کا استنباط اور استخراج ۔ اسی طرح کتب احادیث کی کثرت پھر ہر ایک کتاب کی کئی شرح پھر اصول حدیث وفقہ کی کتب پھر قوانین عربیہ کے دفاتر کیا یہ سب اجتہاد کو آسان کرنے کے اسباب نہیں ہیں ۔ آج کل کے علماء ومفتیان کتابوں کو دیکھ کر متقدمین کی نسبت زیادہ آسانی کے ساتھ قرآن وحدیث سے مسائل نکال سکتے ہیں خود مصنف رسالہ" اجتہاد وتقلید" نے قواعد کی مدد سے دلائل سے استدلال کیا ہے ۔ کیا اب بھی وہ غیر مقلد نہیں ؟ ہر ایک مفسر نے ایک آیت سے کئی مسائل نکالے ہیں ۔ ایک کے بعد دوسرے آنے والے متأخر نے اسی آیت سے زیادہ مسائل نکالے ہیں ۔ اسی طرح ایک محدث نے کسی حدیث سے کچھ مسائل نکالے ۔ دوسرے متأخر محدث نے اسی حدیث سے زیادہ مسائل نکالے یہ دلیل ہے کہ اجتہاد دن بدن آسان ہو گیا ۔ آپ خواہ مخواہ اجتہاد کے بند ہونے کا دعوی کر کے لوگوں کا فطری حق ختم کر رہے ہیں ۔

قولہ صفحہ ۱۶ سطر ۳ "کسی دوسرے امام اور مجتہد کے استنباط کردہ اصول وفروع کو سمجھ لینے کا نام اجتہاد نہیں ہے" الخ

اقول: اولاً۔ امام ابو حنیفہ رحؒ نے حماد بن ابی سلیمان سے تفقہ حاصل کیا۔ چنانچہ خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال صـ۸ـ میں حماد بن ابی سلیمان کے ترجمہ میں ہے کہ

وعنہ ابنہ اسماعیل ومغیرۃ وابوحنیفۃ ومسعر وشعبۃ وتفقھوا بہ۔

"اس سے اس کے بیٹے اسماعیل مغیرہ ابو حنیفہ رحؒ مسعر اور شعبہ نے روایت کی اور تفقہ حاصل کیا"

کیا بقول تمہارے آپ امام ابو حنیفہ رحؒ کو بھی مجتہد نہیں کہیں گے؟

ثانیاً۔ یہ عبارت سابقہ عبارت کے خلاف ہے جو آپنے لکھا ہے کہ "جو شخص براہ راست اپنی خداداد فہم کے ذریعہ کتاب و سنت سے شریعت کے اصول و فروع" الخ یہاں مسائل معلوم کرنے والے کو مجتہد بتاتے ہیں۔

ثالثاً۔ جو کسی کے بتاتے ہوئے اصول کو بلا سوچ و تحقیق قبول کرتا ہے تو وہ بے شک مجتہد نہیں لیکن اگر وہ ان اصولوں میں سے جن کو از روئے دلیل صحیح جانتا ہے لے لیتا ہے اور جو غلط سمجھتا ہے ترک کر دیتا ہے۔ تو یہ بھی اجتہاد ہے اور صحیح اصل و غیر صحیح کو معلوم کرنا مجتہد ہی کا کام ہے۔

رابعاً۔ ائمہ اربعہ اور دوسرے ائمہ نے ایک دوسرے کے اصول میں جو باتیں صحیح پائی لے لی کیا ان کو بھی مجتہد نہیں کہیں گے؟ کئی اصولی باتیں امام شافعی نے امام مالک رحؒ سے لیں اور امام احمد رحؒ نے امام شافعی رحؒ سے لی ہیں۔

قولہ صـ۱۱ سطر۱۶ امام نحو زجاج فرماتے ہیں کہ استنباط کے معنی لغت میں کنواں کھود کر زمین کی تہہ سے پانی نکالنے کے ہیں (الی قولہ) دوسروں کے کھودے ہوئے کنویں کا پانی استعمال کرنے کا نام

استنباط نہیں۔"

اقول: اولاً نئے کھودنے کے بعد پانی کبھی میٹھا ہوتا ہے کبھی کھارا کبھی کڑوا اور کبھی سخت متعفن اور بدبودار۔ اس لیے اس میں بھی تحقیق کی ضرورت ہے ہر ایک اس کا ذائقہ چکھ کر پھر استعمال کرتا ہے کسی کی محض تقلید نہیں کرتا۔ اسی طرح استنباط میں بھی خطار کا احتمال رہتا ہے لہٰذا ہر ایک تحقیق کا مکلف ہے۔ دھوالاجتہاد۔

ثانیاً ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس وقت کھودنے کے آلات یعنی اجتہاد کے ذرائع و وسائل پہلے کی نسبت بہتر ہیں اور اجتہاد زیادہ آسان ہے۔ پس متقدمین سے متاخرین کے لیے کنواں کھودنا زیادہ سہل ہے۔

ثالثاً علی التقدیر علم بالدلیل مقلد کا وظیفہ نہیں بلکہ "مستندہ قول امامہ" پس دلیل کو معلوم کرنا خود اجتہاد ہے۔

قولہ: ص۱۶ س۱۳ "مجتہد کی تعریف"

اقول: اس عنوان کے زیر لکھتے ہیں کہ

"امید ہے کہ اجتہاد کی تعریف سے مجتہد کی تعریف بھی معلوم ہو گئی ہے۔"

ص۱۶ س۱۴۔

اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ اس وقت بنسبت پہلے کے مجتہد کے لیے آسانی ہے اور اقوال مختلفہ میں صحیح و غیر صحیح کی تمیز کرنا سہل ہے۔ ایسے وقت علماء کو مقلد کہلانا زیبا نہیں بلکہ ان کے لیے بدنما داغ ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ

"پس مجتہد وہ ہے جو اپنی خداداد قوت اجتہادیہ اور ملکۂ استنباط سے:"

"براہ راست کتاب و سنت سے مسائل شرعیہ کا استخراج اور استنباط

کرسکے" ص۱۶ س۱۵۔ بحمد اللہ اس وقت تفاسیر احادیث اور قوانین کی کتب کافی موجود ہیں۔ ہر ایک عالم حسب لیاقت براہ راست قرآن و حدیث سے مسائل کا استخراج و استنباط بآسانی کرسکتا ہے۔

قولہ ص۱۶ س۱۷ "محض کسی مجتہد کے استنباط کردہ مسائل اور دلائل کو سمجھ لینے سے مجتہد نہیں بن جاتا" الخ

اقول: لیکن یہ کام مقلد کا بھی تو نہیں پھر کیا منزلہ بین المنزلتین متعین فرمائیں گے۔

ثانیاً دوسرے مجتہد کی بات از روئے دلیل سمجھ کر لینا خود اجتہاد ہے "رجوع المجتہد الی مجتہد آخر لیس تقلید" کما ذکر۔

ثالثاً اس کو کم از کم عالم تو کہیں گے اور اوپر ذکر ہوا کہ مقلد بالاتفاق عالم نہیں شمار ہوتا

قولہ ص۱۶ س۳ "مجتہد وہ ہے جو کہ شریعت کے اصول کلیہ کو سمجھ کر ان سے جزئیات اور فروغ کا استخراج کرے"

اقول: آج تک علماء یہی کرتے چلے آئے ہیں تو کیا وہ سب مجتہد نہیں ہیں؟

قولہ ص۱۳ س۹ "طبیب وہ ہے جو پوری طب کے مزاج سے واقف ہو محض دس بیس دواؤں کے نام یاد کر لینے سے طبیب نہیں بن جاتا" الخ

اقول: طبیب کا نام صرف ان کے لیے خاص نہیں جنھوں نے علم طب کا ایجاد کیا اور قوانین طب وضع کیے بلکہ وہ شخص جو علاج معالجہ کرسکتا ہے اور دواؤں کے خواص و اثرات سے واقف ہے اس کو بھی طبیب کہا جاتا ہے۔ اس طرح جو کتب مطالعہ کر کے علم امراض و تشخیص علاج سے واقف ہو جاتا ہے وہ بھی طبیب کہلاتا ہے بس یہ قیاس درست نہیں چہ جائیکہ

قیاس بذات خود ما بین نزاعی مسئلہ ہے۔ وہوالثانی۔ ؕ ثانیاً جس طرح ہر زمانہ میں اطباء کا تجربہ ہوتا رہتا ہے اور نئی نئی چیزوں کے اثرات اور خواص معلوم ہوتے جاتے ہیں اور دنیا مان چکی ہے کہ اب معالجہ بنسبت پہلے کے آسان ہے۔ کیا اس طرح دلائل کا اس وقت جلد میسر ہونا نہیں بتاتا ہے کہ اجتہاد بھی پہلے سے زیادہ آسان ہے۔

قولہ ص۱۶۲ سطر۔۔ "شرائط اجتہاد" الخ

اقول، مصنف نے پانچ شروط ذکر کیے ہیں۔ شرط اول پر تقریر کرنے کے بعد خلاصہ یہ ذکر کرتے ہیں کہ

"غرض یہ کہ اجتہاد کی پہلی شرط یہ ہے کہ علوم عربیت میں حاذق اور ماہر ہو۔" ص۱۶۳ س۵ اور اس وقت عربیت کے وسائل بہت اور سہل الحصول ہیں اسی لئے تو علماء اب تک دواوین عربیہ اور رسائل ادبیہ کے شروح و حواشی لکھ رہے ہیں۔"

پھر شرط دوم اس طرح بیان کرتے ہیں کہ

"کتاب و سنت اور اقوال صحابہ و تابعین پر پورا مطلع ہو۔ قرآن کریم کی قراءت تواترہ اور شاذہ سے بخوبی واقف ہو اور آیات کے اسباب اور ناسخ و منسوخ سے باخبر ہو تاکہ قرآن کریم کی صحیح تفسیر کر سکے اور احادیث نبویہؐ سے بخوبی واقف ہو کہ اس مسئلہ میں کس قدر احادیث اور روایات مروی ہیں اور کون سی ان میں صحیح ہے اور کون سی ضعیف اور کون سی مرفوع ہے اور کون سی موقوف و مقطوع ہے۔۔۔۔ اور کس روایت کے راوی ثقہ اور عدول اور صدوق اور مقبول ہیں اور کس روایت کے راوی ضعیف

اور مستور الحال اور مجہول ہیں" الخ

یہ شرط بھی اب بھاری نہیں ہے کیونکہ ان سب باتوں کے متعلق کئی کتب لکھی جا چکی ہیں۔ تفاسیر قرآن کتب قرارت و شان نزول۔ اسی طرح کتب حدیث جن میں بعض ایسی ہیں جن میں اکثر مرفوع حدیثیں ہیں اور بعض ایسی ہیں جن میں آثار زیادہ ہیں مثلاً مصنف ابن ابی شیبہ مصنف عبدالرزاق سنن سعید بن منصور وغیرہ پھر بعض ایسی ہیں جن میں اکثر روایتیں صحیح ہیں۔ جیسے صحاح ستہ۔ صحیح ابن خزیمہ وغیرہا من الصحاح اور صحیح بخاری کو تو آپ بھی اصح الکتب مانتے ہیں اور صحیحین کی متفق علیہ حدیث اصولاً صحیح حدیث کی اقسام میں درجۂ اولیٰ رکھتی ہے پھر آیات و احادیث کے متعلق ناسخ منسوخ پر لکھی ہوئی کتب اسی طرح کثرت کتب احادیث سے روایات کی طرق اور الفاظ کی کمی و بیشی رد و بدل معلوم ہو جاتا ہے نیز اصول حدیث کے کتب پھر اسماء الرجال کی کتب ان فنون پر بے شمار کتابیں چھپی ہوئی خواہ قلمی کتب خانوں میں مل سکتی ہیں۔ پس ایسے لوگ جو ان کتابوں کا مطالعہ کر سکتے ہیں ان کو تقلید کی کیا پروا ہے سابقہ لوگ ایک ایک حدیث کے لیے ہزاروں میل طے کرتے تھے۔ وہ سب حدیثیں اس وقت یکجا مجموعہ اور کتاب کی شکل میں ملتی ہیں۔ کیا اب بھی اجتہاد آسان نہیں ہے؟۔

قولہ ص۶۳ سطر۱۵ "غرض یہ کہ احادیث نبویہ کا مع اسانید کے حافظ ہو"

اقول: اسی بنا پر تو عام محدثین کا حفظ فقہاء خود امام ابوحنیفہ رح سے بھی زیادہ ہے۔ پھر کیا فیصلہ کریں گے؟

ثانیاً۔ امام ابوحنیفہ رح کا قلیل الروایۃ ہونا مسلم ہے۔ خود لکھنوی صاحب "النافع الکبیر ص۱" میں تسلیم کرتے ہیں کہ "قلۃ الروایہ ہیں۔ دوسروں کی بنسبت آپ کے مذہب میں قیاس کے زیادہ ہونے کا باعث ہے اور مسند خوارزمی یا زبیدی میں جتنی روایات ہیں اکثر کی اسانید امام صاحب تک

پہنچتی ہیں نیز لکھنوی نے التعلیق الممجد ص۲۱۹ میں قلت کو تسلیم کیا ہے۔

ثالثاً۔ اس وقت بے شمار کتب حدیث چھپ کر علماء کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہیں اگر ایک حدیث کی تصحیح کرنا شروع کریں تو اس کے کئی طرق مل سکتے ہیں۔

قولہ ص۶۳ س۱۶ "اور سلسلہ اسانید میں جس قدر راوی واقع ہیں۔ ان کے احوال اور ان کے بارہ میں جرح و تعدیل کے کل اقوال اس کے سامنے ہوں"

اقول۔ بحمد اللہ اسماء الرجال کی کئی کتب طبع ہو چکی ہیں اور کئی قلمی ان کے علاوہ مکاتب کی زینت بنی ہوئی ہیں۔ جن کے دیکھنے سے سب اقوال سامنے آجاتے ہیں زمانہ سابق میں ایک راوی کے حال معلوم کرنے کے لیے بھی کئی بار سفر کیا جاتا تھا مگر اس وقت گھر بیٹھے وہ چیز مل جاتی ہے۔

قولہ ص۶۲ س۱۸ "اور بغیر کسی کی تقلید کے حدیث کی تصحیح اور تضعیف کر سکتا ہے"

اقول: جب معدلین اور جارحین کے سب اقوال سامنے ہوں گے تو ہر محقق اپنی تحقیق سے فیصلہ کر سکتا ہے کہ کسی کا قول صحیح اور راجح ہے۔ اسی کا نام اجتہاد ہے اور جرح و تعدیل کے اصول سب کو معلوم ہیں۔

قولہ ص۶۳ س۱۸ "اور بغیر کسی کی تقلید کے کسی راوی کی جرح و تعدیل کر سکتا ہو جیسے ابو زرعہ اور یحییٰ بن سعید القطان اور یحییٰ بن معین اور احمد الخ"

اقول: اگر یہ مراد ہے کہ ان کی طرح خود تحقیق کرے اور اقوال میں سے صحیح قول کا انتخاب کرے تو یہ اجتہاد ہے لیکن اگر یہ مراد ہے کہ کسی کا قول ہی نقل نہ کرے تو پھر یہ حضرات خود مقلد ٹھہرے۔ مثلاً ابو زرعہ کئی راویوں کی توثیق و تضعیف کرتے وقت دوسروں کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ ابو الحسن مہاجر الصائغ کی توثیق شعبہ سے اور بقیہ بن الولید کی

ترجیح اسماعیل بن عیاش پر ابن المبارک سے نقل کرتے ہیں اور یحیٰی بن سعید القطان ابراہیم بن ابی یحیٰی کی تضعیف امام مالک سے پوچھتے ہیں اور جبلہ بن سحیم اور داؤد بن فراہیج کی توثیق شعبہ سے نقل کرتے ہیں اور یحیٰی بن معین بقیہ بن الولید کی تعریف اور ہشام الدستوائی کی توثیق ابن المبارک سے نیز ایک حدیث "حذف السلام سنتہ" کی تعلیل نقل کرتے ہیں اور احمد بن حنبل ابو ہارون العبدی کی تضعیف اور حدیث ابی بشیر عن مجاہد کی تعلیل شعبہ سے نقل کرتے ہیں اور حماد بن زید سے جعفر بن سلیمان کی
توثیق اور وکیع سے حنظلہ ابن ابی سفیان کی توثیق اور عبدالوہاب کا مجاہد سے عدم سماع نقل کرتے ہیں۔ یہ سب مثالیں کتب جرح و تعدیل میں مذکور ہیں (بالخصوص "تقدمۃ المعرفۃ لکتاب الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم علی الترتیب ص۱۵۳/۱، ص۲۷/۱، ص۱۳۶/۱، ص۱۲/۱، ص۱۲۵/۱، ص۱۵۵/۱، ص۲۶۹/۲، ص۱۲۹/۱، ص۱۵۸/۱، ص۱۶۸/۱، ص۲۲۷/۲، ص۲۳۳/۲ دیکھیں۔ ایسی مثالیں بے شمار ہیں۔ پھر کیا ان سب کو مقلد کہیں گے؟ حاشا وکلا۔

قولہ ص۶۴ س۳ "اور خلفائے راشدین کے فیصلوں" الخ

اقول: جہاں ان کا اجماع ہے وہ حجت ہے اور اختلاف کے وقت حکم ہے "فَاِن تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول" یہ سب کام کتب کے مطالعہ کرنے والے پر آسان ہیں۔

ثانیاً خروج اس قول سے ناجائز ہے جو کہ نص سے موافق ہو۔

قولہ ص۶۴ س۸ "اور جو شخص حضرات محدثین کی کتابیں دیکھ کر احادیث صحیحہ و ضعیفہ میں تمیز کرتا ہے" الخ

اقول: اس کا جواب پہلے گزر چکا ہے۔ تحقیق کے ساتھ ان کے قول کی طرف رجوع

کرنا تقلید نہیں۔ کما مر۔

قولہ ص۶۱ س۱۱ "شرط سوم"

اقول: اس شرط کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"من جانب اللہ اس کو نور فہم اور فراست ایمانی سے خاص حصّہ ملا ہو۔ ذکاوت اور ذہانت ہی ایسا ممتاز ہو کر بڑے بڑے اذکیاء اور عقلاء کی گردنیں اس کے خداداد فہم کے سامنے خم ہوں۔ اجتہاد کے معمولی علم اور معمولی فہم کافی نہیں اجتہاد کے لیے ایسا غیر معمولی اور ادراک چاہیئے جو علماء، فضلاء، عقلاء اور اذکیاء میں ضرب المثل بن گیا ہو" ص۶۲ س۱۳۔

کسی نے یہ شرط مجتہد کے لیے نہیں ذکر کی۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ عالم کے لیے ذہن و ذکاوت چاہیے۔ اس کے بغیر عالم ہونا مشکل ہے اور عالم مجتہد ہی ہوتا ہے۔ کما مر۔ نیز امام ابوحنیفہ کے متعلق جو علماء نے رائے ظاہر کی ہے وہ ذکر ہو چکی ہے۔ کیا اس کو بھی مجتہد نہیں مانیں گے۔ حاصل یہ کہ "فوق کل ذی علم علیم" ہر شخص اپنے علم و استعداد کے مطابق اجتہاد کا مکلف ہے۔

قولہ ص۶۵ س۱ "شرط چہارم" الخ

اقول: اس شرط کی وضاحت یوں کرتے ہیں کہ

"ورع و تقویٰ کا مجسمہ ہو اس کی پیشانی اس کے تقویٰ اور پرہیزگاری کی شہادت دیتی ہو۔ حق پرست ہو۔ ہویٰ پرست نہ ہو الخ ص۶۵ س۳"

کیا ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے علاوہ کوئی ایسا متقی نہیں ہوا؟ معاذ اللہ۔ بلکہ ہمیشہ ہر زمانہ میں کئی بے شمار و لاتعداد اللہ کے ایسے بندے ہوتے چلے آ رہے ہیں اور رہیں گے۔ پھر

اجتہاد کے بند ہونے کا دعویٰ کب صحیح ہوا۔"

قولہ ص۶۵ س۹ "شرط پنجم"

اقول:۔ اس شرط کو یوں بیان کرتے ہیں کہ

"۱ اجتہاد اور استنباط کے طریقوں اور قیاس کی اقسام اور اس کے شرائط سے بخوبی واقف ہو" ص۶۵ س۹

قیاس تو حجت شرعیہ نہیں ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا اور اجتہاد کا مطلب خود آپ نے یہ بیان کیا ہے کہ قرآن وحدیث سے براہ راست مسائل نکالنا۔ سو موجودہ وقت میں جبکہ احادیث واصول مدون ہو چکے ہیں۔ اجتہاد ہر عالم کے لیے ممکن بلکہ سہل ہے۔ پھر عبارت بالا کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ

"یعنی قرآن وحدیث کی اقسام ظاہر نص مفسر مجمل محکم متشابہہ اور عبارۃ النص اور اشارۃ النص اور دلالۃ النص اور اقتضاء النص وغیرہ وغیرہ۔" ص۶۵ س۱

اولاً۔ یہ اصطلاحیں سب اہل علم کے ہاں معروف ہیں اور کتابوں میں درج ہیں اور ان کی مثالیں متداول ہیں پس ہر ایک مجتہد ہے نہ کہ مقلد۔

ثانیاً۔ آپ یہ اصطلاحیں جانتے ہیں یا نہیں؟ اور علی الاول آپ مجتہد ہیں۔ وعلی الثانی جو چیز آپ نہیں جانتے وہ لکھی کیوں؟ اور مدرسوں میں کیا پڑھا اور پڑھایا؟

ثالثاً۔ یہ اصطلاحیں متاخرین نے وضع کیں پس وہ مقلد ہوں گے یا مجتہد؟ علی الاول آپ کی یہ شرط غلط ہوئی نیز مقلد کیسے اصطلاح وضع کر سکتا ہے" وعلی الثانی پھر ان اصولوں پر چلنا ائمہ کی تقلید کیسے تصور کرتے ہو نیز اجتہاد کا جاری رہنا ثابت ہوا۔

رابعًا: کیا صحابہ یہ اصطلاحیں جانتے تھے اور ان کے ہاں معروف تھیں یا نہیں؟ علی الاول ثبوت درکار ہے وعلی الثانی کیا وہ بھی مجتہد نہیں تھے؟ پھر فرماتے ہیں کہ

"کیونکہ جس شخص کو عبارت اور اشارت میں اور عام اور خاص اور مطلق اور مقید میں فرق معلوم نہ ہو اسکو کیسے کتاب وسنت سے استنباط کا مستحق قرار دو گے اور مجتہد مانو گے"؟ پھر لکھتے ہیں کہ

"نیز اس کو یہ بھی معلوم ہو کہ قیاس کی کتنی قسمیں ہیں اور اس کی کیا شرائط ہیں" ص۶۵ س۱۴۔

یہ باتیں بحمد اللہ ہر طالب علم کو معلوم ہیں اور اجتہاد کی راہ ہر ایک کے لیے ہموار ہے۔ ایضًا جو سرے سے قیاس کا قائل ہی نہیں اس کے لیے کیا حکم ہے؟!

الحاصل:۔ یہ ایسے شرائط نہیں جو ائمۂ اربعہ کے بعد کسی میں نہ پائے جائیں۔

قولہ ص۱۶۶ س۱ "تقلید"

اقول:۔ اس پر بحث ہو چکی ہے کہ وہ قائم نہیں رہ سکتی اور نہ یہ علمی طریقہ ہے اور صاحب رسالہ نے جو اس عنوان کے تحت لکھا ہے اس کا جواب آتا ہے۔

قولہ:۔ ص۶۶ س۱، "تقلید کی حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اجتہاد کے درجہ کو نہ پہنچا ہو اس کا کسی عالم اور مجتہد کے علم اور فہم اور اس کے ورع اور تقویٰ کے اعتماد پر بلا دلیل معلوم کیے ہوتے اس کے قول اور فتویٰ پر عمل کرنے کا نام تقلید ہے"۔

اقول:۔ یہی تعریف پہلے بیان ہو چکی ہے۔ اولًا بلا دلیل معلوم کرنے کے کسی کے قول پر عمل یا فتویٰ کو امام ابو حنیفہ نے حرام قرار دیا ہے۔ کہ امر لیس امام صاحب کے فتویٰ کے مطابق جس تقلید کی آپ تعریف کرتے ہیں وہ واجب تو بجائے خود بلکہ حرام ہوئی

ثانیاً جو شرائط آپ نے لکھی ہیں وہ ہر عالم میں پائی جاتی ہیں۔ پس تقلید کی کوئی حاجت نہیں رہی۔

ثالثاً کیسے معلوم ہو کہ یہی امام علم و فہم اور ورع کے لحاظ سے معتمد علیہ ہے۔ یہ خود ضرب من الاجتہاد ہے۔ کما مضیٰ۔ نقلاً عن مسلم الثبوت۔

قولہ:۔ ص۶۶ س۳ "جس طرح بخاری شریف کی حدیث کو بلا سند معلوم کیے ہوئے صحیح تسلیم کر لینا تقلید فی الروایۃ ہے اسی طرح الخ۔

اقول:۔ معاذ اللہ! یہ تقلید ہرگز نہیں کیونکہ بخاری کی حدیث کو صرف اس لیے صحیح تسلیم نہیں کیا جاتا ہے کہ وہ صحیح بخاری میں ہے بلکہ اس لیے کہ ان کی حدیثوں کی صحت پر امت کا اجماع ہے جیسا کہ آپ نے بھی ص۹۲ س۱۸ پر تسلیم کیا ہے۔ پس یہ رجوع الی الاجماع ہے۔ جو تقلید نہیں۔ ففی فواتح الرحموت ص۴۰۰ ج ۲۔ مع المستصفی فالرجوع الی النبی علیہ وآلہٖ وصحبہ الصلوٰۃ والسلام والی الاجماع لیس منہ فانہ رجوع الی الدلیل اھ۔ اور فقیہ کے قول کو بلا دلیل قبول کرنے کو اس پر قیاس کرنا باطل ہوا۔

قولہ:۔ ص۶۶ س۶ "اور جس حدیث کو امام بخاری صحیح بخاری میں روایت فرما دیں اس کا صحیح تسلیم کرنا واجب ہے۔ اسی طرح جو مسئلہ امام ابو حنیفہ رح بیان فرما دیں اس کا تسلیم کرنا بھی واجب ہے۔"

اقول:۔ یہ قیاس مع الفارق ہے۔ اولاً مقیس علیہ مجمع علیہ ہے بخلاف المقیس ثانیاً امام ابو حنیفہ رح کا فرمان ہے کہ "اذا صح الحدیث فھو مذھبی" اور حرام علی من لم یعرف دلیلی ان یفتی بکلامی" سے ظاہر ہے کہ بخاری کی حدیث جس کی صحت پر اجماع ہے وہ امام صاحب کا مذہب ہے اور اپنے قول کو بلا دلیل قبول کرنے سے منع کرتے ہیں۔

ناظرین! ما شاء اللہ بخاری کی حدیث لینا تقلید نہیں امام کا قول لینا تقلید ہے۔ پس قیاس باطل ہے رائیگاں روایت میں جب تقلید ہو کہ بخاری کی حدیث کی صحت مدلل نہ ہو بلکہ اس کا مدلل ہونا۔ اُمّت کے ہاں مُسلم ہے۔ بخلاف قول الامام۔ اگر وہ مدلل ہے تو تقلید نہ رہی اور اگر مجرد عن الدلیل ہے تو قیاس غلط ہوا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

قولہ ص۶۶ س۱۱ "جس شخص کو حق تعالے نے قوت اجتہادیہ عطاء فرمائی ہو اس کو تقلید جائز نہیں۔ اس کو اپنے اجتہاد پر عمل کرنا واجب ہے"۔

اقول:۔ اجتہاد ہر عالم کے لیے آسان ہے پس بقول شما واجب ہوا نیز اجتہاد بند ہونے کا دعویٰ غلط ہوا کیونکہ آپ کو کیسے خبر ہوئی کہ اب کوئی اجتہاد پر قادر نہیں یہ رجما بالغیب فتویٰ ہے نیز کیا اللہ ایسی قدرت دینے پر اب قادر نہیں اور ائمہ اربعہ پر اس کی۔ معاذ اللہ۔ یہ قدرت ختم ہو گئی؟ اور اجتہاد کو نبوت تو آپ بھی نہیں کہتے جو قانوناً بند کردی گئی ہو۔

قولہ ص۶۶ س۱۳ "اور جو شخص اجتہاد کے درجہ کو نہ پہنچا ہے" الخ

اقول:۔ انسان دو قسم ہیں۔ عالم اور عامی۔ عالم کی شان تو اجتہاد ہے نہ تقلید۔ کما بینا اور عامی بھی مفتی کی طرف رجوع کرے گا اور یہ بھی فقہا کے نزدیک تقلید نہیں۔ چنانچہ "فواتح الرحموت" ص۴۰۰ ج ۲ مع المستصفی کی عبارت ابتدا میں ذکر ہوئی۔ نیز عامی مفتی سے حدیث ہی پوچھے۔ پس یہ اتباع روایت ہے نہ کہ رائے۔

قولہ ص۶۷ س۱۵ "علم طب ریاضی میں ہر شخص اپنے سے اعلم اور افضل کی اتباع کو عین عقل اور دانائی سمجھتا ہے پھر کیا وجہ ہے کہ دین میں اپنے سے اعلم اور اتقی کے اتباع کو ناجائز اور شرک سمجھا جاتے۔

اقول :۔ اولاً۔ ان فنون میں بھی تحقیق جاری ہے کئی باتوں میں متاخرین نے متقدمین سے اختلاف کیا ہے۔ ثانیاً حکیم اپنے اعلم سے نسخہ ضرور حاصل کرتا ہے لیکن اگر اس کے تجربہ کے بعد صحیح پاتا ہے تو استعمال کرتا ہے ورنہ نہیں۔ جس کے معنی کہ ان امور میں تقلید معیوب چیز ہے۔ ثالثاً۔ وعلی التقدیر دینی مسائل کا ان پر قیاس نہیں ہو سکتا کیونکہ مسائل کی دو صورتیں ہیں اجماعی یا اختلافی۔ پہلی صورت میں اجماع دلیل ہے اور دوسری میں کسی کے اتباع کی اجازت نہیں بلکہ قرآن و حدیث کی طرف رجوع کا حکم ہے۔ فاین هذا من هذا۔ قولہ ص۹۶ س۱۷ "تقلید ایک امر فطری ہے"

اقول : بالکل غلط اولاً فطری امر تحقیق ہے انسان کو اللہ تعالیٰ نے دل و دماغ ذہن ذکاوت عطا فرمائی ہیں۔ یہ سب چیزیں تحقیق کے وسائل ہیں۔ ثانیاً اگر یہ ہوتا تو دنیا میں کوئی مجتہد نہ ہوتا سب مقلد ہوتے اور اجتہاد معیوب سمجھا جاتا کیونکہ فطرت میں سب برابر ہیں ثالثاً کیا پوری امت میں فطرت سے متاز صرف چار امام ہوتے۔ رابعاً۔ کیا۔ معاذ اللہ وہ چاروں فطرت کے خلاف اور آیت: "فطرة الله التى فطر الناس عليها لا تبديل لخلق الله" (الروم ع۴ پ۲۱) کے منابذ ہوتے۔ خامساً۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کفار کی مذمت کی کہ وہ بلا دلیل آباء کے پیچھے لگے ہیں۔ مثلاً "حسبنا ما وجدنا عليه اٰباءنا" "وانا علىٰ اٰثارهم مقتدون" اگر تقلید فطری چیز ہوتی تو ان کی اس پر مذمت نہ کی جاتی۔

قولہ:۔ ص۹۶ س۱۸ "جو شخص اپنے سے اعلم اور افضل کے اتباع کو عار سمجھے وہ ہمیشہ کمال سے عاری اور محروم رہتا ہے"

اقول: اتباع یا تقلید؟ اتباع بالدلیل ہوتا ہے اور تقلید بلا دلیل جیسا کہ اوپر بیان ہوا اور بحث تقلید میں ہے نہ کہ اتباع میں۔

قولہ ص۹۷ س۱ "کوئی کمال بدون تقلید کے حاصل نہیں ہو سکتا ہے"

اقول: بلکہ تقلید اور دلیل نہ پوچھنا ہی کمال کو مانع اور ترقی میں سدراہ ہے۔ سعدی شیرازی نے کیا خوب کہا ہے ؎

سوالت صواب است و فعلت جمیل
بمنزل رسد ہر کہ جوید دلیل
عبادت بتقلید گمراہی است
خنک راہروے را کہ آگاہی است

نیز یہاں کمال سے مراد علم میں کمال ہے اور تقلید طریق الی العلم نہیں ہے جیسا کہ ابتداء میں امام غزالی کا قول گزرا اور یہ بالکل واضح ہے کہ جو تقلید نہ کرے گا وہ خود قرآن و حدیث میں مسائل کی تلاش کرے گا۔ صحابہ تابعین اور متاخرین کے اقوال و دلائل کو دیکھے گا۔ اسی طرح اس کا علم بڑھتا جائے گا اور اس تحقیق کے ضمن میں اس کو کئی مسائل معلوم ہوتے جائیں گے اور کئی راویوں کا حال کئی الفاظ کے معانی اور کئی محاورات معلوم ہوتے جائیں گے اور روزمرہ اس کے علم میں اضافہ ہوتا جائے گا اور یہ چیزیں روزانہ ہمارے تجربہ میں آتی رہتی ہیں لیکن مقلد کا یہ حال ہے کہ اس کو ان چیزوں کا علم کبھی حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔ ثابت ہوا کہ تقلید ہی کمال تک پہنچنے سے مانع ہے۔

قولہ ص۶۷ س۲ "معمولی صنعت و حرفت میں بھی بغیر تقلید کے کام نہیں چلتا"
اقول:۔ دین صنعت و حرفت نہیں بلکہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لیا جاتا ہے۔

"اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء قلیلا ما تذکرون" (الاعراف ع۱پ۸)

نیز صنعت و حرفت میں بھی ہر ایک اپنے دماغ سے کام لیتا ہے۔ کسی کے سمجھانے کے بعد بھی اگر اس کو سمجھنے میں بات نہیں آتی تو وہ کام نہیں کر سکتا ہے۔ گویا ہر چیز میں غیر مقلدیت ہے۔ اسی طرح ہر زمانہ میں نئی نئی حرفتیں ایجاد ہوتی جاتی ہیں کسی خاص زمانہ میں نہیں۔

قولہ: ص ۶۷ س ۳ "افسوس جو حضرات ائمہ یھدون بامرنا" کے مصداق ہوں ان کی تقلید اور اتباع کو شرک کہا جاتے" الخ

اقول: "بامرنا" ہی سے ظاہر ہے کہ دلیل سے اتباع ہو اور تقلید اس سے منافی ہے اتباع کو کوئی شرکت نہیں کہتا ہے اور اپنی ہوی نفس کا اتباع یہ ہے کہ اختلاف ائمہ کے وقت جس کو چاہے اس کے پیچھے لگ جاوے۔ اس لیے اختلاف کے وقت تقلید کا حکم نہیں دیا بلکہ غیر مقلدیت سکھائی اور دلیل کی طرف لوٹنے کا حکم دیا۔

قولہ ص ۶۷ س ۷ "جس طرح غیر طبیب کو طبیب کی اتباع لازمی ہے" الخ

اقول: لیکن طبیب کو طبیب کی اتباع لازم نہیں۔ اسی طرح عالم کو عالم کا اتباع لازم نہیں ہے۔ ہاں جس طرح ایک طبیب دوسرے طبیب سے نسخہ معلوم کرتا ہے جو مجرب ہے اس میں دراصل اس طبیب کا اتباع نہیں بلکہ اس نسخہ کے موجد کا ہے وہ بھی تجربہ کے بعد گویا کہ اتباع دلیل ہے نہ تقلید۔ اسی طرح ایک مجتہد کو کسی مسئلہ کے متعلق کوئی دلیل معلوم نہ ہو اور دوسرے مجتہد نے بتادیا تو یہ اتباع اس واضع شرع صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہوا نہ کہ اس مجتہد کا۔

قولہ ص ۶۷ س ۱۰ "جو شخص اردو تراجم دیکھ کر علاج کرنے کے لیے تیار ہو جائے وہ تو نادان ہے" الخ۔

اقول یہ جب کہ دواؤں کے لینے میں فائدہ ونقصان دونوں کا احتمال رہتا ہے لیکن حدیث کی اتباع میں کوئی خطرہ نہیں ہے بلکہ اگر اجتہاد میں خطاء واقع ہوئی تو بھی اس کو ایک اجر ملے گا اور خطاء اس پر معاف ہے۔ کما ہو نص الحدیث۔ پس غیر عربی دان احادیث کا ترجمہ دیکھ کر اس پر عمل کرے گا تو کوئی ملامت نہیں کیونکہ اگر مصیب ہوا تو دو اجر اگر مخطی ہے تو بھی ایک اجر ملے گا اور خطاء پر مواخذہ نہیں۔ پس ایسے اسلم طریقہ کو طبیب پر قیاس کرنا جو کہ خوف کا طریقہ ہے ہرگز روا نہیں۔ نیز طبیب کا قول و فیصلہ قطعی نہیں اور نبوی فیصلہ قطعی ہے ع

ببیں تفاوت از کجاست تا بکجا

ایضاً طبیب معصوم نہیں اس پر معصوم کو قیاس کرنا سخت نادانی ہے بلکہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخت ترین توہین ہے۔

قولہ ص۶۷ س۱۵: ہر مسلمان اس امر کو بخوبی جانتا ہے کہ تمام امور میں اصل حکم احکم الحاکمین کا ہے۔ (الی قولہ) اس لیے کہ ائمۂ دین جو کچھ بھی اجتہاد اور استنباط کرتے ہیں وہ سب کچھ کتاب و سُنت سے ماخوذ ہوتا ہے۔" ص۶۸ س۱۔

اقول:۔ نبیوں کی اطاعت کا تو حکم ہے اور ان کی اطاعت بعینہٖ اللہ کی اطاعت کہی گئی ہے اور ان کے سب کچھ فرامین وحی ہوتے ہیں لیکن غیر نبی کو یہ مقام حاصل نہیں۔ اس کی اطاعت علی الاطلاق اللہ کی اطاعت نہیں کہی جا سکتی۔ اس کے اجتہاد میں خطاء وصواب دونوں کا احتمال رہتا ہے اور اس اجتہاد کی اطاعت بعینہٖ اللہ کی اطاعت ہو گی جو کہ مصیب واقع ہو نہ کہ خطاء بھی ہو۔ پس تحقیق ضروری ہے اور تقلید راہ پُر خطر ہوئی اور نبیوں کی اطاعت میں خطاء کا قطعاً احتمال نہیں۔ لہٰذا وہ بعینہٖ اللہ کی اطاعت ہے پس ائمہ

کی اطاعت کو نبیوں کی اطاعت کی طرح بعینہٖ خدا کی اطاعت سمجھنا غلط ہوا اور یہی شرک فی الالہیۃ ہے کہ بغیر سوچے سمجھے اور خطاء و صواب کی تمیز کرنے کی کسی اطاعت کو بعینہٖ خدا کی اطاعت سمجھی جاتے۔ حالانکہ مانتے ہو کہ "ان الحکم الا للّٰہ" بلکہ اسی میں یہ بھی خطرہ ہے کہ اگر وہ مجتہد جس کی تقلید کرتا ہے کسی مسئلہ میں اگر مخطئ ہے اور ہونا بھی لازمی ہے تو یہ بلا علم خدا کی طرف کسی حکم کی نسبت کرنی ہے۔ حالانکہ ایسا کرنا شرعاً حرام ہے۔ ففی القرآن الکریم۔ قل انما حرم ربی الفواحش ما ظھر منھا وما بطن والاثم والبغی بغیر الحق وان تشرکوا باللّٰہ مالم ینزل بہ سلطانا وان تقولوا علی اللّٰہ مالا تعلمون (الاعراف ع ۴ پ ۸) اور اسی بنا پر تقلید شخصی کو شرک فی الرسالۃ کہا گیا ہے کیونکہ مجتہد کا مخطئ و مصیب ہونا سکتہ ہے۔ پس اس کا قول بلا دیکھے حدیث اس کو مانا جائے تو یہ اس کو مقام نبوت دینا ہے کیونکہ یہ حق صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے نہ کسی دوسرے کا۔ ایضاً خطاء والی صورت میں اس کی اطاعت کرنا پھر اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کہنا۔ آپ کی طرف غلط نسبت کرنے کے مترادف ہے۔ ایضاً نبیوں کی اطاعت کو تو اللہ نے اپنی اطاعت کہا ہے لیکن ائمہ کی اطاعت کو نبیوں کی اطاعت نہیں فرمایا۔ بلکہ جہاں حدیث میں یہ وارد ہے کہ:

"من اطاع امیری فقد اطاعنی"

وہاں یہ بھی حکم ہے کہ

"لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق" (بخاری ص ۱۵۸ ج ۲ مصری)

اس میں ایک واقعہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کسی انصاری کی قیادت میں بھیجی اور ان کو اس امیر کی اطاعت کا حکم دیا۔ بعد میں امیر ناراض ہوا تو ان سے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے آپ کو میری اطاعت کا حکم نہیں دیا؟ انھوں نے کہا ہاں! امیر نے کہا کہ لکڑیاں جمع کر کے آگ جلاؤ اور اس میں داخل ہو جاؤ۔ انھوں نے آگ جلائی لیکن اندر جانے سے تامل کیا بعض نے کہا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آگ سے بچنے کے لیے لگے ہیں پھر آگ میں کیسے داخل ہو جائیں؟ بالآخر آگ ختم ہوئی اور اس کا غصہ بھی ختم ہوا۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ

لو دخلوھا ما خرجوا منھا ابدا انما الطاعۃ فی المعروف

اگر یہ لوگ اس آگ میں داخل ہوتے تو کبھی اس سے نہ نکلتے۔ اطاعت صرف نیکی کی باتوں میں ہے۔

اگر تقلید درست ہوتی تو اسی شخص کی ہوتی جس کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خود امیر مقرر کیا اور ان پر اس کی اطاعت لازم قرار دے دی لیکن جب یہاں بھی تقلید خطرناک ثابت ہوئی تو دوسروں کی اطاعت بلا تحقیق کیسے درست ہوگی۔ امام بخاریؒ نے اس حدیث پر یہ باب رکھا ہے کہ باب "السمع والطاعۃ للامام مالم تکن معصیۃ" پس معصیۃ کا علم جب ہوگا کہ تحقیق کی جائے کہ اس امام نے جو اس چیز کو حلال یا حرام قرار دیا ہے یا اس قسم کے نکاح کو درست یا باطل کہا ہے یا اس فعل کو ناقض الوضوء لکھا ہے یا اس بیع کو باطل بتایا ہے یا اس قسم کھانے والے کو حانث کہا ہے یا اس پر حد لگانے کا حکم دیا ہے یا اس سے معاف کر دیا ہے۔ یہ قرآن وحدیث سے موافق ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو لیا جائے ورنہ ترک کر دیا جائے۔ اسی کو اجتہاد کہتے ہیں۔ تقلید اس کے منافی ہے۔ کہ دلیل پوچھی جائے یا دیکھی جائے پس تقلید خطرۂ عظیم ہے اور ائمہ کی اطاعت کو بعینہٖ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کہنا بھی غلط ہے بلکہ وہ مشروط ہے۔ اگر حکم ایزدی یا نبوی کے موافق ہے تو وہ اطاعت صحیح ہے ورنہ باطل بلا تحقیق نبی ہی کی بات مانی جاتی

ہے دوسرے کو یہ حق دینا ان کے ہم پلہ قرار دینا ہے۔ فتدبر۔

اسی طرح مصنف رسالہ کا یہ کہنا کہ "جس طرح انبیاء کرام کی اطاعت عین حق تعالیٰ کی عبادت ہے۔ اس طرح ائمۂ دین کی اطاعت بھی بلاشبہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے۔" نبیوں کا فرمان اللہ کا فرمان ہے اور ائمہ کا فرمان ان کے فہم و اجتہاد کا نتیجہ ہے جو تحقیق کا محتاج ہے اور اس سے آپ کا یہ کہنا بھی غلط ہوا کہ "ائمہ کا اجتہاد کتاب و سنت سے ماخوذ ہے۔" کیونکہ بلاشبہ اخذ کرنے میں ان کی نیت خالص ہے مگر ان سے اکثر خطاء بھی ہو جاتی ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ انکے سب احکام قرآن و حدیث سے ماخوذ نہیں ہیں۔

قولہ ص۶۸ س۱۱ "اسی اطاعت کا نام اصطلاح فقہ میں تقلید ہے۔"

اقول: لیکن اس میں خطرہ ہے کیونکہ خبر نہیں کہ وہ عین حکم خداوندی ہے یا نبوی ہے یا نہیں۔

قولہ ص۶۸ س۱۔ "یعنی ائمۂ دین کے واسطے سے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور اتباع۔"

اقول: اگر واسطے سے یہ مراد ہے کہ آئمہ ثقات سے روائت کی سند ملا کر اس پر عمل کیا جائے تو یہ روائت اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے۔ نہ اس ناقل کی اور اگر اس کا فہم و اجتہاد مراد ہے تو تحقیق کا محتاج ہے کیونکہ اس میں خطاء کا امکان ہے اور مقلد ہمیشہ خطرہ میں رہتا ہے۔

قولہ ص۶۹ س۱ "اور جس طرح حکام ماتحت کی اطاعت سراسر حکام بالادست کی اطاعت سمجھی جاتی ہے۔" الخ

اقول: لیکن ان کی اطاعت بھی تقلید نہیں کیونکہ ان کے پاس بالا حکام کی لیسی اتھارٹی موجود ہوتی ہے اور وہ ائمہ کو حاصل نہیں، صرف نبیوں کو ہے اور ائمہ کے اتباع کا حکم صرف اجماعی صورت

میں ہے جیسا کہ آپ آیت "اولی الامر منکم" سے ص۲۸ سطر۱۷ میں اجماع علماء مراد لے آئے ہیں اور جہاں اختلاف ہے تو وہاں دوسرا حکم ہے کہ "فان تنازعتم فی شیئ" الآیۃ

قولہ ص۶۹ سطر۶ "ہاں اگر کوئی نادان کسی امام کی اس خیال سے تقلید کرے کہ ان احکام کا واضع اور شارع درحقیقت یہی امام ہے اور اس کو اختیار ہے کہ جس چیز کو چاہے حلال کرے اور جس کو چاہے حرام کرے تو یہ تقلید بلاشبہ حرام بلکہ شرک اور کفر ہوگی چونکہ اس قسم کی تقلید یہود و نصاریٰ میں موجود تھی۔ اس لیے قرآن نے اس کی مذمت کی "اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ" ایسی ہی تقلید کے بارے میں ہے"

اقول:۔ جزاك الله۔ آپ نے خود ہی تقلید کو واشگاف کر دیا۔ جناب من! تقلید ایسی ہی ہوتی ہے مثال کے طور پر سنو! ایک چیز امام ابوحنیفہ رح حرام کہتا ہے، امام شافعی حلال اور امام مالک رح مکروہ اور امام احمد رح مستحب کہتا ہے۔ اب کیا کریں گے؟ دلیل کی طرف رجوع کریں گے یا کسی ایک ہی قول کو لیں گے؟ علی الاول آپ غیر مقلد ہوئے وعلی الثانی وہی بات ہوئی کیونکہ آپ نے اسی امام کے قول کو شریعت سمجھا اسی کو دلیل اور واضع قرار دیا اور اپنے آپ کو قرآن و حدیث سے مستغنی سمجھا اگر کہو گے کہ ہم نے اس حسن ظن کی بناء پر لیا کہ یہ امام اعلم ہے۔ احادیث کو جانتا ہے تو بھی غلط ہوگا کیونکہ ایسا کہنے کا باقی تین مذہب والوں کو بھی حق حاصل ہے۔ پس ترجیح کسے دو گے؟ دلیل سے؟ یہ تو ترک التقلید ہے اگر نہیں تو یہ غلو کے سوا کوئی صورت نہیں اور ایسے غلو نے یہودیوں اور نصرانیوں کو تقلید میں مبتلا کیا۔ عجب تو یہ ہے کہ مجتہدین میں سے بہتر کا انتخاب مقلدین کریں اور متبوعین اہتر تابعین قاضی رہیں پھر بھی مقلد کے مقلد۔

قولہ ص۶۹ سطر۱۲:۔ "لیکن اگر کوئی شخص کسی امام اور مجتہد کی بایں خیال تقلید کرے کہ یہ شخص اپنے نور فہم اور نور تقویٰ سے احکام شریعت کا شارح ہے معاذ اللہ احکام کا واضع اور شارع

نہیں بلکہ ہمارے اور شارع علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے درمیان صرف واسطہ فی البیان اور واسطہ فی التفہیم ہے تو ایسی تقلید " فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون " پر عمل کرنا ہے "

اقول : یہی تقلید کا استیصال ہے اولاً جب ہم نے اس کو اصل متبوع قرار نہیں دیا اور واسطے تو کئی ہیں چند معدود سے نہیں۔ ان کا اختلاف لازمی ہے اور مشاہدہ میں آچکا ہے پس رجوع الی الکتاب والسنتہ لازم ہوا تقلید نہیں رہی۔ ثانیاً ان کی تفہیم اور ان کا بیان متحمل خطاء بھی ہے اور ان کا اختلاف بھی اس پر دلیل ہے کیونکہ حق ایک ہو گا نہ کہ الشئی وضدہ دونوں حق ہوں۔ پس بلا تحقیق اتباع میں بڑا خطرہ ہے اور اجتہاد ہر ایک کے لیے ضروری رہا۔ ثالثاً مقلد کو کیسے پتا لگ سکتا ہے کہ فلاں شخص امامت کا اہل یا صاحب تقویٰ و فراست یا احکام استنباط کرنے کے لائق ہے۔ پہلے تو وہ خود امامت کا اہل یا صاحب تقویٰ و فراست یا احکام استنباط کرنے کا لائق ہے۔ پہلے تو وہ خود امامت کے شرائط سے واقف ہو پھر کسی کے امام ہونے کا فتویٰ لگائے پھر خود فراست رکھتا ہو تاکہ معلوم کر سکے کہ فلاں صاحب فراست ہے اور اس کی فراست اکثر مصیب رہتی ہے نیز احکام شریعت کے استنباط کا علم اس کو ہو اور اجتہاد صحیح و غلط میں فرق کر سکتا ہو۔ یہ جب ہو گا کہ دلیل اور دلالت کی واقفیت رکھتا ہو ورنہ اس کو کیا خبر کہ جس کو میں نے قیادت و امامت کے لیے منتخب کیا ہے۔ یہ انتخاب صحیح ہے یا غلط اور اگر اس میں یہ سب وصف موجود ہیں تو وہ خود مجتہد ہے اور بقول شما اس پر تقلید نا جائز ہے۔ رابعاً جو آیت آپ نے لکھی ہے اس پر بحث اپنے مقام پر آئے گی۔

قولہ ص۲۹ سطر۱۔ ائمہ اربعہ جن کے اجتہاد اور استنباط کا ماخذ ادلہ شرعیہ ہیں ان کی تقلید کو مشرکین مکہ کی تقلید پر قیاس کرنا صریح نادانی ہے " الخ

اقول : اخذ میں کئی بار خطاء واقع ہو جاتی ہے ایک امام کسی آیت یا حدیث کا ایک مطلب

لیتا ہے تو دوسرا اور لیتا ہے لہذا اجتہاد کی ضرورت ہوئی تاکہ خطرہ سے بچاؤ ہو اور مشرکین مکہ صرف بلا علم آباء کے پیچھے لگے تھے۔ ان کے پاس کوئی دلیل نہ تھی۔ اس لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "او لو کان اباءھم لا یعقلون شیئا و لا یھتدون"۔ (البقرۃ ع ۲۱ پ ۲) یعنی یہ لوگ اپنے آباء و اجداد کے پیچھے لگتے ہیں اگرچہ وہ نہ تو کچھ عقل رکھتے ہوں اور نہ ہدایت والے ہوں یعنی ان کو یہ علم نہیں کہ ہمارے آباء و اجداد حق پر تھے یا نہیں اس طرح مقلد کو بھی علم نہیں کہ امام کا قول دلیل کے موافق ہے یا مخالف۔ بلا دلیل دیکھے ایسا ہی اتباع ہوتا ہے۔ بلا شک آباء مشرکین "لا یعقلون شیئا و لا یھتدون" کے مصداق تھے اور خلاف ما انزل اللہ کی لوگوں کو تلقین کرتے تھے لیکن مقلدین کا بھی تو یہی حال ہے کئی بار ائمہ کا قول قرآن و حدیث کے خلاف ہوتا ہے اور وہ سمجھنے و استنباط کرنے میں مخطی ہوتے ہیں اور ان کا حکم "ما انزل اللہ" کے خلاف ہوتا ہے۔ پھر بھی مقلدین بلا تحقیق اور دلیل دیکھے ان کو مان لیتے ہیں یہ بعینہٖ ان مشرکین کا طریقہ ہے۔

قولہ صفحہ ۱۰: "بخلاف ائمہ اربعہ کے وہ سب کے سب عاقل اور مہتدی تھے اور "ما انزل اللہ" کے متبع اور اس کے مفسر اور شارح تھے۔"

اقول: لیکن ان کا اختلاف بتایا ہے کہ ان میں سے کسی مسئلہ میں ایک مصیب ہے دوسرا مخطی اسی طرح دوسرے مسئلہ میں ایک مخطی دوسرا مصیب ہے علیٰ ہذا القیاس۔ پس بلا تمیز خطاء و صواب ان کا اتباع بعینہٖ مشرکین کی پیروی ہوئی نیز یہ عقل و ہدایت ان چار میں منحصر نہیں ہے۔

قولہ صفحہ ۳۰: "اور ائمہ مجتہدین کی تقلید ایسی تقلید آبائی ہوگی جیسا کہ قرآن کریم میں تقلید آبائی کے متعلق یوسف علیہ السلام کا یہ لفظ آیا ہے کہ "واتبعت ملۃ اٰبائی ابراھیم و اسحاق و یعقوب" الخ۔"

اقول: آبائے یوسف، ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام سب انبیاء تھے اور نبی

کی اطاعت مدلل ہے۔" من یطع الرسول فقد اطاع اللہ" (النساء ع ۱۱) یہ تقلید نہیں اسی لیے یوسف علیہ السلام نے "اتبعت" کہا "قلدت" نہیں کہا پس اس پر قیاس کرنا بھی غلط ہے بلکہ ائمہ جن کو غیر معصوم بھی کہتے ہو۔ ان کو نبیوں کی اطاعت کے برابر کہنا غلو ہے۔ اسی طرح نبیوں کی اتباع کو تقلید کہنا بھی سخت ظلم ہے۔ گویا آپ نے نبیوں کے احکام کو غیر مدلل بنا دیا۔ استغفر اللہ۔

قولہ صث سے " اور حدیث میں آیا ہے کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں"

اقول :۔ لیکن یہ نہیں کہ ان کے بدل ہیں۔ معاذ اللہ نیز نبوی ورثہ قرآن و حدیث ہے۔ اس کا لینا اتباع روایت ہے نہ اتباع رائے۔

قولہ صث سے اور قرآن کریم سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ جو شخص باقاعدہ عالم نہیں اور قرآن و حدیث سے استنباط کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس کے لیے یہ ہرگز ہرگز روا نہیں کہ وہ اپنے ناقص اور ناتمام فہم کی تقلید کرے۔"

اقول :۔ بعینہ یہ الفاظ قرآن میں نظر نہیں آئے البتہ یہ ہے کہ " اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء (الاعراف) اور ناقص الفہم سے کیا مراد ہے؟ اگر کم علم مراد ہے تو وہ بحسب علم اپنے اتباع کا مامور ہے " لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا" (البقرۃ) اور باقی مسائل میں سکوت یا لا ادری یا مشاورۃ اہل العلم ہوگا اور بالآخر دلیل ہی کا اتباع ہوگا نہ کہ تقلید۔

قولہ صث سنا، ہر عاقل پر یہ بات واضح ہے کہ تشخیص مرض اور تجویز نسخہ میں حکیم حاذق کے مقابلہ میں نیم حکیم کی رائے کا کیا اعتبار ہے۔ چہ جائیکہ مریض خود اپنا علاج کرنے لگے۔

اقول :۔ کیا حاذق حکیم سے خطاء واقع نہیں ہوسکتی؟ ضرور ہوتی ہے اور کئی بار ہوتی ہے۔ یہی تقلید کے بطلان کی دلیل ہے کیونکہ ائمہ خواہ کتنے ہی مقام کو پہنچے ہوں، خطا سے مبرا نہیں۔

ان کا فتویٰ کئی بار غلط ہو جاتا ہے اور کتاب و سنت سے موافق نہیں ہوتا۔ اس لیے بلا تحقیق ان کا قول لینا بہت خطرناک ہے جیسا کہ کئی بار مریض خود کتابیں دیکھ کر اپنا علاج خود کر کے درست نہیں ہو جاتا ہے، ضرور ہو جاتا ہے اور کئی بار ایسا ہوا ہے۔ اسی طرح کم علم والا بھی اگر خود تحقیق کرے تو اس کو حق پہنچتا ہے ہر وقت ممکن ہے۔ پس کیوں ان کو خدائی نعمت (اجتہاد) سے محروم کر کے اور جہالت کے گڑھے (تقلید) میں ان کو مبتلا کرتے ہو۔ اللہ سے ڈرو۔

قولہ صفحہ ۱۳۱ "وجوب دلائل تقلید"

اقول ان کی حقیقت ظاہر کرنے کے بعد قارئین دیکھ لیں گے کہ آیا یہ دلیل ہونے کی حیثیت رکھتے ہیں یا ان سے تقلید کا ثبوت ملتا ہے یا نہیں؟

قولہ صفحہ ۱۳۱ "شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے عقد الجید میں امام بغوی سے نقل کیا ہے کہ شروط اجتہاد پانچ ہیں جس میں اجتہاد کی ایک شرط بھی مفقود ہو جائے اس کو تقلید کے سوا چارہ نہیں"

اقول:۔ اگر وہی شرطیں ہیں تو ان کا بیان ہو چکا ہے اور فی زمانہ اجتہاد سہل ہے۔ اگر کوئی دوسرا ہے تو بیان کریں نیز "مسلم الثبوت" میں ہے کہ

"الاجتهاد بذل الطاقة من الفقيه فى تحصيل حكم شرعى ظنى"

اور اسی طرح "التحریر لابن الہمام" صفحہ ۵۲۳ میں ہے کہ پس ہر عاقل اور سمجھدار کا یہ کام ہے کہ مسئلہ معلوم کرنے کے لیے خلوص نیت سے اپنی علمی طاقت صرف کرے اگر مصیب ہے تو دو اجر اور اگر مخطی ہے تو خطا معاف اور ایک اجر۔

قولہ صفحہ ۱۵۱ "آیت اولیٰ قال تعالیٰ "فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون" الخ

اقول: تقریر استدلال اس طرح لکھتے ہیں کہ:

"معلوم ہوا کہ جو شخص نہ جانتا ہو اور اس کو علم نہ ہو تو اس پر فرض ہے کہ جاننے والے سے پوچھ کر عمل کرے اور یہی تقلید ہے" ص۱۱۱ ج۲۔

ثابت ہوا کہ عالم کے لیے تقلید ضروری نہیں۔ اسی طرح غیر عالم کے لیے بھی مسئلہ آسان ہے کیونکہ قرآن واحادیث کا ترجمہ ہر زبان میں ہو چکا ہے پس وہ بھی نصوص کی اتباع کر سکتا ہے عجیب تر یہ ہے کہ فقہ کی کتابوں کا ترجمہ دیکھ کر لوگ عمل کر سکتے ہیں لیکن تراجم احادیث دیکھ کر نہیں کر سکتے؟

ایضاً عامی پر بھی یہی حق ہے کہ عالم سے حدیث ہی پوچھے نہ کہ اس کی اپنی یا کسی اور کی رائے۔ پس حدیث سننے کے بعد وہ حسب طاقت اس پر عمل کرے گا۔ یہ تقلید نہیں نص کی اتباع ہے۔ اگرچہ وہ اس کو غلطی سے ضعیف یا منسوخ حدیث بتاتا ہے لیکن پھر بھی وہ حسب طاقت اتباع اسی چیز کا کر رہا ہے جس کی اتباع کا مامور ہے اور ساتھ ہی "لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا" میں داخل ہے لیکن تقلید یہ ہے کہ اس کی رائے پوچھے اور بغیر پوچھے حدیث اس پر عمل کرے۔

ثانیاً آیت سے ظاہر ہے کہ جس مسئلہ میں دلیل معلوم نہ ہو وہ پوچھے نہ کہ ہر بات میں اختیار ہے جس میں اس کو نص مل گئی پھر پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ سو بحمد اللہ۔ اس وقت کوئی بھی مسئلہ پیش آتا ہے تو کتب حدیث میں تتبع سے وہ مل جاتا ہے اور تقلید کی کوئی حاجت نہیں رہتی۔

ثالثاً خود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد ہے کہ فاسئل الذین یقرءون الکتاب من قبلک" (یونس ع ۱۰ پ ۱۱) پس کیا معاذ اللہ آپ کو بھی اہل کتاب کی تقلید کا حکم ہے۔ حاشا وکلا۔

صرف تقلید سوال نہیں بلکہ استفسار مع الدلیل بھی سوال ہے۔

رابعًا سوال سے کیا مراد ہے؟ ان اہل الذکر کی اپنی رائے یا آیت قرآنیہ وحدیث؟ علی الاول رائے مختلف ہے۔ پس یہ سوال لغو رہا کیونکہ اختلاف کے وقت کسی ایک سے سوال یا اس پر اعتماد ممنوع ہے بلکہ "الرد الی الکتاب والسنۃ" کا حکم ہے وعلی الثانی اتباع دلیل ہے نہ تقلید۔

خامسًا اہل الذکر خود اہل القرآن والحدیث ہیں نہ اہل الرائی۔ پس یہ تو برعکس تقلید کی تردید ہوئی۔ الحاصل مقلد کتاب وسنت کے متعلق نہیں پوچھے گا بلکہ اپنے امام کی رائے اور مذہب پوچھے گا اور اگر کتاب وسنت کے متعلق پوچھے گا تو مقلد نہیں رہے گا۔ فاختر ما شئت۔

قولہ صلا، سطر ۳ "جاننا چاہیے کہ آیت میں اہل الذکر سے عموم اور استغراق یعنی اہل الذکر کے تمام افراد مراد نہیں اس لیے کہ تمام افراد سے دریافت کرنا ناممکن ہے۔ دوم یہ کہ اہل الذکر میں اختلاف فہم کی وجہ سے اختلاف ہونا لازمی ہے پس اگر سب کا اتباع کیا جائے تو اجتماع النقیضین لازم آئے۔ اہل الذکر اس جنس کے حکم میں قرار دینا لازم ہو گا جو واحد اور متعدد سب کو شامل ہو یعنی وہ مسئول خواہ واحد ہو اور خواہ متعدد ہو۔ پہلی صورت کا نام تقلید شخصی ہے اور دوسری کا نام تقلید غیر شخصی ہے"۔

اقول :۔ اولًا جب اختلاف ممکن ہے تو پھر اصل کی طرف رجوع کا حکم ہے نہ کہ تقلید کا۔

ثانیًا اگر جنس مراد لو گے تو پھر کسی کی تعیین لازم نہیں آئے گی۔ پھر تقلید شخصی کیسے ہو گی؟

ثالثًا۔ اختلاف جب ہو سکتا ہے کہ اہل الذکر سے ان کی اپنی رائے پوچھی جائے کیوں کہ بقول شما اختلاف ان کے فہم کے مختلف ہونے کا نتیجہ ہے لیکن اگر ان سے نصوص ہی پوچھی جائیں تو نہ رہے گا۔ اختلاف اور نہ تقلید۔

رابعًا۔ کسی ایک فرد کے تعین کی کیا دلیل ہوگی؟ یہ وظیفہ مقلد کا نہیں ہے کیا مجتہد بن گئے ہو؟

قولہ صلہ سطر ۱۲۔ "یہ آیت اگرچہ اہل کتاب کے بارہ میں نازل ہوئی"

اقول:۔ یہی سب مفسرین بتاتے ہیں مثلاً ابن جریر، قرطبی، ابن کثیر، درمنثور، خازن، بغوی جلالین، جمل، شوکانی، الجواہر، مراغی، قاسمی، نسفی، واحدی وغیرہ سب یہی بتاتے ہیں۔ پس اگر تقلید کی تردید والی آیتیں مشرکین کے لیے خاص کرتے ہو تو یہ آیت اہل کتاب کے لیے کیوں نہیں خاص کرتے ہو!

قولہ صلہ سطر ۱۴۔ "مگر باتفاق علماء اعتبار عموم معنی کا ہے نہ کہ خصوص معنی کا"

اقول:۔ اسی آیت پر اتفاق نہیں چنانچہ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ

لکن لیس هو المراد هٰهنا لان المخالف لا یرجع فی اثباته بعد انکاره الیه (تفسیر ابن کثیر صفحہ ۵ ج ۲)

یہاں یہ (یعنی قرآن مراد لینا) درست نہیں کیونکہ مخالفین جس چیز کے منکر ہیں اس کے اثبات کے لیے اہل قرآن کی طرف رجوع نہیں کریں گے۔

وهكذا قال الشوكاني في القول المفيد صـ ۲۔

ثانیاً اگر عموم تسلیم بھی کر لیں تو یہی اہل الذکر سے سوال کرنے کا امر ہے اور "الذکر" قرآن و حدیث ہے۔ ہمارے خیال میں اس سے مصنف رسالہ کو بھی انکار نہ ہوگا کیونکہ شریعت انہی دو چیزوں سے ماخوذ ہے۔ پس یہ سوال عن الدلیل ہے نہ کہ تقلید۔ وہو المدعی۔

قولہ صلہ سطر ۱۶۔ "اس لیے علت سوال کی دونوں جگہ مشترک ہے"

اقول:۔ اولاً یہ خود قیاس ہے جو مابین مختلف ہے۔ اس سے استدلال درست نہیں گویا

آیت فی نفسہ حجت نہیں بلکہ قیاس ہے۔ ثانیاً یہ قیاس نص کے مقابلہ میں ہے۔ چنانچہ حکم ہے کہ: "اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء" (الاعراف) پس یہ نہی منصوص ہے جس کے مقابلہ میں غیر منصوص حکم مفید نہ ہوگا۔ ایسے قیاس کے آپ بھی قائل نہیں۔ ثالثاً وعلی التقدیر علت کا ذکر کرنا بھی درست نہیں۔ کیونکہ اہل کتاب منکر تھے اس لیے حکم نازل ہوا کہ اہل علم سے سوال کر کے تصدیق کر لیں لیکن مسلمان منکر نہیں۔ لہٰذا ان کو ایسے سوال کی کوئی ضرورت نہیں گویا کہ علت بھی دونوں میں متحد نہیں ہے کیونکہ دونوں کا عدم علم ایک جیسا نہیں ہے۔

رابعاً۔ یہ آیت سوال میں نص ہے اور آیت "ولا تتبعوا من دونہ اولیاء" غیر کے اتباع سے منع میں نص ہے۔ ثابت ہوا کہ اس آیت میں اہل الذکر کے اپنے اتباع کا حکم نہیں بلکہ ان سے نص پوچھ کر اسی کے اتباع کا حکم ہے۔

قولہ صفحہ ۱۳ "جس طرح مشرکین کو عدم علم کی وجہ سے علمائے اہل کتاب سے دریافت کرنے کا حکم ہوا۔ اسی طرح غیر عالم مسلمان کو امور دینیہ میں عالم کی طرف رجوع کرنا ضروری اور واجب ہوا۔"

اقول:۔ لیکن دونوں کی عدم علمی میں فرق ہے۔ کما بینا۔ نیز علماء سے سوال قرآن و حدیث کا ہوگا۔ جیسے مشرکین کو بھی یہ حکم ہوا کہ "فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون بالبینات والزبر (النحل ع ۶ پ ۱۴)" یہاں "بالبینات والزبر" کی قید بتاتی ہے کہ مجرد اہل الرای سے پوچھنے کا ان کو حکم بھی نہیں ہوا پھر تقلید کو اس پر قیاس کرنا کیسے صحیح ہے؟

قولہ ص ۱۱ س ۱۵ "اور جس طرح مشرکین کو تین چار علماء اہل کتاب سے دریافت کرنا ضروری نہیں۔ ایک یہودی یا ایک نصرانی عالم سے بھی دریافت کر کے تشفی کر سکتے ہیں" الخ

اقول:۔ لیکن ان کو یہ تو حکم نہیں ہوا کہ کسی ایک معین عالم سے پوچھیں، دوسرے سے نہیں۔ پس اس پر تقلید شخصی کا قیاس کرنا صحیح نہیں۔

قولہ ص ۱۲ س ۱ "اس آیت سے مطلق تقلید کی فرضیت معلوم ہوتی ہے"

اقول:۔ بلکہ تردید کیونکہ اہل الذکر صرف اہل القرآن والحدیث ہیں۔ اور یہ سوال عن النقل ہے نہ عن الرأی اور جب تردید ہوئی تو بقول شما تمام افراد حکم میں برابر ہوں گے۔

قولہ ص ۱۲ س ۲ "اور اکثر اہل حدیث مطلق کی فرضیت کے قائل ہیں۔

اقول:۔ کوئی اہل حدیث تقلید کا قائل نہیں ہو سکتا۔

قولہ ص ۱۲ س ۳ "اور ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ مطلق تقلید کے دو فرد ہیں" الخ

اقول:۔ جب تقلید علم ہی نہیں اور فرض تو کیا آیت سے اس کی تردید ہوئی۔ پھر یہ ساری تقریر لایعنی ہوئی۔

قولہ ص ۱۲ س ۹ "حق تعالیٰ نے اس آیت میں ایک اصولی مسئلہ کی تعلیم دی کہ جو لوگ قرآن و حدیث کے غوامض نہیں سمجھ سکتے۔ وہ اہل علم سے احکام الٰہیہ دریافت کریں اور ان کی تقلید کریں۔

اقول:۔ یہ حکم نہیں دیا بلکہ علی التقدیر یہ حکم ہے کہ جہاں نص معلوم نہ ہو تو اہل النصوص سے پوچھو ثانیاً احکام الٰہیہ کتاب و سنت کا نام ہے یا اہل علم کی رائے کا؟ علی الاول یہ تقلید کیسے ہوئی اس کو تقلید سے تعبیر کرنا سینہ زوری ہے وعلی الثانی یہ کسی مسلمان کا مذہب یا عقیدہ نہیں ہو سکتا ہے۔

قولہ ص ۱۲ س ۱۳ "اور خلاصہ کلام یہ کہ باتفاق علماء اہل الذکر سے اس آیت میں اہل علم مراد ہیں"

اقول:۔ لیکن علم سے مراد قرآن وحدیث ہے یا کچھ اور؟

قولہ ص۲۷ سطر۱۴ "جس کا بہترین مصداق فقہاء مستنبطین اور ائمہ مجتہدین ہیں۔"

اقول:۔ پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ مقلد عالم نہیں، اور آپ بھی مانتے ہیں۔ جب ہی تو اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ جتنے عالم ہیں، وہ سب مجتہدین اور بقول شما اس آیت کے مصداق ہوئے، اور حصر کا دعویٰ غلط ہوا۔

قولہ ص۲۷ سطر۱۴ "یہی وجہ ہے کہ اکابر محدثین و مفسرین ہمیشہ ائمۂ اربعہ ہی کی طرف رجوع کرتے رہے۔"

اقول:۔ یہ حصر غلط ہے۔ بلکہ دوسروں کی طرف بھی رجوع کرتے تھے اور تحقیق کے بعد جس کا قول دلیل کے موافق پاتے لے لیتے، اور جو مخالف نظر آیا ترک کر دیتے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مقلد نہیں تھے، اور آیت "فاسئلوا اھل الذکر" کا مطلب بھی انھوں نے یہی سمجھا۔"

قولہ ص۲۷ سطر۱۸ آیت دوم قال اللہ تعالیٰ۔ یاایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔"

اقول:۔ مصنف رسالہ نے جرأت کی ہے پوری آیت نہیں لکھی ان الفاظ کے بعد اس طرح ہے کہ "فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول" (النساء ع ۸ پ ۵) اور اوپر بیان ہوا کہ اس سے مراد بالاجماع قرآن وحدیث کی طرف لوٹنا ہے، اور "اولی الامر" یا متفق ہوں گے یا مختلف اختلافی صورت میں تو یہی حکم ہے، اور اتفاقی صورت اجماع ہے جس کی طرف رجوع تقلید نہیں۔ کما تقرر فی مقرہ۔

الغرض یہ آیت تو بطلان تقلید میں نص صریح ہے۔

قولہ ص۲۷ سطر۱۹ "اولی الامر کی تفسیر میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ حکام مراد ہیں اور بعض

کہتے ہیں کہ علماء و فقہاء مراد ہیں (الی قولہ) امام ابو بکر رازیؒ اور حافظ ابن کثیرؒ نے بھی اختیار کیا کہ اولی الامر عام ہے امرا اور علماء دونوں کو شامل ہے اور امور دنیا میں تو امرا کی اطاعت لازم ہے اور امور دینیہ میں علماء کی اطاعت فرض ہے" (ص ۵، سطر ۱)

اقول :۔ بلاشک حکم عام ہے۔ لیکن یہاں دو باتیں ہیں اول یہ شرط ہے کہ ان کی اطاعت سے اللہ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی لازم نہ آئے۔ اور یہ تحقیق کرنے اور نصوص دیکھنے کے بغیر نہیں ہو سکتا یہ اجتہاد ہے نہ کہ تقلید۔

دوم سب کا متفق ہونا لازمی ہے۔ ورنہ سب کا ترک لازم آئے گا۔ اور نصوص کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ دونوں صورتوں میں یہ آیت تقلید کو باطل بناتی ہے۔

عجوبہ :۔ مصنف رسالہ ص ۳۱ میں اس آیت سے قیاس پر استدلال کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ "اور فان تنازعتم الخ سے قیاس کی طرف اشارہ ہے" الخ

اور پھر بتاتے ہیں کہ قیاس صرف مجتہدین کا کام ہے اور پھر دعویٰ کرتے ہیں کہ اجتہاد اب بند ہے ائمہ اربعہ پر ختم ہو گیا جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آیت چند معدود لوگوں کے لیے خطاب ہے۔ اور یہاں تقلید کے لئے پیش کر کے آیت کو عام بناتے ہیں نہ معلوم کون سی توجیہہ صحیح اور کون سی غلط۔

عجوبۂ دوم

ص ۳۸ میں وا ولی الامر منکم سے اجماع کی اتباع مراد لیتے ہیں اور یہاں اس کو تقلید کے لیے پیش کرتے ہیں، حالانکہ یہ ظاہراً تناقض ہے کیونکہ اجماع کا اتباع دلیل کا اتباع ہے اور تقلید دلیل کی اتباع نہیں ہے۔

قولہ ص ۵، س ۱۲ "ظاہر شریعت میں علمائے شریعت کی اور باطن شریعت میں مشائخ طریقت کی

اتباع ضروری ہے" الخ

اقول:۔ کیا معاذاللہ شریعتیں دو ہیں؟ اور ائمہ مجتہدین اس باطنی شریعت سے بے خبر تھے؟ وہ تو بقول شما قرآن وحدیث کے ترجمان ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ باطنی شریعت قرآن وحدیث میں نہیں ورنہ ضرور بیان کرتے اور دوسروں کی حاجت نہ رہتی۔ ثانیاً شائخ باطنیہ کو شریعت ظاہر یہ معلوم نہیں؟ تو پھر ان کے حق و باطل پر ہونے کی کیا خبر؟ صدق سبحانہ تعالیٰ

ان یتبعون الا الظن وان الظن لا یغنی من الحق شیئا

(النجم ع ۲ پ ۲۷)

ما لھم بہ من علم الا اتباع الظن (النساء ع ۲۲ پ ۶)

قولہ ص ۴۵ سطر ۱۲ اور اپنے عمل کو کسی کے فتویٰ کے تابع کر دینے ہی کا نام تقلید ہے۔

اقول:۔ یہ اطلاق صحیح نہیں بلکہ دلیل معلوم کیے بغیر تابع ہونے کو تقلید کہتے ہیں جیسے امام ابو حنیفہ رح نے حرام کہا ہے۔

قولہ ص ۴۵ سطر ۱۵ "اگر بالفرض اولی الامر سے خاص حکام ہی مراد ہوں" الخ

اقول: کچھ بھی مراد ہو خاص یا عام لیکن اوپر والی دو باتوں کا خیال رہے یعنی حکم متفق علیہ ہے یا مختلف اور نص کے موافق ہے یا مخالف۔

قولہ ص ۴۶ سطر ۱ "آیت سوم قال تعالیٰ۔ ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم

اقول:۔ پوری آیت اس طرح ہے کہ

واذا جاءھم امر من الامن او الخوف اذاعوا بہ ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم

(النساء ع ۱۱ پ ۵)

جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی چیز آتی ہے تو اس کو وہ نشر کرتے ہیں اور اگر اس کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یا صاحب امر کی طرف لوٹاتے تو جو لوگ اس سے استنباط کرتے ہیں وہ اس کو جان لیتے۔

اور لفظ "ردوہ" میں ضمیر امر کی طرف راجع ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ خاص ایسی ناگہانی خبر کے متعلق ہے نہ کہ احکام دینیہ کے متعلق خود آپ بھی ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ

"ان کو بتلا دیں کہ کون سی خبر قابل ذکر ہے اور کونسی ناقابل ذکر" ص۱۶۷ ج۳

معلوم ہوا کہ احکام دینیہ مراد نہیں کیونکہ وہ تو سب قابل ذکر ہیں۔ دین چھپانے کی چیز نہیں۔ ثانیاً اگر دینی احکام بھی اس میں داخل ہیں تو بھی لغایتہ یہ معلوم ہوگا کہ ایک آیت یا حدیث جس کا مطلب خود نہیں سمجھتا تو دوسرے عالم سے پوچھ کر عمل کرے اور یہ عمل بھی نص پر ہے نہ اس عالم کی رائے پر۔ لہٰذا یہ بھی تقلید نہیں۔ ثالثاً شان نزول آیت بھی بتاتا ہے کہ یہ احکام دینیہ کے متعلق نہیں چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ وقت کے لئے اپنی ازواج مطہرات سے علیحدہ رہے تو بعض لوگوں نے اس کو طلاق سمجھا۔ اس پر امیر عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے دریافت کیا فرمایا کہ میں نے طلاق نہیں دی اور امیر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

فکنت انا استنبطت ذالک الامر (لباب النقول للسیوطی ص۷۲ بحوالہ مسلم)

پس میں ہی تھا جس نے اس امر کا استنباط کیا (آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر بات کو صحیح طور پر معلوم کیا)

رابعاً بلکہ عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ظاہر ہوا کہ سائل اور رجوع کرنے والا بھی دراصل استنباط اور اجتہاد کرنے والا ہے۔ چنانچہ اس نے جا کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا لیکن پھر بھی اس کو استنباط سے تعبیر کیا گویا سائل مجیب مفتی مستفتی راجع مرجوع الیہ

سب مجتہد اور صاحب استنباط ہیں بشرطیکہ بحث نصوص سے ہو اور راہی سے اخذ ہو۔ فتدبر۔

قولہ ص۶ سطر۲ "اس آیت سے ظاہر ہے کہ جو لوگ استنباط کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں۔ ان پر اہل فقہ اور اہل استنباط کی تقلید ضروری ہے" الخ

اقول: یہ عجب ہو کہ ایسا عالم پایا جائے جو کوئی ایک مسئلہ بھی قرآن و حدیث سے اخذ نہ کر سکے۔ یہ ناممکن ہے۔ ہاں اگر قرآن و حدیث دیکھے ہی نہیں تو اور بات ہے لیکن پھر عالم کس چیز کا کہلائے گا؟"

قولہ ص۶ سطر۱۰ "آیت چہارم قال تعالے "فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون"

اقول:۔ آیت کا ترجمہ مصنف رسالہ یوں کرتا ہے کہ

"کیوں نہ نکلے ہر فرقہ میں سے ایک جماعت تاکہ فقہ فی الدین کو حاصل کرے اور جب واپس آئے تو اپنی قوم کو ہوشیار و بیدار کرے تاکہ وہ دین کی باتوں کو سن کر اللہ کی نافرمانی سے بچیں"

ظاہر ہے کہ جو کچھ سیکھ کر آگے دوسروں کو بتائیں گے وہ قرآن و حدیث ہی ہوگا۔ اس میں مصنف کو بھی اختلاف نہیں ہو سکتا ہے۔ پس سننے والے اسی پر عمل کریں گے نہ کہ اس کی اپنی رائے پر پس یہ آیت برعکس ادلیل کے اتباع کا حکم دیتی ہے جو کہ تقلید کے منافی ہے۔ ثانیاً یہ حکم ہر زمانے کے لیے ہے۔ پھر ائمہ اربعہ کے لیے اجتہاد مخصوص کرنا اور دوسرے اللہ کے بندوں کو اس سے محروم رکھنا بھی غلط ہوا۔

قولہ ص۶ سطر۱۵ "اس آیت سے صاف ظاہر ہوا کہ ان لوگوں پر سیکھنے کے بعد اپنی قوم کو وعظ اور انذار ضروری ہے اور قوم پر ان کا اقتداء اور اتباع ضروری ہے۔

اقول:۔ لیکن جو کچھ قرآن و حدیث سے سنائیں یہ تقلید نہیں۔ ثانیاً یہاں مصنف ہی کے

کلام سے معلوم ہوا کہ جتنے وعظ و نصیحت کرنے والے ہیں وہ سب مجتہد ہیں اور ان واعظین مولویوں میں کوئی بھی مقلد نہیں۔ ورنہ تمثیل غلط ہو گی۔ پس مصنف کے معتقدین اور رسالہ "اجتہاد و تقلید" کے متبعین پر لازم ہے کہ یا تو مقلد کہلوانا ترک کر دیں یا پھر وعظ و نصیحت نہ کیا کریں کیونکہ بقول مصنف واعظ مجتہد ہی ہوتا ہے۔ چہ خوش۔

قولہ صفحہ ۱۶ سطر ۱۸ "اور بسا اوقات یہ علم دین سیکھ کر واپس ہونے والا ایک ہی شخص ہوتا ہے"۔

اقول:۔ کئی بھی ہوتے ہیں نیز ایک ہو یا زیادہ ایک ہی بات ہے جب کہ وہ علم قرآن حدیث ہی مراد ہے جو کہ دلیل ہے جس کا اتباع تقلید نہیں۔

قولہ صفحہ ۱۶ سطر ۱۸ "اور ظاہر ہے کہ ایک شخص کا اتباع تقلید شخصی ہی ہو گا۔"

اقول: یہ مغالطہ ہے۔ اتباع مراد نہیں بلکہ وہ جو بغیر معلوم کیے دلیل کے ہو اور واعظ اگر قرآن و حدیث سناتا ہے تو اس کا اتباع لازمی ہے اور یہ اتباع اس کا اپنا نہیں بلکہ جو قرآن و حدیث سناتا ہے اسی کا ہے اور اگر کچھ اور سناتا ہے تو اس کا اتباع ضروری نہیں ثانیاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی ہیں، کیا ان کے اتباع کو بھی تقلید کہیں گے، حاشا للہ۔ اس طرح یہ عقیدہ ہو گا کہ اگر آپ کا قول و فعل بھی مدلل نہیں۔ یہ عقیدہ اسلامی نہیں بلکہ آپ کی توہین ہے ثالثاً اگر بالفرض آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اتباع بھی تقلید ہے تو بھی بقول شما شخصی ہو گی کیونکہ ایک ہی شخص کی ہے پس کون مسلمان آپ کے بجائے دوسروں کی تقلید کرے گا پھر آپ غیر شخصی کو رد کر کے شخصی کو بحال کرتے ہیں۔ بر ایں صورت کوئی مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرے کی تقلید نہیں کر سکتا۔

قولہ صفحہ ۱۷ سطر ۱، آیت پنجم۔ قال اللہ تعالیٰ۔ وجعلنا منھم ائمۃ یھدون بامرنا لما صبروا وکانوا بآیتنا یوقنون ۞

اقول :۔ لفظ " بامرنا " یعنی ہمارے امر سے ہی کام تمام کر دیتا ہے کیونکہ اللہ کا امر وحی ہے اور وحی بتانا مجتہد کا کام ہے اور اس کی اتباع دلیل کی اتباع ہے۔

قولہ :۔ صفحہ سطر ۵ " اور حدیث میں ہے انما جعل الامام لیؤتم بہ امام اس لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا اور اتباع کی جائے۔

اقول :۔ یہ صحیح ہے لیکن وہاں بھی مقتدیوں کو حکم ہے کہ اگر امام سے سہو واقع ہو اور غلطی کر جائے تو اس کو " سبحان اللہ " کہہ کر خبردار کرو جس کے معنی امام کی اتباع میں بھی ہوشیاری ضروری ہے۔ اگر غلطی کرے تو اسے ٹوکا جائے۔ اس پر تنقید کی جائے۔ یہی غیر مقلدیت ہے۔

ایک اور طرح :۔ مصنف نے آیت سے استدلال کیا کہ امام ہوئے ہیں اور حدیث سے یہ کہ امام کی اقتدا کی جائے گی لیکن یہ نہ دیکھا کہ امامت بامرنا سے مشروط ہے اور اقتدا تنقید کے ساتھ معلق ہے۔ پس اگر یہی تقلید ہے تو دنیا میں اول سے لے کر آخر تک سب مقلد ہیں حتیٰ کہ امام ابوحنیفہ رح بھی مجتہد نہیں بلکہ مقلد ہیں کیونکہ اس نے بھی کئی تابعین تبع تابعین کے اقوال لیے ہیں نیز آپ نے حماد بن ابی سلیمان اور ابراہیم نخعی کے اقوال کا اتباع کیا پھر وہ خود اس کا مقلد ہو گیا بجائے اس کے کہ اس کی تقلید کی جائے اور لطف یہ کہ اس طرح کوئی مجتہد رہ نہیں سکتا اور جب کوئی مجتہد نہ رہا تو مقلد بھی کوئی نہ رہا کیونکہ مقلد کے لیے مقلَّد (بالفتح) یعنی مجتہد ضروری ہے اور اگر تقلید سے وہی اتباع مراد ہے جو بلا دلیل ہو اور یہی صحیح ہے اور آپ نے بھی یہی تعریف کی ہے تو پھر اس آیت و حدیث میں اس کی تردید ہے نہ کہ تائید۔ فافہم۔

قولہ صفحہ سطر " اب ہم چند احادیث دربارۂ تقلید ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں "

اقول : احادیث سے بھی ان شاء اللہ وہی ثابت ہوگا جو آیات سے ہم اجن آیات کو پیش کیا ان سے تقلید کا انکار ثابت ہوا۔ مناسب ہے کہ یہاں ہم چند اور آیات تقلید کی تردید میں

پیش کردیں۔

آیت اولیٰ اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء (الاعراف) یہاں تین مقام قابلِ غور ہیں۔ اوّل "ما انزل" سے مراد سب مفسرین قرآن و حدیث بتاتے ہیں۔ مثلاً ابنِ کثیر صفحہ۲ جلد۲ قرطبی ۱۶۱ ج، سالخازن ۲، ۱ ج ۲۔ اسی طرح حسن و زجاج سے بھی نقل کرتے ہیں۔ نیز نسفی صفحہ۴۲ ج ۲ شوکانی صفحہ۱۶۹ ج ۲۔ القاسمی صفحہ۲۹۱ ج ۷۔ المراغی صفحہ۱۰۱ ج ۸ زمخشری صفحہ۵۳۹ ج ا پس یہ دلیل ہی کے اتباع کا امر ہے۔ دوم "من دونہ" کا مرجع ربکم بھی ہو سکتا ہے اور "ما انزل" بھی دیکھو تفسیر کشاف صفحہ۵۳۹ ج ا شوکانی صفحہ۱۶۹ ج ۲ قرطبی صفحہ۱۶۲ ج ۷، الجمل صفحہ۱۲۰ ج ۲۔ پہلی صورت میں غیر اللہ کی اتباع سے منع ہے اور اللہ کا حکم فی نفسہٖ دلیل ہے اور صورتِ ثانیہ میں غیر وحی کے اتباع سے منع ہے گویا کہ بلا دلیل قبول کرنے سے منع ہے۔ یہی تقلید سے منع ہے سوم اولیاء سے مراد مفسرین مطاع لیتے ہیں۔ دیکھو جلالین صفحہ۱۲۷ ابن کثیر صفحہ۲۰ جلد۲۔ خازن صفحہ۳ ج ۲ البغوی برحاشیہ خازن) وغیرہ معلوم ہوا کہ خدا کے بغیر دوسرے کی اطاعت ممنوع ہے لہٰذا غیر خدا کی اطاعت بوجہ مدلل نہ ہونے کے تقلید ٹھہری اور ممنوع ہوئی۔ خلاصۂ کلام قرآن و حدیث کا اتباع دلیل کا اتباع ہے اس کا حکم ہے اور غیر قرآن و حدیث کا اتباع دلیل کا اتباع نہیں اور وہ ممنوع ہے اور یہ کہنا کہ آیت " واولی الامر منکم" میں غیر قرآن و حدیث کے اتباع کا حکم ہے؛ صحیح نہ ہوگا کیونکہ بقیہ آیت ملانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اتفاق کی صورت ہے اور آپ بھی اس سے اجماع ثابت کرتے ہیں۔ پس یہ دلیل کا اتباع ہے جس کا ثبوت " ما انزل" سے ہی ہوا ہے بلکہ امام ابن حزم نے الاحکام میں پوری تفصیل سے بیان کیا ہے کہ اجماع یقینی کبھی قرآن و حدیث کے خلاف نہیں ہو سکتا اور آپ نے صفحہ۵۲ میں حدیث لکھی ہے کہ " لا تجتمع امتی علی ضلالۃ"

یہ جب ہو سکتا ہے کہ مجمع علیہ مسئلہ قرآن و حدیث سے موافق ہو مخالف نہ ہو۔ پس یہ اتباع قرآن و حدیث کا ہوا لیکن یہ کہاں ہے کہ کسی غیر نبی کا اتباع کرو بلکہ ولا تتبعوا من دونہ اولیاء کہہ کر منع فرما دیا اور نہ یہ حکم دیا کہ جہاں اختلاف ہو وہاں جس کو اچھا سمجھو اسی کی اتباع کرو۔ حالانکہ اچھا سمجھنا خود اجتہاد ہے۔ کما معنی بلکہ ایسی صورت میں حکم " فردوہ الی اللہ والرسول" فرما کر دلیل پر فیصلہ کرنے کا حکم دیا اور سب کے اتباع سے روک دیا۔

آیت دوم ۲۔ قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین (النمل ۶۴)

کہہ دو (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے) اگر تم (اپنے دعویٰ میں) سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ۔

ثابت ہوا کہ بغیر دلیل کوئی دعویٰ قابل قبول نہیں اور جس قول کے لیے دلیل نہیں وہ سچا نہیں ہو سکتا۔ تقلید کی مذمت کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ بلاشک آیت میں خطاب کفار کو ہے لیکن بقول مصنف، "باتفاق علما اعتبار عمومی معنی کا ہے نہ خصوص معنی کا" مطلب یہ ہے کہ کہنے والا خواہ کون ہو اس کی بات کے صدق و سچائی کا معیار دلیل ہے اور یہ تقلید کے بالکل خلاف ہے کیونکہ اگر بغیر برہان یا دلیل کوئی بھی بات سچی ہو سکتی تو خدا تعالیٰ ان سے برہان کا مطالبہ نہ کرتا۔

قابل غور بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا ان کو صرف جھوٹا کہنا ہی کافی تھا مگر دلیل کے مطالبہ سے ہم کو تعلیم دی ہے کہ بلا دلیل کوئی بات نہ مانیں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہوا دیا اور دلیل کا مطالبہ کروا کر بتا دیا کہ مسلمانوں کا طریقہ ہی غیر مقلدیت ہے۔ یہ کہنا غلط ہے کہ مطالبہ کفار سے تھا کیونکہ مطالبہ خواہ کسی سے ہو لیکن دیکھنا یہ ہے کہ مطالبہ کس چیز کا ہے۔ الغرض ان سے تو اتنا ہی کہنا کافی تھا کہ تم کافر ہو ہم تمہاری بات نہیں مانتے لیکن ظاہر کر دیا کہ تحقیق میں ہم متعصب نہیں۔ بلکہ ہر ایک کے لیے دلیل کا میدان صاف ہے۔ یعنی دلیل پیش کر دیا ہم سے سنو اگر کہو گے کہ کفار کے پاس تو دلیل ہے ہی نہیں۔ تو ہم کہیں گے یہاں دو صورتیں ہیں کیا مسلمانوں کے پاس دلیل ہے یا نہیں؟ علی الاول یہ اتباع

دلیل ہر تقلید کا نشان نہ رہا۔ ایضاً جب کفار جن کے پاس دلیل ہے ہی نہیں۔ ان سے دلیل پوچھی جاتی ہے تو مسلمان جن کے پاس دلیل ہے ان سے پوچھنا یا معلوم کرنا بالطریق الاولیٰ ضروری ہے وعلی الثانی پھر دونوں (مسلمان وکفار) میں فرق نہ رہا اور دونوں سے دلیل کا مطالبہ ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ دلیل اور تحقیق مسلمانوں کی شان ہے اور بلادلیل عمل کرنا یا تقلید کرنا کفار کی رسم ہے۔

آیت سوم ۳ :۔ فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولئک الذین ھداھم اللہ واولئک ھم اولوا الالباب (الزمر ع ۲ پ ۲۳)

اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے ان بندوں کو خوشخبری سنا دو جو باتیں سنتے ہیں پھر جو ان میں اچھی ہوتی ہیں ان کی اتباع کرتے ہیں۔ ان کو اللہ نے ہدایت دی اور وہی صاحب عقل ہیں۔

ناظرین! باتوں میں اچھی بری، صحیح غلط، خطاء صواب حق، باطل، سچ جھوٹ، مفید مضر، مقبول مردود سب قسم کی ہوتی ہیں لیکن ان میں اچھی یا صحیح صواب حق سچ مفید اور مقبول کا انتخاب کرنا اسی کا کام ہے جو تحقیق کرکے سب کی وجوہات اور ان کا وزن دیکھے پھر جو ان میں قابلِ قبول نظر آئے اس کو لے لے۔ یہ کام مجتہد کا ہے نہ کہ مقلد کا۔ لہٰذا یہ بشارت مجتہد کے لیے خاص ہے اور مقلد اس سے محروم ہے۔ علامہ نسفی حنفی تفسیر مدارک التنزیل ص۳ ج۴ میں لکھتے ہیں کہ

اراد ان یکونوا نقادا فی الدین یمیزون بین الحسن والاحسن والفاضل والافضل۔

مراد یہ ہے کہ وہ (عباد اللہ) ذہن میں چھان بین کرنے والے ہوں اور حسن واحسن اور فاضل افضل کے

درمیان تمیز کر سکتے ہیں۔

یہی اوصاف مجتہد کے ہیں اور علامہ زمخشری حنفی کشاف ص۲۸۰ ج ۲ میں تحت الآیت عبارت بالا کے بعد لکھتے ہیں

ویدخل تحتہ المذھب واختیار أثبتھا علی السبک وأقواھا عند السبر وأبینھا دلیلا او امارۃ وأن لا تکون فی مذھبک کما قال القائل ولا تکن مثل عیر قید فانقادا۔ یرید المقلد۔

اس کے تحت مذہب کا انتخاب کرنا بھی داخل ہے یعنی کون سا مذہب سب مذاہب میں زیادہ مضبوط قوی اور دلیل کے لحاظ سے واضح ہے اور یہ کہ اپنے مذہب میں ایسا نہ ہو جیسا کہ کسی شاعر نے کہا کہ قافلہ کی مثال مت ہو کہ جب کھینچا جائے تو کھینچ جائے۔ مراد مقلد ہو کر نہ رہ۔

اور یہ پورا شعر تفسیر قاسمی ص۱۳۴ ج ۱۴ میں حاشیہ پر مذکور ہے ؎

شمر وکن فی أمور الدین مجتھدا
ولا تکن مثل عیر قید فانقادا

خود اہتمام کر اور دینی احکام میں مجتہد ہو کر رہ اور قافلہ کی طرح مت بن کہ کھینچا جائے تو کھینچ جائے۔

پس یہ آیت صریحًا تقلید کی نفی کرتی اور اجتہاد کی فضیلت بتاتی ہے کہ مبارک وہ بندے ہیں جو خود کوشش کرتے ہیں اور دلائل کو دیکھ کر حق و باطل کا فرق کر کے حق کو لیتے اور باطل سے اجتناب کرتے ہیں مثلاً ایک ہی مسئلہ میں مختلف اقوال ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ایسے وقت ان اقوال میں جو قول احسن یعنی کتاب و سنت کے موافق ہو اس کو اختیار کریں۔ نہ یہ کہ تحقیق سے اپنے آپ کو محروم کر کے بلا معرفت دلیل کے کسی ایک بات کو تقلیدًا لے لیں۔ یہ اس بشارت عظمیٰ سے محروم رہنا ہے۔

اور یہ کہنا بھی غلط ہو گا کہ ہم ائمہ کے واسطہ سے قرآن وحدیث کو سمجھتے ہیں کیونکہ ان کا افہام وتفہیم سب اقوال ہیں جو مختلف ہیں اور لازماً کوئی ان میں صحیح کوئی غلط ہے۔ لہٰذا ان میں بھی احسن کی تلاش کرنی پڑے گی اور اجتہاد ہی کرنا ہوگا اور تقلید کے گھوڑے کا پاؤں اس میدان میں تنگ اور چلنے سے قاصر ہے۔

آیت چہارم ۴: اذ تبرأ الذین اتبعوا من الذین اتبعوا ورأوا العذاب وتقطعت بھم الاسباب وقال الذین اتبعوا لو ان لنا کرۃ فنتبرأ منھم کما تبرءوا منا۔ (البقرۃ ع ۲۰ پ ۲)

اور جب متبوع اپنے تابعین سے بیزار ہو جائیں گے اور عذاب دیکھیں گے اور ان کے تعلقات ٹوٹ جائیں گے اور تابعین کہیں گے کہ کاش ہمارا دنیا میں دوبارہ لوٹنا ہو تو ہم بھی ایسے ہی ان سے بیزار ہو جاتے جیسا کہ یہ ہم سے بیزار ہوئے ہیں۔

اور یہاں اتباع بالدلیل تو مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ "ما انزل" کے اتباع کا تو حکم ہے جو دلیل ہے اور یہاں اتباع بلا دلیل مراد ہوگا اور اسی کو تقلید کہتے ہیں اور اگر کہو گے کہ یہاں اتباع سے مراد عبادت غیر اللہ ہے تو یہ تقلید کی مذمت پر اور زبردست دلیل ہوگی کیونکہ اول یہ تسلیم کریں کہ غیر اللہ کا اتباع اس کی عبادت ہے ورنہ یہاں تینوں مقام پر بجائے اتباع کے لفظ عبادت ہوتا۔ پس اللہ کی عبادت اور اطاعت حق اور غیر کی عبادت اور اتباع باطل و شرک ہوگی۔

آیت پنجم ۵: واذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللہ قالوا بل نتبع ما الفینا علیہ اباءنا (البقرۃ ع ۲۱ پ ۲)

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کی اتباع کرو جس کو اللہ نے نازل فرمایا تو کہتے ہیں کہ بلکہ ہم تو

اسی کی اتباع کریں گے جس پر اپنے باپ دادوں کو پایا ہے۔

یہاں دلیل کی طرف دعوت ہے اور وہ ایسی چیز کی اتباع کرتے ہیں جس پر کوئی دلیل نہیں۔ اسی لیے تو فرمایا: اولو کان اباءھم لا یعقلون شیئاً ولا یھتدون"

"جب ان کے رسم ورواج اور طریقہ کے حق یا باطل ہونے کا پتا نہیں تو پھر ایسی چیزیں ان کا اتباع کیسے کرتے ہیں۔ یہی بعینہٖ تقلید کا حال ہے۔ جب کہ متبوع کے قول کی کوئی دلیل معلوم نہیں کیا خبر کہ وہ حق ہے یا باطل؟ اسی لیے فرمایا کہ مشکوک چیز کو چھوڑ کر یقینی یعنی "ما انزل اللہ" کا اتباع کرو۔ اگر کہو گے کہ یہ کفار کا حال بیان کیا گیا ہے اور ان کے آباء واجداد بھی کفار تھے تو ہم کہیں گے کہ یہی ہماری دلیل ہے کہ بلا دلیل کسی بات کا اتباع کرنا کفار کی رسم ہے اور مسلمانوں کا تو مذہب اتباع دلیل ہے۔

"قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علیٰ بصیرۃ انا ومن اتبعنی"

(یوسف ع ۱۲ | پ ۱۳)

الضّاًان کو تو جواب میں یہ کہنا کافی تھا تم کافر ہو۔ تمہارے باپ دادا کافر تھے بلکہ یہ کہا کہ جن کا تم اتباع کرتے ہو۔ ان کے ہدایت پر ہونے کا تمہارے پاس ثبوت نہیں ہے اور یہی تقلید ہے۔

اس موضوع پر آیتیں بے شمار ہیں مگر مصنف ہی کے عدد پر اکتفا کرتے ہیں اور جو پانچ آیات جو مصنف نے ذکر کی ہیں۔ ان سے بھی تقلید کی تردید ثابت ہوئی۔ فتلک عشرۃ کاملۃ۔

اب جن احادیث کو مصنف نے ذکر کیا ہے ان پر کلام کرتے ہیں ؎

ستبدی لک الایام ما کنت جاھلا

ویاتیک بالاخبار ما لم تزود

قولہ ص۲۷ سطر ۹، حدیث اوّل: عن حذیفۃ (الی قولہ) اقتدوا بالذین من بعدی

ابی بکر و عمر۔

اقول :۔ اس کی تشریح میں مصنف لکھتا ہے کہ

"من بعدی" کا مطلب ہے کہ میرے بعد یہ دونوں خلیفہ ہوں گے ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت میں ابوبکرؓ کا اتباع کرنا اور عمرؓ کے زمانہ خلافت میں عمر رضی اللہ عنہ کا اتباع کرنا" صفحہ سطر ۱۶۔

پس اس میں اقتدار خلافت میں ہے نہ امور دین میں اتباع ثانیاً کئی صحابہؓ نے ان سے مسائل میں اختلاف کیا ان کو خلافت کے باغی قرار دو گے؟ ثالثاً خود دور خلافت میں صحابہ ان کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ مثلاً مانعین زکوٰۃ سے جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قتال کا ارادہ کیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی مخالفت کی مگر جب دلیل سے سمجھایا تو مان گئے لیکن تقلید نہیں کی۔ رابعاً اگر اس سے مراد تقلید ہے تو ان دونوں کا مذہب کیوں وجود میں نہیں آیا۔ کوئی ہے دنیا پر ابوبکری یا صدیقی اور عمری یا فارقی مذہب کہلانے والا؟ خامساً حدیث میں ان دو کا نام ہے کیا ان دونوں کی سب باتیں مانی جاتی ہیں حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ چاروں مذاہب میں کئی مسائل ہیں جو ان کے خلاف ہیں۔ اگر بلادلیل ایسا کرتے ہیں تو یہ تقلید کسی دوسرے کی ہوئی اور ان دونوں پر اس کو کیوں ترجیح دی گئی اور اگر دلیل سے کرتے ہیں تو غیر مقلد ہوئے۔ یہ چھٹا جواب ہے۔ سابعاً جہاں ان دونوں کا اختلاف ہو۔ مثلاً خلافت صدیقیہ میں ایک طرح تھا اور خلافت فاروقیہ میں دوسری طرح ہوا، وہاں کیا کرو گے؟ آیت فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ و الرسول پر تو عمل نہیں کرو گے؟ ضرور کرنا پڑیگا یہی ترک تقلید ہے ثامناً یہاں اقتداء بالدلیل مراد ہے کیوں کہ بلادلیل اتباع و اقتدا کی مذمت آیت چہارم سے ثابت ہو چکی بلکہ خود ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما ایسے تابعین سے بیزار ہو جائیں گے۔ تاسعاً اگر اس اقتداء سے مراد تقلید ہے تو پھر سب امت اس میں مخاطب ہے پس کیا ائمہ اربعہ اس حدیث پر عامل ہیں یا نہیں؟ علی الاول وہ بھی مقلد ہوئے پھر تم کس کے مقلد ہو اور مقلد کی تقلید کیسے

تقلید ہو گی وعلی الثانی جس روایت پر تمہارے امام عامل نہیں تو تم اس پر کیسے عمل کرتے ہو ممکن ہے تمہارے امام نے اس روایت کو قابلِ عمل نہ سمجھا ہو بلکہ اس کو ضعیف یا منسوخ سمجھا ہو تم نے اس کو کیسے قابل عمل سمجھا کیا غیر مقلد ہو گئے ہو؟ اور اگر کہو گے کہ اس روایت میں وہ مخاطب ہی نہیں تو پھر اس استثنار کی کیا دلیل ہو گی۔ عاشر اگر اس روایت میں تقلید ہی مراد ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان دو ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے علاوہ باقی سب صحابہ مقلد تھے۔ کیا نعوذ باللہ ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ان دو کے علاوہ کوئی اجتہاد کا اہل نہیں تھا؟ حاشا و کلا۔ الحادی عشر زمانہ خلافت کا جو آپ نے قید لگایا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ وقت کا خلیفہ ہو گا اس کی تقلید کرو اور باقی علماء اور بالخصوص ائمہ اربعہ کی تقلید ختم۔ الثانی عشر شیخین رضی اللہ عنہما کو آپ معصوم عن الخطاء مانتے ہو؟ اگر نہیں اور یہی سنیوں کا مذہب ہے تو پھر لازماً ان کا بھی وہی حال ہو گا کہ "المجتہد یخطی و یصیب" پس ان کا مصیب قول ہی قابلِ اخذ ہے نہ کہ مخطی اور اس کی پہچان و تمیز رجوع الی الکتاب والسنۃ سے ہی ہو گی۔ ثابت ہوا کہ یہاں اقتدار مع الدلیل کا حکم ہے نہ کہ بلا دلیل اور اس سے مصنف کا یہ قول غلط ہوا کہ" اور یہ نہیں فرمایا کہ ان سے احکام اور مسائل کے دلائل بھی دریافت کرنا" اس لیے کہ خطاء و صواب کا امکان ہے۔ کئی لوگوں نے امیر عمر رضی اللہ عنہ پر اعتراض کئے اور ان کے فتویٰ کے خلاف دلائل پیش کیے اور اس نے رجوع فرمایا۔ مثلاً مجنونہ کو حد لگانے کے حکم پر علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حدیث سنائی اور آپ نے رجوع کیا (ابو داؤد ص۲۵۲) آپ نے مہر زیادہ لینے سے روکا۔ ایک عورت نے معارضہ میں آیت پیش کر دی تو فوراً رجوع کیا (مسند ابی یعلی الموصلی) ایسی کئی مثالیں ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس روایت سے جو مصنف صاحب و من تبعہ سمجھتے ہیں، وہ نہ ابو بکر رض و عمر رض سمجھتے تھے نہ جمیع صحابہ رضی اللہ عنہم۔

قولہ ص۳۳ س۱۹۔ بلا دلیل دریافت کرنے کے کسی فتوے پر عمل کرنا ہی تقلید شخصی ہے یا

اقول:۔ لیکن اس روایت میں یہ مراد نہیں کما بیناہ۔

قولہ ص۴ س۳ "حدیث دوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاذ بن جبل کو تعلیم احکام کے لیے روانہ فرمایا۔ مفصل حدیث گزر چکی" الخ

اقول:۔ اس پر مکمل بحث بھی گزری کہ یہ روایت صحیح و ثابت نہیں نیز علی التقدیر اس میں یہ کہاں ہے کہ معاذ کی رائے کا اتباع ہو بلکہ معاذ کو کتاب وسنت ہی بتانا تھا اور "اجتہد برائی" کا مطلب یہ کہ میں دلیل تلاش کروں گا اور قرآن وحدیث سے مسئلہ نکالنے کی کوشش کرتا رہوں گا نہ یہ کہ محض اپنی رائے پیش کروں گا۔ پس علی تقدیر صحۃ الروایہ یہ بھی دلیل نہ ہوئی۔

قولہ ص۴ س۵ "اور اہل یمن کو یہ حکم نہیں دیا کہ تم معاذ سے دلیل بھی پوچھنا"

اقول: کیا اس سے روکا بھی تھا۔ ثانیاً جب وہ خود قرآن وحدیث بتائیں تو پھر کیسے پوچھیں گے؟

قولہ ص۴ س۶ "خصوصاً ان مسائل میں جو کہ اپنی رائے سے بتلائیں" الخ

اقول: اولاً اجتہاد کا مطلب ہے دلیل تلاش کرنا اہل علم سے مشورہ کرنا کما مر۔ ثانیاً یہاں کب مذکور ہے کہ معاذ نے رائے سے فیصلہ دیا ایک کوئی مسئلہ پیش کریں جو معاذ نے محض اپنی رائے سے بتایا ہو۔ نہ قرآن میں ہو نہ حدیث میں پھر ایسی بات کہیں۔ ثالثاً آپ نے محض اپنی رائے کو ص۴۵ میں ضلالت و گمراہی قرار دیا ہے پس کیا معاذ اللہ ان کو معاذ گمراہ کرنے گئے تھے؟ اگر کہو گے کہ اس سے وہی رائے مراد ہے جو نص سے موید ہو تو یہ اتباع دلیل ہے نہ تقلید بلکہ اس روایت سے علی شرط الصحۃ ثابت ہوا کہ مسئلہ ہر حال میں دلیل سے بتانا چاہیئے۔

قولہ ص۸۰ س۸ "حدیث سوم ان العلماء ورثۃ الانبیاء" الخ

اقول: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ورثہ قرآن وحدیث ہے۔ یہ ان سے لینا دلیل کا اتباع ہے نہ رائے علماء کا جو اس کو تقلید سمجھا جاتے اور اگر رائے مراد ہے تو پھر وارث نہ رہے نہ یہ ورثہ نبوی ہوا کیونکہ یہ آپ سے نہیں لی گئی بلکہ ان کی اپنی فہم ہے۔

قولہ ص۸۰ س۱۰ "پس جس طرح نبی کی اتباع فرض اور لازم ہے۔ اسی طرح اس نبی کے وارث کا بھی اتباع لازم ہے۔"

اقول: اس کی روایت میں یا رائے میں؟ بصورت اول تقلید نہیں وثبانیہ ورثہ نبوی نہیں اور یہ حدیث خارج عن النزاع ہے۔ نیز تو وارث الحدیث مراد ہے تو اور بات ہے لیکن مقلد اپنے امام کا وارث ہے! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں قال الشعرانی (الیواقیت والجواہر ص۹۹ ج۲ پس علی قولکم ائمہ اربعہ کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پوری امت میں معاذ اللہ کوئی وارث نہیں

قولہ ص۸۰ س۱۱ "انبیاء کی میراث شریعت کا علم ہے۔" الخ

اقول: وہ قرآن وحدیث ہے جس کا اتباع فرض ہے اور علماء اس کے ناقل ہیں۔ ان کے نقل پر اعتبار ہے نہ کہ ان کی اپنی رائے سند ہے ؎

گر فرق مراتب نہ کنی .....

قولہ ص۸۰ س۱۳ "جو شخص کسی صحیح وارث اور صحیح عالم دین کی تقلید کرے گا وہ نبی اور اور رسول ہی کا متبع سمجھا جائے گا۔"

اقول: صحیح وارث وہ ہے جو قرآن وحدیث کا عالم ہو اور دوسروں تک پہنچائے یہ دلیل کا لینا ہے تقلید نہیں۔

قولہ ص۸۰ س۱۳ "جیسے رسول کی اتباع کرنے والا اللہ کا مطیع اور فرمانبردار سمجھا جاتا ہے۔" الخ

اقول:۔ اس کے لیے تو نص قرآنی وارد ہے لیکن دوسروں کے لیے کون سی آیت یا حدیث ہے ؟ یہ مقام ان کو دینا غلو ہے۔ **الحاصل**:۔ ان روایتوں سے تقلید کا ثبوت تو درکنار بلکہ بطلان ظاہر ہوا اور مناسب ہے کہ ہم تین اور حدیثیں تقلید کی تردید میں پیش کردیں۔

حدیث اوّل:۔ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:۔ **انی قد ترکت فیکم ما ان اعتصمتم بہ فلن تضلوا ابدًا کتاب اللہ وسنۃ نبیہ** " **الحدیث رواہ الحاکم وقال صحیح الاسناد (الترغیب والترھیب للمنذری** منش۔ج ۱) یہاں ہدایت کا اور ضلالۃ سے بچنے کا اس پر موقوف رکھا کہ قرآن وحدیث سے تمسک کیا جاتے جو کہ دلیل ہے اور اس کے خلاف دوسری چیز دلیل نہیں اور اس کی اتباع گمراہی ہوئی ثابت ہوا کہ اجتہاد یعنی دلیل کی اتباع ہدایت اور تقلید ضلالت ہے اور اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ میراث نبوی بھی یہی ہے۔

حدیث دوم:۔ امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ تورات کا نسخہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لاکر پڑھنے لگے آپ اس بات پر سخت ناراض ہوئے اور پھر فرمایا کہ

والذی نفس محمد بیدہ لو بدالکم موسیٰ فاتبعتموہ وترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل ولو کان حیًا وادرک نبوتی لا تبعنی

(رواہ الدارمی ص۶۲)

خدا کی قسم اگر موسیٰ علیہ السلام ظاہر ہوجائے اور تم لوگ مجھے چھوڑ کر اس کے پیچھے لگو تو راہ راست سے گمراہ ہوجاؤ گے۔ اور خود موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے اور میری نبوت کو پہنچتے تو میری ہی اتباع کرتے۔

ناظرین۔ غور فرمائیں جب کسی نبی کا اتباع بھی بلا دلیل (بدون تائید قرآن وحدیث

محمدی) گمراہی ہے تو دوسرے کا اتباع بلادلیل بطریق اولیٰ گمراہی ہے اور تقلید اتباع بلادلیل ہی کا نام ہے۔

حدیث سوم:۔

عن علی قال قلت یارسول اللہ إن نزل بنا أمر لیس فیہ بیان أمر ولا نہی فما تأمرنی قال تشاورون الفقہاء ولا تمضوا فیہ رأی خاصۃ
رواہ الطبرانی فی الأوسط ورجالہ موثقون من أہل الصحیح
(مجمع الزوائد ص۱۷۸ ج۱)

"امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر ایسا کوئی امر ہم کو پیش آئے جس میں کسی قسم کے امر یا نہی کا بیان نہ ہو (ہم کو نص نہ ملے) تو ایسی صورت میں مجھے آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں، فرمایا کہ فقہا و عابدین سے مشورہ کرو یا کسی ایک کی رائے کو نہ چلنے دو۔"

یہاں نہ قیاس کی اجازت ہے نہ تقلید کی بلکہ کسی مخصوص شخص کی رائے کے اتباع سے بھی ممانعت ہوئی۔ جو کہ صریحاً تقلید شخصی کی منع ہے۔ بلکہ آپس میں علماء و فقہاء کو مشورہ کا حکم دیا۔ اس لیے کہ ان کے مذاکرہ و مباحثہ سے کسی نہ کسی دلیل کا پتا لگ سکتا ہے۔ یعنی علماء سے گفتگو کی جائے۔ اور ائمہ دین کی تصنیفات کا مطالعہ کیا جائے کہیں نہ کہیں دلیل حاصل ہو سکتی ہے۔

الحاصل:۔ ان دس آیات اور چھ احادیث سے تقلید کا مردود ہونا " کالشمس فی نصف النہار" ثابت ہوا۔ والحمد للہ۔

(ص۹، سا، خلاصہ کلام) الخ

اول :۔ اس عنوان کے تحت مصنف یوں رقمطراز ہے کہ

"یہ کہ مطلق تقلید فرض ہے جس کے دو فرد ہیں ایک شخصی اور غیر شخصی اور چونکہ"

"ایک ہی جنس کے دو فرد ہیں لہٰذا دونوں ہی فرض ہوں گے" ص۹۰ س۲

جن دلائل پر فرضیت کی بناء رکھی گئی ان سے برعکس تردید ثابت ہوئی: ثانیاً دونوں قسم کی تقلید کے فرض ہونے کا کیا مطلب ہے؟ جو بھی کرے فرض ادا ہو گیا یا ہر ایک بذاتِ خود فرض ہے؟ بصورتِ ثانیہ تناقض ہو گا اس لیے کہ جو تقلید شخصی کرے گا وہ غیر شخصی نہیں کر سکتا اور جو غیر شخصی کرے گا وہ شخصی نہیں کر سکتا پس مقلد لازماً ایک فرض کا تارک اور گنہگار ہو گا اور اگر صورت اولیٰ مراد ہے تو پھر آپ کا یہ فرمان غلط ہوا کہ

"تقلید شخصی واجب بالغیر ہے اور تقلید غیر شخصی ممنوع ہے۔ اس سے ہوا پرستی"

"زمانہ اتباع ہویٰ سے بچانے کا ذریعہ سوائے تقلید شخصی کے اور کوئی نہیں ص۸۶ س۱"

اس بات میں کہاں تک صدق ہے۔ اس کا بیان اپنے مقام پر آئے گا لیکن یہاں یہ عرض کرنا ہے کہ یہ اطلاق آپ خود رد کر رہے ہیں۔ ثالثاً: اگر بقول شما تقلید غیر شخصی ایسی ہی بری ہے تو پھر فرض کیسے ہوئی؟ آپ تو دونوں فرض بتاتے ہیں۔ رابعاً: جنس کی تعریف یہ ہے کہ "مقول علی کثیرین مختلفی الحقائق" اور تقلید کوئی بھی ہو شخصی ہو یا غیر شخصی اس کی ایک ہی حقیقت ہے یعنی اتباع "قول الغیر من غیر دلیل" پس یہ تفریق ہی عبث ہے اور آپ کا یہ کہنا لغو ہوا کہ "یہ ناممکن ہے کہ جس فرض کے دو فردوں میں سے ایک فرد تو فرض ہو اور دوسرا فرد (یعنی تقلید شخصی) مباح ہو" (ص۹۱ س۳) اگر کہو گے کہ من وجہ جنس اور من وجہ نوع ہے تو بھی غلط ہو گا۔ کیونکہ دونوں کی حقیقت ایک ہی ہے کسی ایک خاص شخص کا بلا دلیل اتباع کرے یا کبھی کسی کا کبھی کسی کا لیکن مع دلیل ہے تو تقلید نہیں۔

قولہ ص۹۱ س۵ "فرض اور مباح دونوں عین متباینین ہیں اور ایک مباین کا دوسرے مباین کے تحت درج ہونا عقلاً محال ہے" الخ

اقول :۔ لیکن کیا ان کا ارتفاع بھی ممتنع ہوگا حالانکہ ایک قسم حرام بھی ہو سکتی ہے جو نہ فرض ہے نہ مباح۔

قولہ ص۹۱ س۶ "جس طرح حرف اسم کی قسم نہیں بن سکتا ہے"

اقول :۔ اسم و حرف کی حقیقتیں مختلف ہیں۔ دونوں نوع ہیں۔ جنس یعنی کلمہ کے تحت لیکن یہاں تقلید شخصی یا غیر شخصی کی حقیقت ایک ہے۔ یعنی اتباع بلا دلیل اس کا انتفاء تقلید کے اسم انتفاء کو لازم ہے۔ پس یہ قیاس درست نہیں ہے۔

قولہ ص۹۱ س۸ "مطلق تقلید کے فرض ماننے کے بعد اس کے ایک فرد یعنی تقلید شخصی کو مباح کہنا سراسر غلط فہم ہے"

اقول :۔ فرض تو کیا اس کی تردید ثابت ہوئی۔ ثانیاً جو مطلق کی فرضیت کے قائل ہوں گے وہ کہیں گے کہ جب کسی نے غیر شخصی کر دی اس پر شخصیت کی فرضیت نہیں رہی۔

قولہ ص۹۱ س۱۱ "مگر چونکہ مطلق تقلید کے امتثال میں اختیار ہے کہ جس فرد کو چاہو اختیار کرو تو عاصی نہ ہو گے" الخ

اقول :۔ علی التقدیر پھر آپ کا تقلید شخصی کو کہنا اور غیر شخصی کو رد کرنا غلط و بے معنی ہوا۔ ثانیاً جب یہ اختیار حاصل ہے تو علی زعم شما مجرد تقلید فرض ہوئی۔ شخصی یا غیر شخصی کا قید درست نہیں۔ بلکہ تقلید مع القید مباح ہوگی۔

قولہ ص۹۱ س۱۳ "اس کی مثال ایسی ہے" الخ

اقول :۔ یہاں مصنف نے دو مثالیں دی ہیں ایک کفارۂ قسم۔ دوسری اضحیہ کی لیکن دونوں

میں فرض یا وجوب مع عدم تعیین ہے اور آپ نے سارا زور رسالہ میں اس پر لگایا ہے کہ ایک ہی قسم تقلید کی یعنی شخصی کو معین قرار دیں پس یہ محنت بیکار ہوئی ؎

کوئی بھی کام مسیحا تیرا پورا نہ ہوا

نامرادی میں ہوا ہے تیرا آنا جانا

جیسے کہتے ہو جو بھی کفارہ ادا کر دیا جس جانور کی قربانی کرو گے تو حق ادا ہو جائے گا۔ اسی طرح جو بھی تقلید ہوگی کافی ہوگی۔ یہ اس صورت میں جب تقلید کی فرضیت مانی جاتے اور یہاں تو معاملہ ہی برعکس ہے۔

قولہ ص ۱ عہد صحابہ و تابعین میں تقلید شخصی کا ثبوت :

اقول: شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۴ ج ۱ میں امام ابن حزمؒ سے نقل کرتے ہیں کہ صحابہ خواہ تابعین اور تبع تابعین سب کا اول سے لے کر آخر تک تقلید کی ممانعت پر اجماع ہے۔ نیز امام ابن حزم الاحکام ص ۸۶۰ طبع جدید میں لکھتے ہیں کہ

قال التقليد كله حرام فى جميع الشرائع اولها عن آخرها من التوحيد والنبوة والقدر والايمان والوعيد والإمامة والمفاضلة وجميع العبادات والأحكام - اھ

اول سے لے کر آخر تک سب شریعتوں میں تقلید کرنا حرام ہے خواہ عقائد توحید و نبوت تقدیر ایمان وعید امامت مفاضلہ میں ہو یا جمیع عبادات اور احکام شرعیہ میں ہو اور امام شوکانی ارشاد الفحول ص ۲۶۷ میں لکھتے ہیں کہ

قال القرافى مذهب مالك وجمهور العلماء وجوب الاجتهاد وإبطال التقليد وادعى ابن حزم الاجماع على النهى عن التقليد إن لم

یکن إجماعا فھو مذھب الجمھور۔" اھ مختصراً۔

قرافی کہتے ہیں کہ امام مالکؒ اور جمہور علماء کا مذہب ہے کہ اجتہاد واجب اور تقلید باطل ہے اور امام ابن حزم نے تو تقلید کے منع پر اجماع ہونے کا دعویٰ کیا ہے اگر اجماع نہ بھی ہو تو بھی جمہور کا مذہب ضرور ہے۔

پس جو اس عنوان کے تحت مصنف نے لکھا ہے حقیقت کے خلاف ہوا۔ مزید بیان آگے آئے گا۔

قولہ ص۵۔ "صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں اسی طرح عمل رہا کہ سائل کے جواب میں عالم نے جو کچھ حکم دیا دلیل سے یا بلا دلیل سائل نے اس پر عمل کیا۔" الخ

اقول: یہ واقعہ کے خلاف ہے۔ سلف میں دلائل پوچھنے کا رواج تھا بلکہ جہاں کہیں دلیل کے خلاف نظر آیا تو بڑے سے بڑے کو ٹوک دیا جیسا کہ اوپر کچھ مثالیں گذریں نیز علی التقدیر عامی کا مفتی کی طرف رجوع کرنا بھی تقلید نہیں۔ دیکھو المستصفی للغزالی ص۳۸۹ ج۲ و فواتح الرحموت ص۴۰۰ ج۲ فی ذیل المستصفی۔ والتحریر لابن الہمام ص۵۴۷۔ آپ کو تقلید کی دلیل دینا چاہیے لیکن مقلد اور استدلال "شتان ما بینھما"!

قولہ "معلوم ہوا کہ مستفتی کو بلا دلیل اور بلا ماخذ معلوم کیے ہوتے کسی مستند عالم کے فتویٰ پر عمل کرنا بالاجماع واجب ہے"

اقول: امام ابو حنیفہ رحمہ نے تو اس کو حرام کہا ہے۔ کما مر۔ ثانیاً بلکہ اجماع اس کی منع پر ہے کما ذکر آنفا۔ ثانیاً یہ بھی تقلید نہ ہوئی۔ کما بیناہ

قولہ ص۱۲ "قال ابن الحاجب لم تزل۔" الخ

اقول:- اول یہ سوال ایک دوسرے سے دلیل معلوم کرنے کے لیے بمنزلہ مشورہ تھا۔

ثانیاً اگر سائلین سے عوام ہی مراد ہیں تو پھر یہ سوال تقلید نہیں۔ ثالثاً اوپر گذرا کہ اجماع تقلید کے خلاف ہے لہٰذا یہ سوال تقلید مراد نہیں۔ رابعاً ابن حاجب کی کتاب مختصر الاصول کی طرف رجوع کیا گیا لیکن اس میں اسی طرح عبارت نہیں بلکہ کافی تبدیل کی گئی ہے۔ وہاں اجماع کا ذکر نہیں نیز ابن حاجب نے خود تقلید کو ضروری قرار نہیں دیا ہے۔

قولہ ص ۱۸۵۔ "صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں"

اقول: اس کی پوری تردید ہو چکی ہے۔ ایضاً تقلید علم ہی نہیں جیسا کہ ہم نے امام غزالی اور حافظ ابن قیم سے نقل کیا۔ پھر سلف ایسی چیز پر کیسے قناعت کر سکتے تھے۔ اس قول کے بطلان کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

قولہ ص ۱۸۵۔ "اہل علم پر مخفی نہیں کہ قبائل عرب کی زبانیں اگرچہ عربی ہونے میں مشترک تھیں (الی قولہ) تمام صحابہ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس حکم کو۔ بسر وچشم قبول کیا۔ ابتداءً یہ تقلید شخصی تھی" الخ

اقول: عجیب استدلال ہے مقلد اور استدلال۔ ع

ایں خیال است و محال است و جنون

دراصل امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوسری قراءتوں کو رد نہیں کیا بلکہ جب ان کو یہ علم ہوا کہ لوگ سخت اختلاف کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ قرآن میں ان کا اختلاف توریت وانجیل میں یہودیوں اور نصرانیوں کے اختلاف کی صورت اختیار کر رہا تھا اس لیے انھوں نے سب صحابہؓ کے مشورہ سے کام لیا اور جب سب نے مشورہ دیا تو عمل میں لایا یہ نہ کہ انھوں نے خود حکم دیا یا خود کیا اور لوگوں نے بلا چون وچرا قبول کر لیا۔ چنانچہ امام قرطبی لکھتے ہیں کہ

عن علی بن ابی طالب أن عثمان قال ما ترون فی المصاحف فان الناس

قد اختلفوا فی القراءة حتی إن الرجل لیقول قرائتی خیر من قراءتك وقراءتی أفضل من قراءتك وهذا شبیه بالکفر قلنا ما الرأی عندك یا أمیر المؤمنین قال الرأی عندی أن یجتمع الناس علی قراءة فإنکم إذا اختلفتم الیوم کان من بعدکم أشد اختلافا قلنا الرأی رأیك یا أمیر المؤمنین. فأرسل عثمان إلی حفصة أن أرسلی إلینا بالمصحف لننسخها فی المصاحف ثم نردها إلیك فأرسلت بها إلیه الخ. (تفسیر قرطبی ص۵۲، ج۱)

"حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مصحفوں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ لوگ قراءتوں میں بڑا اختلاف کر رہے ہیں حتیٰ کہ کوئی کہتا ہے کہ تمہاری قرأت سے میری اچھی ہے کوئی کہتا ہے میری افضل ہے۔ یہ اختلاف کفر کے متشابہ ہے ہم نے کہا کہ اے امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی اس میں کیا رائے ہے؟ کہا کہ میری یہ رائے ہے کہ لوگوں کو ایک ہی قرأت پر جمع کیا جائے۔ اس لیے کہ اگر آج تم اختلاف کرو گے تو تمہارے بعد والے اور زیادہ اختلاف کریں گے۔ ہم نے کہا کہ آپ کی رائے ہی درست ہے پس اس نے ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف کہلا بھیجا کہ ہماری طرف مصحف بھیجو تاکہ ہم نقل کرا کر واپس کریں۔ پھر اس نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف مصحف بھیج دیا۔"

اور اسی طرح حافظ ابن کثیر فضائل القرآن ص۱۱ میں فرماتے ہیں کہ

ووافقه علی ذالك جمیع الصحابة اور سب صحابہؓ نے حضرت عثمان رضؓ

کے ساتھ اس کام میں موافقت کی ۔

پس یہ تقلید نہیں مشورہ تھا اور سب کے اتفاق سے کام ہوا نیز ایک مجتہد کا دوسرے مجتہد کا قول قبول کرنا بھی تقلید نہیں ۔

ناظرین ! بلکہ اس واقعہ سے تقلید کی تردید ہوتی ہے کیونکہ یہ مصحف جس کو عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ام المومنینؓ سے منگایا تھا۔ اس کی حقیقت اس طرح ہے کہ

عن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ قال أرسل إلی أبوبکر مقتل أھل الیمامۃ فاذا عمر بن الخطاب عندہ قال ابوبکر رضی اللہ عنہ ان عمر اتانی فقال ان القتل قد استحر یوم الیمامۃ بقراء القرآن وانی اخشی ان یستحر القتل بالقراء بالمواطن فیذھب کثیر من القرآن وانی اری ان تامر بجمع القرآن قلت لعمر کیف تفعل شیئًا لم یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال عمر ھذا واللہ خیر فلم یزل عمر یراجعنی حتی شرح اللہ صدری لذلک ورأیت فی ذالک الذی رأی عمر قال زید قال أبوبکر إنک رجل شاب عاقل لانتھمک وقد کنت تکتب الوحی لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتتبع القرآن فاجمعہ فواللہ لوکلفونی نقل جبل من الجبال ماکان أثقل علی مما أمرنی بہ من جمع القرآن قلت کیف تفعلون شیئا لم یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ھو واللہ خیر فلم یزل أبوبکر یراجعنی حتی شرح اللہ

صدری للذی شرح له صدر أبی بکر وعمر رضی الله عنهما فتتبعت القرآن أجمعه من العسب واللخاف وصدور الرجال حتی وجدت آخر سورة التوبة مع أبی خزیمة الانصاری لم اجدها مع احد غیره لقد جاءکم رسول من أنفسکم عزیز علیه ما عنتم حتی خاتمة براءة فکانت الصحف عند ابی بکر حتی توفاه الله ثم عند عمر حیاته ثم عند حفصة بنت عمر رضی الله عنهما (بخاری ص۷۴۶ ج ۲ مصری)

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ واقعہ یمامہ کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے بلایا آپ کے پاس امیر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے تھے۔ آپ نے مجھے کہا کہ عمر رض میرے پاس آیا ہے اور کہا کہ اس سخت قتال کی وجہ سے مجھے ڈر ہے کہ قرآن کے حفاظ اس کے شکار نہ ہو جائیں اور اکثر حصہ قرآن کا چلا نہ جاتے۔ آپ قرآن کے جمع کرنے کا حکم دیں۔ میں نے امیر عمر رض سے کہا کہ جو کام نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا آپ کیسے کرتے ہیں؟ کہا بخدا یہ کام اچھا ہے اور وہ بار بار میرے ساتھ مراجعت کرتا رہا حتیٰ کہ اللہ نے میرا سینہ کھول دیا اور میں نے بھی وہ بات صحیح سمجھی جو اس نے کہی پھر ابوبکر رض نے مجھ سے کہا کہ تو جوان اور عقلمند ہے اور ہم تجھے متہم نہیں سمجھتے کیونکہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وحی کی کتابت کرتا تھا لہٰذا تو ہی قرآن کو مختلف کتبوں سے حاصل کر کے جمع کر۔ واللہ یہ بوجھ مجھ پہ پہاڑ سے بھاری تھا۔ میں نے ابوبکر رض سے کہا کہ جو کام نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم نے نہیں کیا آپ کیسے کرتے ہیں؟ فرمایا: بخدا یہ اچھا

کام ہے۔ پھر اس کی بار بار مراجعت سے اللہ نے میرا بھی سینہ کھول دیا جس طرح ان دونوں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا کھول دیا تھا پھر میں قرآن جمع کرنے کے پیچھے لگا اور چھپڑیوں اور لحاف اور حافظوں سے حاصل کیا۔ بالآخر سورت توبہ کی آخری دو آیتیں صرف ابوخزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ سے ملیں پھر وہ جمع کردہ مصحف ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس تاحیات رہا۔ پھر امیر عمر کے پاس تاحیات رہا۔ پھر ان کی بیٹی ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس رہا۔

(بخاری ص۱۲۶ ج۳ مصری)

ناظرین! زید بن ثابتؓ کاتب الوحی بذاتِ خود قرآن کا حافظ اور قاری تھا اور سب صحابہ سے مختلف آیات کو حاصل کرکے حسب ترتیب نبوی قرآن جمع کیا جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رہا۔ پھر عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پھر اس کی بیٹی کے پاس اور اسی سے عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے بوجہ اختلاف طلب کرکے نسخہ جات لکھوا کر علاقوں میں بھیجے اور آیت "فان تنازعتم فی شیٔ" پر عمل کرکے ثابت کر دکھلایا۔ اسلام میں تقلید نہیں ہے یعنی جب قراءتوں میں لوگوں کو مختلف پایا تو سب کو نبوی قراءت پر جمع کیا جو سب پر حجت ہے ہاں اگر عثمان رضی اللہ عنہ خود اپنی طرف سے کوئی خاص قراءت مقرر فرماتے اور بلا دلیل اس کو مان لیتے تو البتہ تقلید کہنے کی گنجائش ہوتی۔ لیکن ایسا نہیں بلکہ سب کو دلیل سے منوایا۔ ایضاً یہاں صدیق اکبرؓ کا عمر فاروقؓ سے بحث کرنا اور پھر زید بن ثابتؓ کا بحث کرنا خود بتاتا ہے کہ صحابہؓ غیر مقلد

لہ یعنی مدلل ہے کیونکہ معاذاللہ اصحاب بے ثبوت فعل کو اچھا نہیں سمجھتے تھے اور ابوبکرؓ و عمرؓ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم دلیل سمجھنے کے بعد ہی اس کے اچھے ہونے کے قائل ہوئے۔ منہ عفی عنہ۔

تھے۔ بلا دلیل کسی کی بات نہیں مانتے تھے بلکہ دلیل سمجھنے کے بعد دوسرے سے اتفاق کرتے تھے جیسا کہ ایک مجتہد دوسرے مجتہد کے قول کی طرف رجوع کرتا ہے فتدبر!

قولہ ص۱۲۲ سطر۱ "عہد صحابہ میں عبداللہ بن عباس رض مکہ مکرمہ میں اور زید بن ثابت مدینہ منورہ میں اور عبداللہ بن مسعود رض کوفہ میں فتوی دیتے تھے اور تمام تابعین بلا دلیل دریافت کیے ان حضرات کے فتاوی پر عمل پیرا ہوتے تھے۔

اقول: اولاً۔ اس کا کیا ثبوت ہے کہ وہ بلا دلیل ان کی بات مانتے تھے۔ ثانیاً کہ تابعین و دیگر صحابہ رض نے ان تینوں سے مسائل میں اختلاف نہیں کیا؟ مثلاً ابن عباس رض مباشرۃ حائضہ کا قائل نہیں ہے لیکن اس کے دو شاگرد عطاء اور طاؤس خلاف ہیں۔ (المحلی ص۱۸۲-۱۸۳ ج۲) نیز ابن عباس رض آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو کے قائل ہیں لیکن ان کا شاگرد ابو مجلز لاحق بن حمید خلاف ہے (الاعتبار للحازمی ص۴۷) ایضاً زید بن ثابت اسی سے وضو ٹوٹنے کا فیصلہ دیتے ہیں اور ان کا شاگرد قاسم بن محمد اس کے خلاف ہے (الحازمی علی الترتیب ص۴۷، ص۱۳۶، ص۱۳۵) ایضاً ابن مسعود نماز میں سہواً کلام کرنے والے کو لوٹانے کا حکم نہیں دیتے بلکہ باقی رکھتے ہیں اور ابراہیم نخعی اور حماد بن ابی سلیمان اس کے خلاف ہیں۔ نیز آپ تین اشخاص کی جماعت میں امام کو صف کے درمیان کھڑے ہونے کا حکم دیتے ہیں لیکن عام کوفہ والے اس کو آگے کھڑے ہونے کا حکم دیتے ہیں۔ نیز آپ نماز جنازہ میں پانچ تکبیروں کے قائل ہیں لیکن آپ کا خاص شاگرد علقمہ ان کے خلاف ہے (الحازمی علی الترتیب ص۴۷، ص۱۰۶، ص۱۲۲، ص۱۲۳) کتابوں کے تتبع سے ایسے کئی مسائل ملتے ہیں وفیما ذکرنا کفایۃ لمن لہ درایۃ۔ ثالثاً امام ابن حزم نے رسالہ اصحاب الفتیا میں مکہ مدینہ اور کوفہ تینوں شہروں کے مفتی ذکر کیے ہیں جو صحابہ رض کے بعد ہوتے اور سب کو مجتہد بتاتے ہیں، وہ کسی کے مقلد نہیں تھے۔

قولہ ۲۳ "اور مسائل خلافیہ میں اہلِ مکہ عبداللہ بن عباسؓ کے قول کو ترجیح دیتے تھے" الخ

اقول: ترجیح دینا مجتہد کا کام ہے یا مقلد کا؟ ثانیاً امام ابن حزم رسالہ اصحاب الفتیا میں اہلِ مکہ کے سب مفتیوں کو مجتہد بتاتے ہیں جن میں ابن عباسؓ کے شاگرد اور شاگردوں کے شاگرد ہیں۔

قولہ ۲۳ "اور یہی سب کی عادت مستمرہ تھی" الخ

اقول: مسئلہ پوچھنا اور بات ہے اور تقلید اور۔ یہ کہاں ہے کہ انھوں نے بلا دلیل معلوم کئے کسی کی بات مانی۔ ثانیاً عامی کا مفتی کی طرف یا مجتہد کا مجتہد کی طرف رجوع "تقلید" نہیں۔

قولہ ۲۳ "بخاری اور ترمذی اور ابو داؤد میں ہے کہ ابو موسیٰ اشعری سے کوئی مسئلہ دریافت کیا گیا اور پھر وہی مسئلہ عبداللہ بن مسعودؓ سے دریافت کیا گیا تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ نے ابو موسیٰ اشعری کے خلاف فتویٰ دیا" الخ

اقول: مصنف نے یہاں خیانت کی ہے۔ یہ نہیں بتایا کہ ابن مسعودؓ نے ابو موسیٰ کے خلاف کیوں کیا؟ اور کیا الفاظ کہے؟ دراصل ابو موسیٰ کے قول پر دلیل نہیں تھی بلکہ اس کے خلاف تھی چنانچہ ابن مسعودؓ نے جب ان کا فتویٰ سنا تو یوں کہا کہ

لقد ضللت اذا وما انا من المهتدين اقضى بما قضى النبى صلى الله عليه وسلم الحديث (مشکوٰۃ ص۲۶۴ بحوالہ البخاری)

میں تو گمراہ ہو جاتا اگر اس فیصلہ کو قبول کرتا اس پر خاموش رہتا اور ہدایت والوں میں سے نہیں ہوتا۔ میں تو وہی فیصلہ کروں گا جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا ہے۔

یہاں ابن مسعودؓ نے اس کے فیصلہ کو دلیل سے رد کیا ہے اور بلا دلیل اتباع کو گمراہی سے تعبیر کیا۔ تقلید کی تردید اس سے زیادہ کیا ہوگی نیز ابو موسیٰ نے جو ابن مسعودؓ سے پوچھنے کا حکم دیا۔ سو اس لیے کہ اس کی بات مدلل تھی گویا اس نے بھی دلیل ہی کے اتباع کا حکم دیا اس کو تقلید شخصی کہنا سخت نادانی ہے جب کہ وہ خود اپنے فیصلہ کو دلیل دیکھ کر رد کرتا ہے اور دلیل کی پیروی کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ تقلید نہیں اس کی تردید ہے۔

قولہ ص۸۲ سطر ۱۶ " حافظ عراقی فرماتے ہیں " الخ

اقول: اس شعر میں اتباع کا لفظ ہے تقلید کا نہیں اور دونوں کا فرق بیان ہو چکا ہے بلکہ اس شعر میں لفظ متبعین ہے جس کی معنی کہ وہ دلیل سے بات مانتے تھے یعنی غیر مقلد تھے اور آپ نے ترجمہ " مقلد " کیا ہے جو غلط ہے۔ یہ کس لفظ کا ترجمہ ہے۔ اتباع تو بالدلیل ہوتا ہے۔

قولہ ص۸۲ سطر ۱۹ " جوانی کے قول کو ترجیح دیتے ہیں "

اقول: پھر مقلد کیسے ہوئے۔ یہی آپ کے ترجمہ کے غلط ہونے کی دلیل ہے کیوں کہ ترجیح دینا بھی اجتہاد ہے۔

قولہ ص۸۳ سطر ۱۹ " اور عہد صحابہؓ کے بعد تابعین کے دور میں فقہاء سبعہ کے فتووں پر عمل ہوتا رہا اور پھر تبع تابعین " الخ

اقول: یہ کہاں ثابت ہے کہ ان فتووں پر بلا دلیل عمل ہوتا تھا " اثبت العرش ثم انقش۔ ایضاً نہ رجوع المجتہد الی المجتہد تقلید ہے نہ رجوع العامی الی المفتی۔ کما مر ایسی بات کا اجماع سے تعبیر کرنا بھی عجیب ہے۔ امام احمدؒ نے سچ فرمایا ہے کہ " من ادعی الاجماع فھو کذاب (الاحکام لابن حزم ص۱۴۲، ج۴)

قولہ ص۸۳ سطر ۵ " تقلید شخصی کے فوائد اور ترک تقلید کے مفاسد "

اقول : جب ثابت ہوا کہ تقلید کا ثبوت نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں بلکہ دونوں میں صریحاً منع وارد ہے۔ نیز عقلِ سلیم بھی اس کو باطل جانتی ہے لہٰذا یہ سارا عنوان مردود و لایعنی ہوا۔ اس اجماع کے بعد تفصیل ملاحظہ ہو ؎

پڑا فلک کو کبھی دل جلوں سے کام نہیں
جلا کے خاک نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

قولہٗ ص۳۵۰ : قرآن کریم اور حدیث شریف کی بے شمار نصوص سے اتباع ہوی (خواہش پرستی) کی حرمت ثابت ہے (الی قولہ) بلکہ درپردہ وہ اپنی خواہش کا متبع ہے۔

اقول : دراصل تقلیدِ شخصی ہی خواہش پرستی ہے کیونکہ ائمہ کا اختلاف ہے کسی ایک کا منتخب کرنا مقلد کا کام نہیں اس لیے کہ اعلم کا معلوم کرنا بھی اجتہاد کی قسم ہے (فواتح الرحموت ص۳۹۲ ج۲ فی ذیل المستصفی) پس اگر تحقیق سے امام کا انتخاب کرنا اور اس کو ترجیح دینا بدون اتباع ہوی النفس کے اور کوئی اس کی وجہ نہیں لہٰذا تقلید ہی ہوی النفس پرستی ہے اور غیر مقلد اہلِ حدیث کو کسی کی مجبوری نہیں بلکہ وہ دلیل کا تابع ہے اور جہاں اور جب بھی قرآن یا حدیث سے حکم ملے گا تو وہ علی الراس والعین ہے اور ہوی پرستی جب ہو کہ کسی خاص مذہب کی پاس خاطری کرے اور خواہش کو سامنے رکھ کر دلائل ڈھونڈنا بھی مقلد کا کام ہے کیونکہ اس کو ہر وقت اپنے مذہب کی لگی ہوئی ہوتی ہے۔ غیر مقلد کا تو مذہب ہی دلیل ہے اور اتفاق سے حدیث ملنے کا مسئلہ بھی مقلد پر چسپاں ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس کی نیت اتباع الرسول کی نہیں بلکہ اتباع غیر الرسول کی ہی نیت ہوتی ہے۔ پس اگر اتفاق سے اس کی بات دلیل سے موافق ہو بھی گئی تو بھی وہ مخطی ہے اس لیے کہ "انما الاعمال بالنیات" اسی بناء پر امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ

والمجتهد المخطئ افضل عند الله من المقلد المصيب

(المحلی ص۲۹ ج۱)

مرے نزدیک غیر مقلد اہلِ ہوا ہیں اور تقلیدِ شخصی کی ترک جو ہوا

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقلد مصیب سے مجتہد مخطی افضل و بہتر ہے۔

قولہ ص۸۳ س۱۱۔ "حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنے فتویٰ میں اس پر مبسوط کلام فرمایا ہے (الی قولہ) اور حق جل شانہٗ کا ارشاد ہے۔" ولو اتبع الحق اھوائھم لفسدت السمٰوٰت والارض ومن فیھن الا ص۸۵ س۱۳)

اقول: جب ثابت ہوا کہ تقلید ہی ہوی پرستی ہے پھر یہ ساری تقریر اور آیت تقلید اور مقلد پر ہی صادق آتی ہے۔ ثانیاً خود آپ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں کہ

" اور اپنی ہوائی نفسانی پر عمل پیرا ہونے کے لیے اس کو کسی حدیث یا کسی امام کی طرف منسوب کرتا ہے تو ایسا شخص خدا و رسول کا متبع نہیں بلکہ اپنی ہوائے نفس کا متبع ہے اور اپنے نفس کی تقلید شخصی میں گرفتار ہے۔" ص۸۳ س۱۸۔

یہ بعینہٖ تعریف مقلد کی ہے جو بلا تحقیق کسی امام کو ترجیح دیتا ہے کیونکہ اگر تحقیق کرتا ہے تو مقلد نہیں رہتا۔ پھر اس کی تائید میں جعلی اور جھوٹی روایتیں ذکر کرتا ہے۔ یہ محض اپنی ہوی کی تقلید میں گرفتاری کا نتیجہ ہے۔ ایضاً شیخ الاسلام نے حدیث کا اتفاقاً ملنا نہیں بتایا جیسا کہ آپ نے کہا بلکہ اس کی طرف نسبت بتائی اور ظاہر ہے کہ یہ غلط نسبت مراد ہے ورنہ اگر صحیح نسبت ہے تو اس کا اتباع ہوی کا اتباع نہیں ہے بلکہ شیخ الاسلام کے اس فرمان کے مصداق عام طور پر فقہی کتابیں ہیں۔ جن میں اپنے مذہب کی تائید کے لیے کئی ایسی روائتیں بھی لائی گئی ہیں، جو صرف ضعیف نہیں بلکہ موضوع ہیں اور کئی تو لاپتا ہوتی ہیں اور اہل حدیث ہمیشہ تحقیق کر کے جو حدیث صحیح و سالم ہوتی ہے۔ اس پر عمل کرتے اور اسی پر اپنے مذہب و عقیدہ کی بنیاد رکھتے ہیں۔" فای الفریقین احق بالامن ان کنتم تعلمون" ثالثاً شیخ الاسلام کا کہنا کہ وہ کبھی کسی کی تقلید کرتے ہیں اور کبھی کسی کی۔

سو یہی مقلدین کا حال ہے۔ جب دیکھا کہ امام ابوحنیفہ رحہ کی تقلید میں بھوکا رہنا پڑے گا کیوں کہ ان کے ہاں بیشں اماموں اور مدرسوں کی تنخواہ ممنوع ہے اور زمیندارہ باطل ہے تو بھاگ کر امام شافعی رحمۃ اللہ کی اس مسئلہ میں تقلید کی اور مفقود الخبر کے مسئلہ میں امام مالک رح کی تقلید کی اور گواہوں کو قسم دینے میں چاروں اماموں کے مذہبوں سے نکل کر ابن ابی لیلیٰ کی تقلید کی لیکن اہل حدیث غیر مقلدین اس سے بالکل ہی دور ہیں۔ شیخ الاسلام مقلدین کی حالت بتا رہے ہیں نہ کہ غیر مقلدین کی۔ نیز اہل حدیث ہر حال میں قرآن و حدیث کی اتباع کرتے ہیں اور عدم موافقت کی صورت میں اس کی اتباع حرام سمجھتے ہیں۔ دابعاً شیخ الاسلام" تلاعب بالدین بھی اس لیے بتاتے ہیں کہ جس کی طرف اس کے نفس و ہویٰ کا میلان ہوتا ہے۔ اسی کی تقلید کرتے ہیں لیکن اہل حدیث اس سے قطعاً مراد نہیں کیوں کہ وہ تو غیر مقلدین ہیں کسی کی تقلید نہیں کرتے۔ یہ ساری شکایت مقلدین ہی سے ہو رہی ہے ؎

آئینہ دا بہرِ خدا بر کف مگیر اے نازنین
ترسم کہ مجنوں مے شوی بہ دیدن دیدار خویش

قولہ ص۱۵ سطر ۱۵ "مولانا محمد حسین بٹالوی" الخ

اقول: اولاً اخبار کا وہ پرچہ موجود نہیں ہم کیسے باور کریں؟ بلکہ خود مصنف نے اصل اخبار سے نقل نہیں کیا۔ چنانچہ حاشیہ میں لکھا ہے کہ

"مولانا محمد حسین صاحب کا یہ کلام ہم نے کلمۃ الفصل ص۱ مصنفہ مولانا مولوی عبدالحی صاحب خطیب جامع رنگون سے نقل کیا ہے۔"

ثانیاً خود علامہ بٹالوی نے تقلید کی پوری تردید کی ہے اخبار اشاعۃ السنۃ کے پرچے اس پر شاہد ہیں۔ ثالثاً۔ اس میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو بے علم ہوں۔ کیا معاذ اللہ آپ ایسے ہی ہیں؟ کیا آپ کے معتقدین اس کو آپ کی بے ادبی تصور نہیں کریں گے؟ خدارا چھوڑ دو اس تقلید کو جو علماء

کے لیے بدنما داغ ہے۔ اللہ نے آپ کو نعمت دی ہے اس کا تمسک بحال رکھیں اور اپنے آپ کو مقلدین کی صف میں شمار کر کے کفران نعمت نہ کریں۔

قولہ ۲۸۲ صحابہ و تابعین کے زمانہ میں تقلید شخصی کا التزام اس لیے نہ تھا کہ قلوب نفسانیت سے پاک تھے۔ اور اب زمانہ ہے فتنہ و فساد کا اور غلبہ ہے ہوی اور ہوس کا۔"

اقول: ثابت ہوا کہ یہ محدث چیز ہے۔ ثانیاً اگر یہ بات ہوتی تو خود اللہ تبارک و تعالیٰ الخ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ بتا دیتا۔ آپ کیسے فیصلہ کر رہے ہیں۔ ثالثاً فتنہ سے بچنے کا طریقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا ہے کہ قرآن و حدیث سے تمسک کرو۔ اور صاف بتا دیا کہ "لن تضلوا ما تمسکتم بھما" جب تک ان دونوں سے تمسک کرتے رہوگے ہرگز گمراہ نہیں ہوگے۔ اور یہ نہیں کہا کہ کسی امام کی تقلید کرنا تو فتنہ و گمراہی سے بچ جاؤ گے۔ یہ آپ کی ایجاد ہے کہ شریعت میں ایزاد ہے۔ رابعاً آپ نے جو خطرہ کی وجہ بتائی ہے کہ جو مسئلہ جہاں مفید پائیں گے وہاں سے لیں گے اور اس کو آپ نے "یحلونہ عاما و یحرمونہ عاما" سے تشبیہ دی ہے یہی حالت مقلد کی ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ کیونکہ مختلف اقوال میں سے جس کو موافق پایا لے لیا۔ لیکن غیر مقلد ان چیزوں سے پاک ہے۔ وہ تو حدیث و قرآن دیکھے گا چاہے وہ کسی کا بھی قول ہو۔ یا کسی کا بھی نہ ہو۔ اس کو کتاب و سنت کافی ہیں۔

قولہ ۲۸۳ "غرض یہ ہے کہ سہولت پسند طبیعتیں جس امام مجتہد کا مسئلہ اپنی خواہش کے موافق پائیں گی اس کو اختیار کریں گی" الخ

اقول: یہ سب کچھ مقلدین کا شیوہ ہے۔ وہی غیر رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اتباع کے عادی ہیں۔

پس جن کی بات بھائی اور دل کو پسند آئی اور آسان سمجھی اس کو لے لیا جس کو مشکل سمجھا

پس پشت ڈال دیا۔ لیکن غیر مقلدین دوسروں کی اتباع کے سرے سے قائل نہیں۔ وہ تو حکم قرآن وحدیث کو اپنے لیے نہایت آسان اور سہولت والا جانتے ہیں۔ "ان الدین یسر" پس ان کو سہولت والے دین کی تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ وہ اسی (قرآن وحدیث) کو اپنے لیے انتہائی سہولت تصور کرتے ہیں۔ پس تقلیدی مذہب ہی خواہشوں کا مجموعہ بنا ہوا ہے۔

قولہ ص۸۶ سطر ۱۶: "بجائے اس کے کہ اپنی خواہشوں کو دین کے تابع کریں غیر شخصی تقلید کی آڑ میں دین ہی کو اپنی خواہشوں کے تابع بنائیں گے۔"

اقول: شخصی ہو خواہ غیر شخصی اس الزام کے ملزم مقلدین ہی ہیں۔ غیر مقلدین کو اس سے کیا سروکار وہ تو قرآن وحدیث کی اتباع کرنا چاہتے ہیں۔ پھر جیسا بھی حکم ہو۔

قولہ ص۸۶ سطر ۱۸: "اس لیے علماء نے فتویٰ دیا کہ تقلید شخصی واجب بالغیر ہے اور تقلید غیر شخصی ممنوع ہے۔"

اقول: فتویٰ کن علماء نے دیا ہے؟ دلیل کیا ہے؟ امت تو اس پر متفق ہے کہ دلیل کی اتباع کی جائے۔ کما مضی۔ نیز اتباع القرآن والحدیث واجب بالذات ہے لہٰذا وہ مقدم ہے نیز شخصی کو واجب بالغیر کہنا بھی غلط ہوا۔ کیونکہ جو عذر پیش کیا گیا۔ وہ اس کے وجوب نہیں بلکہ بطلان اور دونوں کی تردید کو مستلزم ہے۔ کما مر۔

قولہ ص۸۶ سطر ۱۹: "اس ہوی پرستی کے زمانہ میں اتباع ہویٰ سے بچانے کا ذریعہ سوائے تقلید شخصی کے اور کوئی نہیں۔"

اقول: بلکہ یہی ہوی پرستی کی وجہ اول ہے کیونکہ متبع قرآن وحدیث اپنی پسند یا رائے نہیں چلا سکتا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ "وما کان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضى الله ورسوله امرا ان یکون لهم الخیرة من امرهم" (الاحزاب ع۴ پ۲۲) "لا یومن احدکم حتی یکون

ھواہ تبعا لما جئت بہ" (مشکوٰۃ ص۳۰) ہاں مقلد اپنے کو دوسرے کی اتباع کا مجاز جانتا ہے۔ پس جس کی رائے پسند آئی قبول کر لی۔

قولہ ص۸۱ س۹۔ "حکیم الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ سرہٗ اپنے رسالۃ الانصاف" ص۵۹ میں فرماتے ہیں:۔ الخ

اقول:۔ اوّلاً خود شاہ صاحب موصوف نے ثابت کیا کہ تقلید بدعت اور بعد کی پیداوار ہے ثانیاً عبارت میں لفظ "مذہب" ہے جس کا آپ نے ترجمہ تقلید شخصی کیا ہے یہ صحیح نہیں کیونکہ عبارت میں یہ مذکور نہیں کہ یہ کام بلا دلیل ہوتا تھا بلکہ دلیل کے بغیر اتباع سلف میں ممنوع تھی۔ کما مضیٰ لہٰذا شاہ صاحب کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کا اتباع کرتے تھے نہ کہ تقلید۔

قولہ ص۸۱ س۹۔ "بالفرض اگر کتاب و سنت اور عہدِ صحابہؓ و تابعین میں کہیں بھی تقلید شخصی کا تصریحاً ثبوت نہ ہوتا تو (الی قولہ) اور تقلید شخصی کا ترک ممنوع بالغیر اور موجب فتنہ ہوگا۔"

اقول:۔ یہ سب کچھ مقلدین کا آپس کا جھگڑا ہے "تحسبھم جمیعا و قلوبھم شتی"۔ لیکن جو قرآن و حدیث کے براہ راست متبع ہیں وہ اس فتنہ سے بحمد اللہ۔ مامون ہیں بیاخبار الصادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم۔

قولہ ص۸۱ س۱۶۔ "غرض یہ کہ جو شخص ترک تقلید کرتا ہے وہ مطلق العنانی اور خود بینی اور خود رائی اور سلف اور خلف ہر نکتہ چینی میں مبتلا ہوتا ہے۔"

اقول:۔ یہ سب حال مقلد کا ہے وہ آزاد ہے جس امام کا قول اپنی خواہش کے مطابق دیکھا لے لیا۔ اپنے امام کو چھوڑ کر دوسروں پر طعن و تشنیع کی لیکن غیر مقلدین سب کو نیک اور افضل مانتے ہیں۔ مگر معصوم نہیں جانتے۔ ان کے اقوال کے لیے کسوٹی اور معیار قرآن و حدیث کو سمجھتے ہیں۔ اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع سے باہر جانا حرام جانتے ہیں۔ مطلق العنان ہرگز نہیں۔ ان کی باگ ڈور

محمدی علم و میراث ہے۔ لیکن مقلدین کی باگ کبھی کسی کے ہاتھ میں کبھی کس کے ہاتھ میں "لا الی ھؤلاء ولا الی ھؤلاء"

قولہ ص۱۸۷ سطر۱۸:۔ "بسا اوقات اجماع کی مخالفت کرتا ہے"۔

اقول:۔ قرآن و حدیث کی مخالفت میں وہ کسی کو نہیں مانتے اور یہی عین ایمان ہے لیکن جہاں نص خلاف نہیں۔ ایسے اجماع کو مانتے ہیں۔ ائمہ دین نے کئی بار اجماع کی مخالفت کی۔ مثلاً امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:۔

وقد ذکر محمد بن جریر الطبری انہ وجد للشافعی اربعمائۃ مسئلۃ خالف فیھا الاجماع (الاحکام ص۵۴۳ ج۴)

امام ابن جریر رح نے ذکر کیا کہ مجھے امام شافعی رح کے چار سو مسائل ایسے ملے ہیں جن میں اس نے اجماع کی مخالفت کی ہے۔

کیا اب امام شافعی رح کو بھی نعوذ باللہ مطلق العنان، ہوی پرست، خود بین، خود رائے اور سلف و خلف کا بے ادب وغیرہ کہو گے؟

قولہ ص۱۸۷ سطر۱۵:۔ "حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو در بارہ تراویح بدعتی بتلاتا ہے۔ اور اگر بدعتی نہیں بتلاتا تو مسلمانوں کو بیس رکعت تراویح سے روکنے کے لیے تقریری اور تحریری جدوجہد میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا۔ اور یہ نہیں سمجھتا کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور خلافت میں بیس رکعت تراویح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلے پر پڑھی گئی"۔

اقول:۔ معاذ اللہ! کوئی اہل حدیث کسی بھی صحابی کو بدعتی نہیں کہتا بلکہ یہ بھی مقلدین میں برکت ہے کہ صحابہ پر بدعت کا الزام لگاتے ہیں۔ چنانچہ اصول فقہ حنفی کی مشہور و معتبر درسی کتاب توضیح ص ج۲ پر حاشیہ توضیح میں "المبسوط للسرخسی" کے حوالہ سے ہے کہ

ان القضاء بشاھد ویمین بدعۃ اول من قضی بہ معاویۃ

"ایک شاہد اور دوسرے شاہد کے بجائے قسم سے فیصلہ کرنا بدعت ہے سب سے پہلے ایسا فیصلہ معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے کیا تھا"

بلکہ اہل حدیث کا دعویٰ ہے کہ کسی صحابی سے صحیح سند کے ساتھ بیس رکعت تراویح ثابت نہیں۔ جو روایات نقل کی جاتی ہیں وہ سب اصولاً ضعیف و ناقابل قبول ہیں اور صحیح روایت اس طرح ہے۔

مالک عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید انہ قال امر عمر ابن الخطاب ابی بن کعب و تمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ الحدیث (موطأ مالک ص)

"امام مالکؒ محمد بن یوسفؒ سے روایت کرتا ہے اور وہ سائب بن یزید (رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتا ہے کہ امیر عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم الداری کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھایا کریں"

اور یہ سند بالکل صحیح ہے۔ سائب بن یزید رضؓ مشہور صحابی ہیں۔ محمد بن یوسف مشہور ثقات میں سے ہے اس کا ترجمہ تقریب نیز تہذیب ص۵۳۴ ج ۹ میں مذکور ہے اور سند میں کوئی علت نہیں متصل اور صحیح ہے۔ نیز الفاظ بھی صریح ہیں کہ امیر عمرؓ نے گیارہ کا حکم دیا اور اسی روایت سے متصل موطأ میں بیس والی روایت ان الفاظ سے مروی ہے کہ

مالک عن یزید بن رومان انہ قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان بثلاث وعشرین رکعۃ

"امام مالکؒ یزید بن رومان سے روایت کرتا ہے کہ امیر عمر رضؓ (رضی اللہ عنہ) کے زمانہ میں لوگ رمضان میں تیئیس ۲۳ رکعات پڑھتے تھے"

یہ روایت صحیح نہیں اس لیے یزید بن رومان امیر عمر رضہ کے زمانہ کو نہیں پہنچا ہے۔ لہذا کا ہے نہ معلوم کس سے سنا۔ وہ سچا ہے یا جھوٹا۔ ایسے مجہول کی بات پر دین کے معاملہ میں اعتماد رکھنا غلط ہے اور صریح بھی نہیں بالخصوص جب کہ صحیح اور صریح روایت میں اس کے خلاف گیارہ کا عدد مروی ہے۔ اس روایت کے منقطع ہونے کا اور یزید رضہ کے زمانہ فاروقی کو نہ پہنچنے کا حنفیوں کو بھی اعتراف ہے۔ چنانچہ علامہ زیلعی نصب الرایہ صہ ۱۵۱ ج ۲ میں اور علامہ عینی حنفی نے بنایہ شرح ہدایہ صہ ۸۱۶ ج المبع ہند میں ایسی تصریح کی ہے۔ اور علامہ نیموی نے آثار السنن صہ ۵۸ ج ۲ میں اس کو مرسل کہا ہے اور حاشیہ میں لکھا ہے کہ "یزید بن رومان لم یدرك عمر بن الخطاب" ا ھ بلکہ امیر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو اپنے وقت کے لوگوں کو گیارہ کے عدد پر جمع کیا۔ چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں سائب بن یزید رضہ سے اس طرح مروی ہے کہ

ان عمر جمع الناس علی اُبی و تمیم فکانا یصلیان احدی عشرۃ رکعۃ۔

امیر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو اُبی بن کعب اور تمیم الداری (رضی اللہ عنہم) کی نماز پر جمع کیا اور وہ دونوں گیارہ رکعات پڑھاتے تھے۔

صاف ظاہر ہوا کہ عہد فاروقی رضہ میں بھی اسی عدد پر اتفاق رہا۔ اس روایت کو نیموی نے بھی آثار السنن میں صحیح کہا ہے۔ اب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف بیس پڑھنے والے ہوئے نہ آٹھ پڑھنے والے۔ ایضاً امیر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی کسی صحیح روایت میں صریحاً بیس رکعات کا ذکر نہیں ہے۔ بعض مولویوں نے بیہقی کا حوالہ دیا ہے مگر بیہقی کی روایت میں امیر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام نہیں، صرف مذہبی پاس خاطری میں نسبت کی گئی ہے۔ خود علامہ نیموی حنفی نے بھی ایسی تصریح کردی ہے۔ چنانچہ التعلیق الحسن

علی آثار السنن ص۵۵ ج ۲ میں لکھا ہے۔ قد ذکرہ لبعض اھل العلم بلفظ انھم کانوا یقیمون علی عھد عمر بعشرین رکعۃ وعلی عھد عثمان وعلی مثلہ انتھی وعزاہ الی البیھقی فقولہ وعلی عھد عثمان وعلی مثلہ قول مدرج لایوجد فی تصانیف البیھقی واللہ اعلم بالصواب۔

قولہ ص۳۵ "اور اسی پر امام ابوحنیفہ رح اور امام مالک رح اور امام شافعی رح اور امام احمد بن حنبل رح کا اجماع ہے۔

اقول: یہ دعویٰ غلط ہے دراصل امام ابوحنیفہ رح کی اپنی کوئی کتاب نظر نہیں آتی، فقہ حنفی کی کتابوں میں یہ پایا گیا ہے۔ لیکن امام محمد رح کی موطأ سے ظاہر ہے کہ اس کا خواہ امام صاحب کا مسلک گیارہ رکعت ہے۔ چنانچہ موطأ محمد ص۱۱۱ میں یہ باب منعقد ہے کہ

باب قیام شھر رمضان وما فیہ من الفضل

ماہ رمضان میں قیام کرنے اور اس کی فضیلت کا باب

اور اس باب کے تحت چار روایتیں مذکور ہیں۔ پہلی تیسری چوتھی میں کوئی عدد مذکور نہیں۔ بلکہ جماعت کرکے پڑھنے کا ذکر اور قیام رمضان کی فضیلت ہے اور روایت ۲ میں گیارہ رکعت کا عدد مذکور ہے پھر امام محمد رح لکھتے ہیں

قال محمد وبھذا کلہ نأخذ (موطأ محمد ص۱۱۱) امام محمد رح نے کہا ہم اس سب (جو کچھ ذکر ہوا) اسے اخذ کرتے ہیں۔

ناظرین! امام محمد رح کے متعلق کہا گیا ہے کہ "لولا محمد لما راج ابوحنیفۃ" انھوں نے اپنا مذہب گیارہ رکعت بتایا ہے اور یہی مذہب امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہوسکتا ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

ليس فى شئى من هذا ضيق ولاحد ينتهى اليه لانه نافلة ،
فان اطالوا القيام واقلوا السجود فحسن وهو احب الى وان
اكثروا الركوع والسجود فحسن (قيام الليل للمروزى ص۹۲)

"اس باب میں نہ کوئی تنگی نہ کوئی ایسی حد ہے جس پر رکعات کی انتہا ہو۔
کیونکہ نفل عبادت ہے۔ پس اگر قیام کو لمبا کیا اور سجود کم کئے (رکعات)
تو بھی اچھا ہے اور یہی طریقہ مجھے زیادہ پسند ہے اور اگر رکعتیں زیادہ کیں
تو بھی اچھا ہے۔"

ثابت ہوا کہ امام شافعی رحمہ بھی بیس کے حصر کا قائل نہیں بلکہ تھوڑی رکعتوں کو ترجیح دیتا ہے۔
اور امام احمد بن حنبل رحمہ نے تو اختیار دیا ہے کہ خواہ بیس پڑھے خواہ گیارہ۔ جیسا کہ شیخ الاسلام
ابن تیمیہؒ نے الاختیارات العلمیۃ ص۳۸ میں اور شاہ ولی اللہ رحمہ نے مصری ص۱۴۳ ج ۱ اور مصفی ص۱۱۱
ج ۱ میں ذکر کیا ہے اور امام مالکؒ تو گیارہ ہی کے قائل ہیں جیسا کہ شیخ الاسلام نے الاختیارات
ص۳۸ میں ذکر کیا ہے اور جلال الدین سیوطی الحاوی للفتاوی ص۳۵ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ

قال الجوزى من اصحابنا عن مالك انه قال الذى جمع عليه الناس
عمر بن الخطاب احب الى وهو احدى عشرة ركعة وهى صلاة
رسول الله صلى الله عليه وسلم قيل له احدى عشرة ركعة بالوتر
قال نعم وثلاث عشرة ركعة قريب ولا ادرى من اين
احدث هذا الركوع الكثير۔ اھ

"امام مالکؒ نے فرمایا کہ جس عدد پر امیر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو جمع کیا
وہ گیارہ رکعت مع الوتر ہیں اور تیرہ بھی اس کے قریب ہیں۔ (کیونکہ وتر کے بعد

دو رکعت کا ذکر بھی حدیث میں آیا ہے) اور یہی عدد مجھے پسند اور پیارا ہے

اور یہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز تھی۔ اور نہ معلوم اتنی زیادہ

رکعتوں کا احداث کہاں سے کیا گیا ہے۔

ناظرین! امام مالکؒ کے اس قول سے چند باتیں معلوم ہوئیں

(الف) امام موصوف کا مذہب گیارہ رکعت ہے نہ کہ بیس

(ب) یہی عدد ان کو محبوب ہے۔

(ج) اور یہی عدد فاروقی رضؓ ہے۔

(د) اور اسی پر اسنے سب صحابہؓ کو جمع کیا اور یہی اجماعی عدد ہے۔

(ھ) اور نبویؐ عدد بھی یہی ہے۔

(و) اور اس سے زیادہ عدد کا کوئی ثبوت نہیں

(ز) بلکہ بقول امام مالکؒ یہ زیادہ عدد محدث اور دین میں نئی چیز پیدا کی ہوئی ہے۔

الحاصل: اجماع کا دعویٰ غلط اور امیر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بیس کا انتساب بھی

باطل ہوا اور صرف اہل حدیث اس کو محدث نہیں کہتے بلکہ خود امام مالکؒ نے بھی کہا ہے۔

قولہ ص۳۷: "جیسا کہ حافظ ابن قدامہ نے مغنی میں نقل کیا ہے۔"

اقول: ابن قدامہ پر افتراء ہے مغنی دوبارہ اٹھا کر دیکھئے وہاں بیس پر ائمہ اربعہ کا اجماع

نہیں لکھا ہے۔ "فارجع البصر هل ترىٰ من فطور"

قولہ ص۳۵: "حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہزارہا صحابہؓ موجود تھے کسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ

کی غلطی نہیں نکالی"

اقول: غلطی بھی ہوتو نکالیں۔ اسنے تو صحابہ کو نبوی عدد یعنی گیارہ پر جمع کیا۔ تم ہو جو

بوجہ آٹھ رکعت اہل حدیث کو غلط کہہ کر صحابہؓ کی غلطی نکال رہے ہیں۔

قولہ ص۱۸۶ "مگر آج کل کے مدعیان عمل بالحدیث نے حضرت عمرؓ اور حضرات صحابہ اور تمام ائمہ مجتہدین کی غلطی نکالی۔"

اقول :۔ عاملین بالحدیث تو یہی کہتے ہیں کہ عدد نبوی خواہ فاروقی گیارہ ہے اور اسی پر عمل کرتے ہیں اور ائمہ کا توبیس پر اتفاق نہیں۔ پس اہل حدیث تو امیر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تائید کرتے ہیں، اور غلطی نکالنے والے وہ ہیں۔ جو کہ ایسی چیزیں ان پر تھوپتے ہیں جس کا ان سے ثبوت نہیں۔ گویا اپنے مخدث فعل میں ان کو بھی ملوث کرتے ہیں۔ اعاذہ اللہ من ذالک۔

قولہ ص۱۸۸ "اور یہ نہ سمجھا کہ جس حدیث میں آٹھ کا ذکر ہے وہ تہجد کی رکعتیں ہیں" الخ

اقول :۔ آپکے بڑے تو اس کے خلاف ہیں خود امام محمد رحہ نے موطأ محمد رم ص۱۱۱ میں اس روایت (ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ الحدیث) پر "باب قیام رمضان" کا رکھا ہے اس طرح عینی نے شرح بخاری ص۳۵۸ ج ۵ استنبول میں اور زیلعی نے نصب الرایہ ص۱۵۳ ج ۲ میں اور ابن ہمام نے فتح القدیر ص۲۱۳ ج ۱ میں اور لکھنوی نے التعلیق المجد ص۱۱ میں اور نیموی نے آثار السنن ص۵۵ ج ۲ میں سب نے اس سے تراویح مراد لی ہیں۔ لہٰذا آپ کا کہنا غلط ہوا۔

قولہ ص۱۸۸ "اور ظاہر ہے کہ تہجد اور تراویح الگ الگ عبادتیں ہیں۔"

اقول :۔ یہ بھی غلط ہے اس تفریق پر کوئی دلیل نہیں، بلکہ حدیث "ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ" الخ اس کی تردید کرتی ہے ثانیاً خود سید انور شاہ کشمیری نے العرف الشذی ص۳۲۹ پر لکھا ہے۔

ولا مناص من تسلیم ان تراویحہ علیہ السلام کانت ثمانیۃ رکعات ولم یثبت فی روایۃ من الروایات انہ علیہ السلام صلی التراویح والتہجد علی حدۃ فی رمضان

اس بات کو تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تراویح آٹھ رکعات ہی تھی اور کسی روایت سے یہ ثابت نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم نے رمضان میں تراویح اور تہجد الگ الگ پڑھے ہوں"

قولہ ص۸۸ س۱ " حضرت عمر رضہ اور صحابہ کرام رضہ تم سے زیادہ حدیث کو جانتے اور سمجھتے تھے۔"

اقول :۔ اس کا کون انکار کرتا ہے۔ لیکن ان سے بیس کا کب ثبوت ملتا ہے ؟

قولہ ص۸۸ س۱۱ " کیا یہ عبارت کوئی معمولی عبارت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو در بارہ تراویح بدعتی بتلائے۔"

اقول :۔ کوئی اہل حدیث معاذ اللہ ایسا نہیں کہتا بلکہ ان کا کہنا ہے کہ بیس رکعت ان سے ثابت نہیں۔ آپ ہی ہیں کہ اپنے محدث فعل کا ان کو بھی مرتکب قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

قولہ ص۸۸ س۱۲ " اور حضرت عثمان رضہ کو در بارہ اذان ثانی بدعتی بتائے۔"

اقول :۔ معاذ اللہ یہ بھی کوئی نہیں کہتا ہے البتہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس اذان کو بدعت بتلایا ہے۔

یعنی مصنف ابن ابی شیبہ ص۶۱ میں ہے کہ قال ابن عمر بدعۃ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن پہلی اذان بدعت ہے۔

قولہ صفحہ ۱۸۱ سطر ۱۳ "اور دوبارہ تین طلاق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو غلطی تبائے"

اقول :- خود امیر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے رجوع فرمایا اور اپنے کیے پر ندامت کا اظہار کیا۔ دیکھو اغاثۃ اللہفان لابن القیم صفحہ ۳۵ ج ۲ نیز "المجتہد یخطی ویصیب" مسلم ہے ایضاً مرفوع صریح اور صحیح حدیث کے مقابلہ پر کسی کا قول معتبر نہیں۔

قولہ صفحہ ۱۸۸ سطر ۱۴ "اور اس بارہ میں جو صحابہؓ کا اجماع ہوا اس سے غمض بصر اور صرف نظر کرے"

اقول :- اجماع صحابہؓ بھی ہو تو سہی " واذلیس فلیس "۔

قولہ صفحہ ۱۸۸ سطر ۱۵ "اور ائمہ اربعہ کے اجماع کی بھی پروا نہ کرے"

اقول :- اولاً ائمہ اربعہ کا تو اجماع قطعاً نہیں کما مر۔ ثانیاً علی التقدیر یہ اجماع نہیں کہلاتا۔ خود امام ابن ہمام حنفی نے "التحریر" صفحہ ۴۰۶ میں تصریح کی ہے کہ ائمہ اربعہ کے اتفاق کو اجماع نہیں کہا جاتا۔ ثالثاً خود آپ نے تحلیف الشہود کے مسئلہ میں ائمہ اربعہ سے خروج کیا ہے۔ اور فواتح الرحموت صفحہ ۴۰۷ ج ۲ میں ذیل المستصفیٰ میں ہے کہ

لو وجد روایۃ صحیحۃ من مجتہد اخر یجوز العمل بہا الا تری ان المتاخرین افتوا بتحلیف الشہود اقامۃ لہ موقع التزکیۃ علی مذہب ابن ابی لیلی اھ۔

ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی اور مجتہد کی صحیح روایت مل جائے تو اس پر بھی عمل جائز ہے۔ کیا دیکھتا نہیں کہ متاخرین نے فقیہ ابن ابی لیلے کے قول پر گواہوں کو قسم دینے کا فتویٰ دیا ہے۔

حالانکہ چاروں اماموں میں سے کسی کا یہ مذہب نہیں ع

ایں گناہے است کہ در شہر شما نیز کنند

قولہ ص ۵۸۱ "اور امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں جو تین طلاقوں کے واقع ہونے کا باب منعقد فرمایا ہے اس کا نام بھی نہ لے۔"

اقول: تین طلاقوں کے واقع ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں بحث اسی میں ہے کہ وہ متفرق ہوں یا بیک وقت ہوا ایسی وہاں تصریح نہیں ایضاً صحیح بخاری کے دوسرے ابواب کو بھی مانتے ہیں۔ مثلاً ۱ باب وجوب القراۃ للامام والماموم فی الصلوات کلھا فی الحضر والسفر وما یجھر فیھا وما یخافت " ۲ باب جھر الامام بالتامین ۳ باب جھر الماموم بالتامین ۴ باب الجمعۃ فی القری والمدن ۵ باب التیمم للوجہ والکفین ۶ باب الاقامۃ واحدۃ الا قولہ قد قامت الصلوٰۃ ۷ باب الجھر بالقراۃ فی الکسوف وغیرھا کئی ابواب ہیں کیا کرتے ہیں۔ کچھ ان کی پروا ؟

قولہ ص ۵۸۱ " اور تین طلاق سے جو حرمت مغلظہ بنص قرآن اور احادیث صحیحہ اور اجماع صحابہ اور اتفاق ائمہ اربعہ ثابت ہے اس کو ایک ایسی شاذ روایت کی آڑ لے کر رد کرے جس کو تمام ائمہ حدیث اور آئمہ اجتہاد نے منسوخ یا متروک یا مرجوح قرار دیا ہو۔"

اقول: اولاً جن آیات و احادیث میں طلاق مغلظ کا ذکر ہے ان میں کہیں تصریح نہیں کی تین بیک وقت دی گئی ہوں۔ پہلے یہ ثابت کریں پھر ایسا الزام دیں۔ ثانیاً اجماع صحابہ رض کا دعویٰ بھی باطل ہے کیونکہ خلافت صدیقیہ میں یہ عمل رہا کہ بیک وقت تین طلاقوں کو ایک شمار کیا جاتا تھا۔ اور ایسا ہی خلافت فاروقیہ کی ابتداء میں رہا پس اجماع تو اسی طرف رہا جس طرف اہل حدیث ہیں اور بعد میں جو امیر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فیصلہ کیا اس سے خود رجوع فرمایا۔ کما تقدم پھر اجماع کا دعویٰ کیسے درست ہوا۔ ثالثاً ائمہ اربعہ کا بھی اتفاق نہیں ہے۔

امام احمد بن حنبل رح سے امام ابوداؤد سجستانی نے "المسائل" ص۱۲۹ میں نقل کیا ہے کہ وہ ایک بار تین طلاق کے قائل نہیں تھے۔ نیز حافظ ابن قیم رح نے اغاثۃ اللہفان میں امام مالک رح سے ایک روایت کا ذکر کیا ہے اور بعض مالکیہ رح اور حنفیہ رح کا قول نقل کیا ہے۔ رابعًا جس حدیث پر اعتراض کیا ہے وہ صحیح مسلم کی ہے جس میں صاف الفاظ ہیں کہ

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال کان الطلاق علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وسنتین من خلافۃ عمر طلاق الثلاث واحدۃ الحدیث (صحیح مسلم ص۴۷۷ ج ۲)

"ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اور (امیر عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دو سال تک تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھیں"۔

یہ حدیث مشہور و صحیح ہے کسی نے اس پر جرح نہیں کی۔ اس کو شاذ کہنا سخت ظلم ہے اپنے مذہب کو بچانے کے لیے حدیث پر حملہ کرنا مقلدین کی شان ہے۔ نیز یہ ایک روایت بھی نہیں اس کے علاوہ اور بھی روایتیں ہیں۔ جن کو ابن قیم رح نے نقل کیا ہے۔ ایضًا اس کو منسوخ کہنا بھی عجیب ہے جب کہ کوئی ناسخ نہیں۔ اگر امیر عمر رض کے قول کو ناسخ سمجھیں گے تو بھی غلط ہو گا۔ کیوں کہ اُمتی کے فیصلہ سے نبوی فیصلہ کو منسوخ کرنا مسلمانوں کا مذہب نہیں۔ نیز جب خود امیر عمر رضی اللہ عنہ نے رجوع کیا تو علی التقدیر منسوخ وہی بات ہوئی۔ کیونکہ رجوع عن الاجتہاد کو آپ بھی نسخ سے تشبیہہ دیتے ہیں اور اس کو مرجوح کہنا بھی جرأت ہے۔ اس لیے کہ اس کے خلاف کوئی ایسی حدیث نہیں جس میں یہ الفاظ ہوں کہ بیک وقت تین طلاقیں تین شمار ہوں گی۔ پس کسی قول کو اس پر ترجیح دینا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین ہے۔ یہ سب کچھ تقلید کا نتیجہ و ثمر ہے۔ ایضًا

متروک سے آپ کا کیا مطلب ہے؟ کیا اللہ یا اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے ترک کرنے کا حکم دیا ہے۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔ اگر نہیں تو پھر کسی اور کے ترک یا عدم ترک کا یہاں کوئی سوال نہیں جب کہ اس پر جرح نہیں کی جا رہی ہے۔ اور محدثین نے صحیح مانا ہے۔ اب کسی کا عمل اس کی تصحیح میں اضافہ نہیں کر سکتا۔ اور نہ کسی کا ترک عمل اس میں قادح بن سکتا ہے۔

قولہ ص۸۹ س۱ "اور مسلمانوں کو معصیت میں مبتلا کریں"

اقول:۔ کیا معاذ اللہ حدیث پر عمل یا فتویٰ معصیت میں مبتلا ہونا ہے "کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم" کیا خلافت صدیقیہ رض کے لوگ سب معاذ اللہ معصیت میں مبتلا تھے؟ حاشا للہ

قولہ ص۸۹ س۱ "اور ان کی اولاد کو مشتبہ بنائے"

اقول:۔ یہ شان تو حلالہ کی اولاد کی ہو سکتی ہے۔

قولہ ص۸۹ س۲ "بخدا یہ کہ یہ علم ہے نہ دین" الخ

اقول:۔ کیا حدیث پر عمل دین یا علم نہیں؟ کیا علم یہ ہے کہ حدیث نبوی کی توہین کی جائے۔ اور اس کو رد کر کے اس کی جگہ پر اپنی رائے کو رکھا جائے۔ ع

فلیبک علی الاسلام من کان باکیا

قولہ ص۸۹ س۳ "اور تقلید کو شرک اور مقلدوں کو مشرک اور اپنے کو موحد بتلائے اور تقلید ائمہ کو مثل رسم جاہلان" الخ

اقول:۔ اس پر تفصیلی بحث ہو چکی ہے فراجعہ۔

قولہ ص۸۹ س۴ "اور ائمہ دین کو موجب تفرقۂ دینی قرار دے"

اقول :- ائمہ دین نہیں، حاشا هم من ذالک - بلکہ مقلدین جنہوں نے خود مذہب بنا کر ان کی طرف منسوب کیے اور واقعی اس سے ایک امت میں تفرقہ ہوا ؎

دین حق را چار مذہب ساختند
رخنہ در دین نبی انداختند!

قولہ ۸۹ ص "دین کو اپنی خواہش نفسانی کے تابع بناتے" الخ

اقول :- یہ تو مقلدین کا کام ہے کہ جو حدیث مذہب کے موافق آئی اس کو لے لیا اور جو خلاف نظر آئی اس میں تاویل کرنا شروع کر دی اور اس پر وار کیے کبھی شاذ تو کبھی منسوخ کبھی مرجوح کبھی متروک کہنے سے گھبرائے نہیں۔

قولہ ۸۹ ص "اور سلف صالحین کو عموماً اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ کو خصوصاً طعن و تشنیع کے ساتھ ذکر کرے"

اقول :- سلف پر طعن کرنا مسلمانوں کا مذہب نہیں اور اہل حدیث بفضلہ تعالے سب کو واجب الاحترام جانتے ہیں۔ لیکن ان کو تنقید سے بالا نہیں سمجھتے۔ یہ شان صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور یہ مقلدین کا غلو ہے کہ امتیوں کو نبیوں تک پہنچا دیتے ہیں۔

؎ نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں
اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں

قولہ ۸۹ ص " یہ ہیں ترک تقلید کے کچھ مفاسد"

اقول :- ان کا دراصل باعث تقلید ہی ہے نہ اس کا ترک۔ کیونکہ تقلید کی وجہ سے کئی آیات و احادیث کو رد کرنا پڑا اور قرآن و حدیث میں تحریف کا ارتکاب ہوا۔ ایک جماعت سے چار ہوئیں۔ امت میں تفرقہ ہوا اور ائمہ کو برا بھلا کہا گیا۔ موافقین نے ان کی شان میں اور

مخالفین ان کے خلاف روایتیں وضع کیں۔ مذہب کو بچانے کے لیے احادیث پر حملے کیے گئے اور ان کی توہین کی گئی اور صحابہ کو غیر فقیہ اور غیر عدول تک کہا گیا۔

قولہ ص ۹۹ "اور ادنیٰ مفسدہ یہ ہے کہ تارک تقلید ائمہ مجتہدین کا اور خصوصاً فقہائے حنفیہ کا اس طرح رد کرتا ہے۔ گویا کہ یہ مدعی عمل بالحدیث علم میں فقہاء کا ہم پلہ اور ہمعصر ہے الخ"

اقول:۔ حدیث کے خلاف جو بھی قول ہو اس کا رد کرنا لازم ہے خواہ وہ کسی کا ہے یہ تقلید ہی سے مفسدہ پیدا ہوا ہے۔ کہ کتنا ہی مذہب حدیث کے صریحاً خلاف ہو، مگر اس کی پروا نہ کی جائے، اور اپنے مذہب پر اڑا رہے۔ ہم پلہ و ہمسری کا سوال ہی نہیں، لیکن عالم وہ ہے جو حدیثوں پر بلا رد و رعایت کے عمل کرے۔ اپنے آپ کو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کا پورا تابعدار بنائے۔ نہ یہ کہ ہر وقت اپنی رائے یا امام کے قول سے حدیثوں کو رد کرتا اور ان میں تاویلیں کرتا پھرے اور غرور اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ قرآن و حدیث کے سامنے جھکنے کے بجائے اپنی تاویلوں سے ان کو اپنے مذہب اور اپنے امام کے قول کے آگے جھکائے سب سے بڑا تکبر یہی ہے۔

قولہ ص ۹۹ تا ۱۰۱ "تقلید شخصی کب شروع ہوئی"

اقول:۔ اس عنوان کے تحت جو مضمون ہے اس کا مدار اس معاذ والی روایت پر ہے جس کا باطل و مردود ہونا پہلے ذکر ہو چکا ہے پس یہ تقریر لغو ہے۔ پھر مصنف رسالہ مذاہب کی تدوین کا زمانہ بتاتے ہیں جس سے خود ظاہر ہے کہ یہ چیز محدث اور بعد کی پیداوار ہے۔ اور قرآن و حدیث اصل ہیں جس پر ہمیشہ امت عمل کرتی رہی۔

قولہ ص ۱۰۱ "تقلید شخصی کا حکم ہے"

اقول:۔ اس عنوان کے تحت بھی وہی پہلی باتیں لکھی ہیں کہ تقلید واجب بالغیر ہے

اور اتباع ہوائے سے بچنے کے لیے ضروری ہے۔ یہ سارے عذر سابقہ اوراق میں باطل کر دیئے گئے تکرار کی ضرورت نہیں۔ بلکہ یہ سارے مفاسد تقلید کے نتائج ہیں۔ کما مر۔

اور اس عنوان کے تحت شاہ ولی اللہ کا حوالہ دیا ہے۔ لیکن جس طرح انھوں نے تقلید کی مٹی پلید کی ہے اس کو نظر انداز کر دیا ہے۔

قول صفحہ ۱۹۱ "دعویٰ عمل بالحدیث کی حقیقت"

اولاً اس عنوان کے تحت جو ایک طویل سوال ہے جو سراسر بے معنی اور لغو اور "طوالت لا طائل تحتہا" کے باب سے ہے۔ ہم اس کا مختصراً جواب دیتے ہیں جو کافی و شافی ہے سنو! ہم حسب استطاعت ہر اس حدیث پر عمل ضروری جانتے ہیں جو صحیح ثابت اور جرح سے سالم ہو۔ اس کے مقابلہ میں کسی کا قول ہمارے نزدیک کوئی وزن نہیں رکھتا ہے۔ اگر ہمت ہے تو اس دعویٰ کو غلط ثابت کریں۔ یہ نہ کہ غلط نمونے میں دعویٰ کو ذکر کر کے اس پر تنقید کریں یہ عالم کی شان نہیں۔ ثانیاً جن روایات کا آپ نے اختلاف بتایا ہے ان میں صرف ایک ہی طرف صحت ہے اور دوسری طرف عدم ثبوت ہے۔ چنانچہ مسئلہ رفع الیدین کی بابت جو صحیح روایتیں کثرت سے موجود ہیں۔ ان کا آپ کو بھی اعتراف ہے لیکن عدم رفع کے بابت جو آپ نے ابن مسعودؓ کی روایت کا حوالہ دیا ہے۔ وہ صحیح نہیں۔ دیکھو التلخیص الحبیر صفحہ ۸۳ نیز اس میں عندالرکوع والرفع منہ عدم رفع کا ذکر نہیں پس یہ غیر صحیح روایت جو کہ صریح بھی نہیں اس صریح روایت جو کہ صحیح بھی ہے کے معارض ہونے کے قابل نہیں۔ نیز خود ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح حدیث میں عندالرکوع رفع الیدین کا ثبوت ہے۔ کما فی ابی داؤد صفحہ ۱۰۹ والدارقطنی صفحہ ۱۲۹ وجزء رفع الیدین للبخاری صفحہ ۹ طبع ہند پس ترجیح و عدم ترجیح کا سوال نہیں رہا۔ ثالثاً و علی الفرض مثبت کو نافی پر ترجیح ہوگی۔ اس لیے کہ صحیح کا غیر صحیح پر اور صریح کا غیر صریح پر راجح ہونا مسلم امر ہے

رابعًا آپ نے ترجیح کو ذوقی امر بتایا ہے۔ یہ خود اتباع ہوائے نفس کا باب کھولتا ہے۔ یہی تقلید کا نتیجہ ہے۔ اس لیے کہ جس کو جو بات پسند آئے گی لے لے گا قطع نظر اس سے کہ یہ روایت صحیح ہے یا نہیں؟ اس کا انتساب امام اعظم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف درست ہے یا نہیں۔ خامسًا آپ نے قبول کیا ہے کہ بخاری و مسلم کی ترجیح پر امت کا اتفاق ہے پس اتفاقی ترجیح کے لیے کافی ہے۔ اس لیے کہ ان دونوں کتابوں کا رفع الیدین کے اثبات پر اتفاق ہے اور عدم رفع کا ذکر ان دونوں میں سے کسی ایک میں نہیں ہے۔

قولہ صـ۹۳ سـ۱۵ "بخاری اور مسلم کی ترجیح پر اور افضلیت اور اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہونے پر علماء امت کا اتفاق ہے۔ وہ امام بخاری اور امام مسلم کے بعد آنے والے علماء پر حجت ہے" الخ

اقول: پھر آپ پر تو حجت نہیں اور دونوں کی کتابوں میں اثبات رفع الیدین ہے پس مان لینے سے کیا مانع ہے۔ ثانیًا یہ جو کچھ آپ نے لکھا ہے۔ سب ان کی آزادی کی دلیل ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ سب غیر مقلد تھے۔

قولہ صـ۹۳ سـ۵ "اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تو تابعی ہیں"

اقول: من حیث الدرایۃ لا من حیث الروایۃ۔ کتب تواریخ اور اسماء الرجال کھول کر دیکھیں۔ کوئی روایت صحیح نہیں جس میں امام صاحب کسی صحابی رضؓ سے راوی ہوں۔ خود آپ کو بھی اعتراف ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ "جنہوں نے صحابہ کو دیکھا اور علماء تابعین سے علم حاصل کیا" صـ۹۳ سـ۵۔

قولہ صـ۹۳ سـ۶ "امام بخاری رحؒ کی اعلیٰ ترین روایات وہ کل بائیس ثلاثیات ہیں جن کو صحیح بخاری میں لائے۔ اور امام اعظم کی اکثر روایات ثنائیات ہیں" الخ

اول :- قرآن کریم میں ہے کہ "قل لا یستوی الخبیث والطیب ولو أعجبك کثرۃ الخبیث" (المائدہ ۵ع ۱۳ پ ۷) صحیح بخاری کو جو درجہ حاصل ہے وہ کتاب اللہ کے بعد کسی کو حاصل نہیں - اور جو امام ابوحنیفہ رحمہ کی روایات جو جمع کی گئی ہیں۔ ان مسانید کو وہ رتبہ ہرگز حاصل نہیں پس یہاں علو ونزول کا سوال ہی نہیں رہا۔ ثانیاً :- امام بخاری کی دوسری تصانیف بھی ہیں۔ اگر ان کی ثلاثیات جمع کی جائیں تو عدد اور زیادہ ہو جائے گا۔ ثالثاً :- امام ابوحنیفہ رحمہ سے کوئی ایسی ایک روایت صحیح مروی نہیں جو ثنائی ہو۔ ہم نے سب مسانید جو کہ امام موصوف کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ ان کو خوب دیکھا ہے۔ آپ ایک ایسی روایت پیش کریں جس کی سند صاحب کتاب سے لے کر امام ابوحنیفہ رحمہ تک صحیح اور متصل ہو۔ اور امام صاحب سے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک بھی سند متصل اور صحیح ہو۔ اور ثنائی ہو۔ یعنی امام صاحب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان دو واسطے ہوں۔ اور راوی سب ثقات ہوں۔ اور سند انقطاع وعلت سے محفوظ ہو۔ ولیس لکم الی ذالك سبیل۔ رابعاً۔ شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۳۴، ۱۳۵ ج ۱ میں طبقات ودرجات کتب الحدیث ذکر کیے ہیں اور صحیح بخاری کو طبقہ اولی میں ذکر کیا ہے اور مسند الخوارزمی میں جو کہ مسند الامام الاعظم کے نام سے مشہور ہے اس کو طبقہ رابعہ (چوتھے) میں شمار کیا ہے۔ پھر فیصلہ دیتے ہیں کہ

"أما الطبقة الأولى والثانية فعليهما إعتماد المحدثين وحوم حما هما مرتعهم ومسرحهم . . . . وأما الرابعة فالإشتغال بجمعها أو الإستنباط منها نوع تعمق من المتأخرين وإن شئت الحق فطوائف المبتدعين من الرافضة والمعتزلة وغيرهم يتمكنون بأدنى عناية أن يلخصوا منها شواهد مذاهبهم فالإنتصار بها غير صحيح في معارك العلماء بالحديث والله أعلم اھ۔

الغرض صحیح بخاری کی حدیثوں سے ہر ایک استدلال کر سکتا ہے لیکن مسند ابی حنیفہ للخوارزمی قابل استدلال یا استناد یا اعتماد نہیں ہے۔

قولہ ص۱۹۳ س۱۱ "اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی کچھ روایات احادیث بھی ہیں جن میں ابو حنیفہ رحمہ اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان صرف ایک صحابی کا واسطہ ہے۔"

اقول : امام صاحبؒ کا کسی ایک صحابی سے بھی سماع یا روایت کرنا ثابت نہیں ہے۔ شذرات الذہب ص۲۲۷ ج ۱ میں ہے کہ

"ولکن لم تثبت لہٗ روایۃ عن احد منھم" اھ

اسی طرح حافظ عراقی حافظ ابن حجر سخاوی ابن حجر ہیثمی ابن خلکان اور نووی نے کہا ہے (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص۵۳) اور حافظ ابن حجرؒ نے تقریب التہذیب میں امام صاحب کو طبقہ سادسہ میں شمار کیا ہے اور ابتدائے تقریب میں طبقہ سادسہ کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ

"عاصروا الخامسۃ لکن لم یثبت لھم لقاء احد من الصحابۃ کابن جریج" اھ اور "تبییض الصحیفۃ فی مناقب ابی حنیفۃ للسیوطی" ص۱۲ برھامش کشف الاستار میں ہے کہ "قال حمزۃ السھمی سمعت الدارقطنی یقول لم یلق ابوحنیفۃ احدا من الصحابۃ الا انہ رای انسا بعینہ ولم یسمع منہ وقال الخطیب لا یصح لابی حنیفۃ سماع من انس" اھ وھکذا فی التاج المکلل للنواب ص۱۳۶ وکذا فی مجمع البحار لابن طاھرؒ مرأۃ الجنان للیافعی اور جو روایتیں امام صاحب کے واسطے سے صحابہ کی روایات کی جاتی ہیں وہ سب باطل اور موضوع ہیں۔ ان کی اسانید میں کذاب وضاع اور مجاہیل راوی ہیں

کما لا یخفی علی اولی النہٰی ۔

قولہ ۹۲ ص ۱۲: "حضرات اہلِ علم اس سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علوِ مقام اور بلندیٔ رتبہ کا اندازہ کریں الخ ۔"

اقول : سب سے پہلے شخصیتوں کا حال دیکھا جائے اور علو و نزول کو ثانوی حیثیت ہے کئی لوگ امام صاحب سے مقدم ہیں صحابہؓ سے ان کا سماع ثابت ہے کیا ان کو بھی امام صاحب سے رتبہ میں زیادہ قرار دیں گے ؟ مثلاً سماک بن حرب کی اسّی صحابہؓ سے ملاقات ہے (میزان الاعتدال ص ۴۲۳ ج ۱) یہاں آپ کا اندازہ کیا ہوگا ؟ ثانیاً اس کی بنا جس بات پر تھی وہ نہیں رہی یعنی امام کی کسی صحابہؓ سے روایت ثابت نہیں ہے ۔ پس یہ بات غلط ہوئی ۔

قولہ ۹۳ ص ۱۲: "نیز امام بخاری کی بائیس ثلاثیات میں سے گیارہ ثلاثیات مکی بن ابراہیم رح سے مروی ہیں (الی قولہ) اہلِ علم کے لیے اشارہ کافی ہے ۔" الخ

اقول : اہلِ علم تو جانتے ہیں کہ ان سب باتوں کے باوجود بخاری شریف جس کو آپ اصح الکتب بعد کتاب اللہ مانتے ہیں ۔ اس میں امام صاحب کے واسطہ سے کوئی روایت نہیں ۔ اس میں کیا اشارہ ہے ؟ کیا امام صاحب اس کا اہل نہیں تھا کہ اس سے روایت کی جائے ؟ یا اس کی حدیث اصح الکتب میں داخل کرنے کے قابل نہیں تھی ؟ یا امام کے طریقے سے کوئی معتبر روات معلوم نہیں ہے ؟ یا ان کی روایات کو محدثین قابلِ ترک جانتے تھے ؟ یا ان تک کوئی سند صحیح اور متصل نہیں پہنچتی ؟ آپ صحیح حدیث سے جواب طلب کرتے ہیں ۔ سنو ! خود آپ نے ص ۸۵ میں یہ حدیث ذکر کی ہے کہ "لا تجتمع امتی علی ضلالۃ" اور ص ۹۹ میں خود لکھتے ہیں کہ "صحیح بخاری جس کے اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہونے پر امت کا اجماع ہے ۔" اب آپ خود فیصلہ کریں کہ اس میں جب امام صاحب کی کوئی روایت نہیں تو اب اس کی روایت کا مقام امت کے ہاں کیا رہا

ایک اور طرح قرآن حکیم میں ہے کہ
"وکذالک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء
علی الناس" (البقرۃ ع ۱ پ ۲)

اور حدیث میں ہے کہ

"انتم شھداء اللہ فی الارض" (الدر المنثور ص ۱۴۵ ج ۱
بحوالہ طیالسی احمد بخاری مسلم نسائی والحکیم الترمذی)

اور شہداء اللہ کی مشہود لہ بالخیر کتاب میں امام صاحب کا نام تک نہیں ہے۔ نہ اس کی روایت ہے۔ اب آپ خود فیصلہ کریں بموجب آیت "الیوم اکملت لکم دینکم"۔ دین مکمل ہے اور قرآن و حدیث میں سب باتوں کا جواب موجود ہے۔

قولہ ص ۹۲ سطر ۱۵ "اور یہیں سے قیاس اور استنباط کا جواز معلوم ہو گیا" الخ

اقول: استنباط کی اجازت ہے لیکن قیاس کی اجازت کہاں سے نکال دی؟

ایضاً پھر اجتہاد کیسے بند ہوا؟ اور آپ کا یہ کہنا غلط ہوا کہ "ہر چیز کا حکم نص قرآن اور حدیث میں موجود نہیں" کیونکہ یہ اپنا قصور ہے ورنہ ہر مشکل کا حل وہاں مل جاتا ہے۔ نیز نہ ملنے کی صورت میں تلاش جاری رکھنے اور دوسرے علماء سے مشورہ کر کے دلائل معلوم کرنے کا حکم ہے" قیاس کا۔ کما مر اور یہی طریقہ اہل حدیث کا ہے اور ان کا یہ دعویٰ صحیح ہوا کہ ہم عامل بالحدیث ہیں کیونکہ وہ اس کو چھوڑ کر قیاس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ اگر نہیں ملتی تو اپنا قصور جان کر کوشش جاری رکھتے ہیں۔ وراپنی تشریع کے قائل نہیں ہیں۔

قولہ ص ۹۲ سطر ۱۸ "نیز اکثر غیر مقلد علماء بھی بجز چند مسائل کے دلائل نہیں جانتے اور جو دلائل ان کو معلوم ہوتے ہیں۔ وہ اکثر علماء مقلدین شافعیہ اور مالکیہ کی کتابوں سے دیکھ کر یاد کرتے ہیں"

اقولــــ : ۔اہل حدیث کا مسلک ہے دلائل کو ماننا خواہ ان کو خود مل جائیں یا کسی اور کی کتاب سے مل جائیں ۔ بہرحال دلیل کا اتباع تقلید نہیں جیسا کہ آپ بھی اپنے رسالہ میں متعدد مقامات پر تسلیم کر چکے ہیں ۔پس وہ اس میں مقلد نہیں ہے کیونکہ ان کی ذاتی رائے کا اتباع نہیں کرتے ہیں ۔ فتفکر۔ ولا تکن من الغافلین۔

قولـــہ ۹۵ ؎ ”نیز مسائل منصوصہ جن کا حکم نص قرآن یا نص حدیث سے ثابت ہو بہت کم ہیں زیادہ تر مسائل اجتہادیہ غیر منصوصہ ہیں اور ان مسائل میں مدعیان عمل بالحدیث بھی فقہاء حنفیہ ہی کی کتابوں سے فتویٰ دیتے ہیں تو کیا بات ہے کہ فعل تقلید اور عمل تقلید تو جائز ہو اور تقلید کا نام لینا ناجائز اور شرک ہو۔“

اقولــــ :۔یہ بات اہل علم کے منہ سے نہیں نکل سکتی ہے ۔اس لیے کہ اہل حدیث کو جہاں سے بھی دلیل ملتی ہے ۔اس کو لے لیتے ہیں ۔چاہے حنفی کی کتاب میں مذکور ہو یا شافعیہ یا کسی اور کی کتاب میں ہو ۔یہ نہ عمل تقلید ہے نہ فعل تقلید بلکہ تقلید یہ ہے کہ بلا دلیل کسی بات کو قبول کیا جائے اور اگر کسی بھی کتاب میں دلیل ہے تو اس کو قبول کرنا اتباع دلیل ہے نہ کہ اتباع رائے اور علماء اہل حدیث حنفیہ کی کتابوں پر ہرگز فتویٰ نہیں دیتے ہیں ۔ہاں اگر ان میں کوئی ایسی دلیل ہے جو ان کی تحقیق کے لحاظ سے صحیح ہے تو اس کو قبول کر لیتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں ۔کیونکہ یہ اس کی رائے کا اتباع نہیں جو اس کو تقلید سمجھا جائے ۔دلیل پر عمل کرنا یا اس کے صحیح یا غیر صحیح کی تمیز کرنا یا دلالت و دال مدلول میں مطابق معلوم کرنا مجتہد کا کام ہے نہ کہ مقلد کا ۔یہ مغالطہ آپ کا کارآمد نہ ہوگا۔“

قولـــہ ۹۵ ؎ ”اور اگر کوئی مدعی عمل بالحدیث یہ دعویٰ کرے کہ وہ تمام مسائل میں احادیث منصوصہ ہی پر عمل کرتا ہے اور اسی کے مطابق فتویٰ دیتا ہے تو وہ ہم کو اجازت دے کہ ہم اس کے

معاملات عقود و فسوخ اجارہ و رہن و شفعہ و میراث وغیرہ کے متعلق چند سوالات ان کے سامنے پیش کریں۔" الخ

اقول :- ہم اہل حدیث اس کے مدعی ہیں کہ ہم بحمداللہ سب مسائل بلا رعایت کسی مذہب کے قرآن و حدیث سے لیتے ہیں۔ ہر روز ہمارے پاس ان معاملات وغیرہ کے متعلق ایسے سوالات آتے رہتے ہیں۔ آپ بلاشک سوالات کر سکتے ہیں۔ ان شاء اللہ۔ جواب قرآن و حدیث سے ہی دیا جائے گا۔ چاہے وہ دلیل کسی اور نے لکھی ہے۔ بہرحال اگر وہ دلیل ہونے کی حیثیت رکھتی ہے تو اس کو قبول کرنا مجتہد پر لازم ہے یہ تقلید نہیں ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ جو مسئلہ ہم کو فی الفور قرآن و حدیث سے معلوم نہ ہو سکے گا تو اس کے جواب میں ہم "لا ادری" کہنے سے نہیں شرمائیں گے اور یہ نہیں کہیں گے کہ یہ مسئلہ قرآن و حدیث میں نہیں ہے۔ معاذاللہ۔ ؏

اگر گویم زبان سوزد

بلکہ یہ کہیں گے کہ ہمارے ناقص علم کے مطابق یہ مسئلہ ہم کو قرآن و حدیث میں نظر نہیں آتا ہے کسی اور عالم بالقرآن والحدیث سے دریافت کریں یا مہلت دیں کہ ہم بھی کوشش جاری رکھیں جب تک مل نہ جائے۔ بس یہی اہل حدیث کا اصل و عقیدہ ہے۔ اور اس کا دعویٰ ہے۔ آپ ان کے مذہب کو غلط رنگ میں پیش نہ کریں۔

قولہ ص۹۵ س۱۴ "اب یا تو کسی امام کے قول سے جواب دیں گے تو یہ تقلید ہوگی یا کہیں گے کہ شریعت میں ان مسائل کا کوئی حکم نہیں ہے۔" الخ

اقول :- دونوں باتیں نہیں ہوں گی۔ بلکہ وہی ہوگا جو ہم نے ابھی بیان کیا۔

قولہ ص۹۵ س۱۶ "اور یہیں سے قیاس و استنباط کا جواز معلوم ہو گیا۔" الخ

اقول :۔ اس پر کلام ہو چکا ہے۔ خواہ مخواہ کی تکرار ہے۔

قولہ ص۹۶ س۲ "پس مدعیانِ عمل بالحدیث کا یہ دعویٰ کہ ہم عامل بالحدیث ہیں غلط ہے۔

اقول :۔ جو ان کا دعویٰ ہے وہ صحیح ہے۔ کما مضی۔ آپ بدل کر دعویٰ پیش نہ کریں۔

قولہ ص۹۶ س۳ "ہر مسئلہ میں حدیث پیش کرنا ناممکن ہے"۔

اقول :۔ لیکن مقلدین کے لیے۔ اس لیے کہ ان کا ذہن محدود ذرائع قلیل ہیں اور اہل حدیث بحمداللہ ہر مسئلہ میں حدیث ہی پیش کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالے

قولہ ص۹۶ س۵ "تقلید ائمۂ اربعہ" الخ

اقول :۔ اس عنوان کے تحت خود مصنف رسالہ نے قبول کیا ہے کہ یہ تقلید صحابہ رضی کے زمانہ میں نہ تھی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

قولہ ص۹۶ س۵ "صحابہ رضی اور تابعین رح کے زمانہ میں اگرچہ تقلید شخصی بھی بلا نکیر کے جاری تھی لیکن کسی خاص شخص کی تقلید کا التزام اور اہتمام نہ تھا" الخ

اقول :۔ ثابت ہوا کہ تقلید شخصی بعد کی پیدا وار ہے۔ نیز اوپر واضح کر دیا گیا کہ قرونِ اولیٰ صحابہ رضی و تابعین رح کے زمانے میں تقلید کا وجود ہی نہیں تھا۔ فلیراجعہ۔ نیز غیر مقلد اور عالم سے مسئلہ پوچھنا تقلید نہیں ہے۔ کیونکہ کیا ثبوت ہے کہ وہ مسئلہ پوچھتے وقت صرف ان کی اپنی رائے پر کفایت کرتے تھے۔ ایسے ثبوت کے بغیر تقلید کی نسبت ان کی طرف صحیح نہیں ہے۔

قولہ ص۹۶ س۹ "تیسری صدی آئی اور بہت سے فقہا اور مجتہدین پیدا ہوئے"

اقول :۔ کیا معاذاللہ پہلے مجتہدین اور فقہا نہیں تھے۔ ع

چہ دلاور است دزدہ کہ بکف چراغ دارد

قولہ ص۹۶ س۹ "اور لوگوں نے ان کا اتباع کیا"

اقول : لیکن تقلید نہیں کی دونوں میں فرق بیّن ہے ۔ کما مر۔

قولہ ص ۹۶ سطر ۱۰ "۲۰۲ھ میں داؤد ظاہری ہوئے جنھوں نے سب سے پہلے قیاس کا انکار کیا" الخ

اقول : یہ نسبت غلط ہے۔ اس سے پہلے بھی منکر ہوئے ہیں جیسا کہ اوپر ہم نے صحابہ رضی اور تابعین رح وغیرہم سے ذکر کیا بلکہ احادیث سے بھی قیاس کی تردید ثابت کی۔ ایضاً ان کے کوئی مقلد نہیں ہوئے البتہ جو بات صحیح سمجھی اس میں لوگ اس کا اتباع کرتے ہیں۔

قولہ ص ۹۶ سطر ۱۱ "اور اسی تیسری میں مذاہب اربعہ کا شیوع اور ظہور ہوا"

اقول : پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دو سو سال تک جن مذاہب کا وجود نہ تھا تو وہ دینی مذاہب کیسے ہوئے اور جو ان مذاہب سے باہر ہو اور خالص کتاب و سنت پر عمل کرے اس کو لا مذہب و لا دین وغیرہ کیوں کہتے ہو۔ کیا صحابہ رض و تابعین معاذ اللہ لا مذہب و لا دین تھے؟ بلکہ حق تو دین اول ہو گا نہ کہ بعد میں آنے والا۔ نیز نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو ایک جماعت چھوڑی تھی۔ یہ تربیع الامت اور چار مذہب بعد کی ایجاد ہے۔

قولہ ص ۹۶ سطر ۱۲ "اور امت کے علما اور صلحا نے ان مذاہب اربعہ کو استحسان اور قبول کی نظروں سے دیکھا"

اقول : کن علماء نے مجتہدین یا مقلدین نے؟ علی الاول رجوع المجتہد الی المجتہد تقلید نہیں۔ نیز صرف استحسان کیا یا کوئی دلیل بھی دیکھی؟ وعلی الثانی مقلدین کی تحسین کو کیا اعتبار ہے ایضاً در حقیقت اکثر علماء نسب اس تفریق کے خلاف تھے۔ بھلا جو چیز نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چھوڑی ہوئی حالت پر نہ رہی ہو بلکہ متغیر ہو چکی ہو اور ایک سے چار بن گئے ہوں۔ ایسے فتنہ کو صلحاء امت کیسے قبول کر سکتے ہیں۔ کیا صلحاء یہ برداشت کر سکتے ہیں کہ ایک جماعت کے بجائے چار فرقے

ہو جائیں اور ایک دوسرے کی تردید کرتے رہیں۔ یہاں تک کہ معاملہ مقدمہ بازی تک جا تے اور ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔ حتیٰ کہ بیت اللہ جیسے مقام میں چار مصلے قائم ہو جائیں۔

قولہ ص ۱۳ "اسی تیسری صدی میں اوزاعی اور اسحاق بن راہویہ اور سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ اور لیث بن سعد وغیرہم کا مذہب بھی ظاہر ہوا۔ مگر اس تیسری صدی کے ختم پر یہ مذاہب اور اس کے مقلدین بھی ختم ہو گئے"

اقول :۔ اس لیے کہ ان کے پیروکاران کے متبع تھے مقلد نہیں تھے۔ اور جانتے تھے کہ ہمیشہ جس کی قوانین و دفعات دنیا میں قائم رہیں گے وہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے۔ ثانیاً وہ ان کے اس معنی میں متبع تھے کہ جو بات دلیل کے موافق ہو وہ لیتے ایسے متبع اب بھی موجود ہیں۔ ختم نہیں ہوئے۔ اہل حدیث سب کی بات کو ماننے کے لیے تیار ہیں بشرطیکہ وہ دلیل کے موافق ہو اور تقلید کے قائل نہیں۔

قولہ ص ۱۶ "اور دنیا میں صرف امام ابو حنیفہ رحہ اور امام مالک اور امام شافعی رحہ اور امام احمد رحہ کا مذہب اور متبعین باقی رہ گئے"

اقول :۔ اس معنی سے کہ مقلد کہلانے لگے لیکن دلیل معلوم کرنے اور اس کو صحیح پانے کے بعد تو اتباع دوسروں کی اب بھی موجود ہے۔ ختم نہیں ہوئی۔ ثانیاً خود آپ مسئلہ تحلیف الشہود میں ابن ابی لیلیٰ کے قول پر چلتے ہیں اور ان چاروں کے علاوہ پانچواں مذہب جاری رکھتے ہیں۔ پھر کیسے کہتے ہو کہ ان چاروں کے سوا کسی کا مذہب یا اس کا متبع نہیں رہا۔ سب سے اول تو آپ خود پانچویں شخص کے مقلد ہو۔

قولہ ص ۱۹ "چوتھی صدی کے شروع میں علماء ربانیین نے دیکھا کہ خیر القرون کا زمانہ تو گذر گیا کہ جس کی چاہیں مسئلہ پوچھ کر عمل کر لیں علم اور تقویٰ میں غیر معمولی انحطاط ہو گیا۔ (الیٰ قولہ) خدانخواستہ

کہیں اس آیت کا مصداق نہ بن جائیں یہ اتخذوا دینھم لھوا ولعبا" ص ۹۷ س ۸"

اقول :۔ اولاً اس بہانہ کی پوری تردید سابقہ صفحات میں کردی گئی ہے ثانیاً اگر تقوٰی ختم ہے تو پھر یہ آپ کا بتایا ہوا نسخہ بھی کامیاب نہیں جاتے گا کیونکہ یہ نسخہ بقول شما اتباع ہوائے سے بچنے کا طریقہ ہے اور غیر متقی کے لیئے ہوائے نفس سے بچنے کا کوئی سوال نہیں۔ اور اگر متقی ہے تو طریقہ سلف یعنی بلا تقلید عمل اس کے لیے کافی ہے۔ ثالثاً کیا اس وقت آپ کی نظر میں کوئی کامل متقی و عالم دین الہٰی پر باقی ہے یا نہیں۔ اگر ہے اور ضرور ہے بلکہ بہت ہی موجود ہیں، تو پھر سب پر تقلید کا حکم کیسے لگاتے ہو۔ رابعاً ائمۂ اربعہ میں تقوٰی و فراست بند نہیں ہے بلکہ آپ کے بعد بھی کئی لوگ متقی صاحب فراست و ماہر استنباط ہوتے رہے ہیں۔ حتّٰی کہ علامہ عبیداللہ سندھی نے شاہ ولی اللہ کو اجتہاد میں امام ابوحنیفہ رح اور امام مالک رح کے ہم پلہ اور ان کی طرح مستقل مجتہد قرار دیا ہے۔ اور ایسی بات کے منکروں کے متعلق لکھا ہے کہ

"وھذا جھل عجیب منھم لا یجوزون ان یکون احد من الامۃ المحمدیۃ مثل ابی حنیفۃ ومالک ویعتقدون بجواز ان یکون احد مثل الانبیاء بعد خاتم النبیین" (الہام القرآن ص ۲۲۸)

یہ ان لوگوں کی عجیب جہالت ہے کہ اُمّت محمدیہ میں امام ابوحنیفہ رح یا امام مالک رح کے برابر کے شخص کا ہونا تو ناجائز جانتے ہیں اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے متعلق نبیوں جیسا ہونا جائز سمجھتے ہیں۔ (جب ہی تو ان کے اقوال کو نبیوں کے اقوال کی طرح مانتے اور بالا از خطا جانتے ہیں)

خامساً تقلید کے التزام میں تو یہی نفسانیت رہے گی جس کو جو امام پسند آئے گا اس کے پیچھے چلے گا اور اسی آیت کا انطباق و مصداق اسی پر آتا ہے۔

قولہ ص۹۷ سطر ۸ ”اور ان علماء ربانیین نے علی رؤس الاشہاد یہ اعلان کیا کہ ہم اجتہاد سے عاجز نہیں (الی قولہ) اور مسلمانوں میں اپنی تقلید کا اعلان کر دیا“ الخ

اقول :۔ نہ معلوم یہ اعلان کس جگہ ہے۔ شیعوں کے امام معدوم کی طرح کسی معدوم کتاب میں ہوگا۔ ہم تو اول سے لے کر آخر تک علماء کو دیکھتے ہیں تو ہر وقت استدلال اور استنباط کرتے چلے آئے ہیں۔ اور ایک دوسرے کی تردید اور دلائل پر تنقید کرتے رہتے ہیں، حالانکہ یہ سب کام مجتہدین کے ہیں نہ مقلدین کے امام غزالی فاتحۃ العلم میں فرماتے ہیں کہ

الثالثۃ ان یکون المناظر مجتہدا یفتی برأیہ لا بمذھب

ابی حنیفۃ والشافعی (الارشاد الی سبیل الرشاد ص۲۵ الحاشیہ)

مناظرہ کرنے والے کے لیے شرط ہے کہ وہ مجتہد ہو اور اپنی تحقیق پر فتویٰ دینے والا ہو، یہ نہ ہو کہ امام ابو حنیفہ رح یا امام شافعی رح کے مذہب پر فتویٰ دیتا ہو۔

پس یہ مناظرے تحقیقات اور مناقشات سب بتاتے ہیں کہ یہ لوگ مجتہد تھے۔

قولہ ص۹۷ سطر ۱۲ ”اور عامہ مسلمین کو بھی اسی کا حکم دیا کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی امام کی تقلید کریں اور ان چار اماموں کے علاوہ اور کسی کی تقلید نہ کریں“

اقول :۔ جب قرآن و حدیث موجود ہیں اور ان سے مسائل لینا آسان ہیں اور کتب احادیث مبوب ہیں مسائل بیان ہو چکے ہیں۔ ہر ایک دیکھ کر ان پر عمل کر سکتا ہے۔ تو پھر ایسی بات علماء کیسے کہہ سکتے ہیں۔ بلکہ اہل علم نے تو سرے سے تقلید سے منع کیا ہے جیسا کہ ابتداء رسالہ میں اقوال ذکر ہوئے۔ نیز اگر ان کا کہنا بھی ہے تو کیا آپ اس کو صحیح سمجھ کر مانتے ہیں یا بلا تحقیق علی الاول آپ مجتہد ہیں نیز اس کی صحت کی دلیل پیش کریں تاکہ ہم بھی دیکھیں وعلی الثانی ایسی چیز کیوں پیش کرتے

ہیں جس پر آپ کو یقین نہیں۔ ایضاً خود علماء جو کہ ان چار مذاہب کی طرف منسوب ہیں خود ان سے کئی مسائل میں اپنے مذاہب کے خلاف پایا جاتا ہے۔ پھر ان کا یہ کہنا علی تقدیر صحۃ النقل کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

قولہ ص۹۶ س۱۲ "اور امام الحرمین اور امام حدیث حافظ ابن صلاح نے یہ فتویٰ دیا کہ ائمۂ اربعہ" الخ۔

اقول:۔ یہ خود کئی مسائل میں ائمۂ کے خلاف گئے ہیں نیز ان کے کئی فتوے ہیں جن کو ایک نہیں مانتے۔

قولہ ص۹۶ س۱۶ "ان میں سے کسی ایک کی تقلید واجب ہے"

اقول:۔ نہیں کہا ہے بلکہ یہ آپ کی تشریع ہے۔ علامہ بحر العلوم حنفی شرح مسلّم الثبوت میں لکھتے ہیں کہ

"اذلا واجب الا ما اوجبه الله تعالیٰ والحکم له ولم یوجب علی احد ان یتمذھب بمذھب رجل من الائمة فایجابه تشریع جدید اھ"

واجب وہی کام ہیں جس کو اللہ واجب قرار دے اور اسی کو اختیار ہے اس نے کسی پر یہ واجب نہیں کیا کہ وہ کسی امام کے مذہب کو اختیار کرے۔ اس کو واجب سمجھنا نئی شریعت بنانا ہے۔"

اور المنتقیٰ من منہاج الاعتدال المذہبی ص۱۶۶ میں ہے کہ

"وان ارادوا بالامام الامام المقید فذالک لا یوجب اھل السنة طاعتہ"

"اہل سنت والے کسی معین یا مقید امام کی اطاعت کو واجب نہیں کہتے"!

جب کہ اہل سنت کا یہ مذہب ہی نہیں تو پھر آپ ایسے وجوب کا فتویٰ کیسے دیتے ہو؟ اور خود علامہ بحر العلوم شرح مسلم الثبوت میں ابن الصلاح کے اس قول کی تردید کرتے ہیں۔ پھر لکھتے ہیں کہ

وبطل بھذا قول ابن الصلاح ایضاً ثم فی کلامہ خلل آخر اذ المجتھدون الآخرون ایضا بذلوا جھدھم مثل الاربعة وانکار ھذا مکابرة وسوء ادب۔

اسی تقریر سے ابن الصلاح کا قول باطل ہوا۔ نیز اس میں ایک اور بھی خلل ہے۔ وہ یہ کہ دوسرے ائمۂ مجتہدین نے بھی ائمۂ اربعہ کی طرح (اجتہاد کئے ہیں) اپنی کوششوں کو صرف کیا ہے اسی کا انکار مکابرہ اور بے ادبی ہے"۔

قولہ ۱۷۹ "اور یہی شیخ عزالدین بن عبدالسلام انصاری کی رائے ہے"۔

اقول :۔ یہ رائے ہے روایت نہیں۔ ثانیاً خود شیخ موصوف کا اپنا کلام ذیل میں پڑھیئے۔

ومن العجیب العجیب ان الفقھاء المقلدین یقف احدھم علی ضعف ماخذ امامہ بحیث لا یجد لضعفہ مدفعاً وھو مع ذالک یقلدہ فیہ ویترک من شھد الکتاب والسنة والأقیسة الصحیحة لمذھبھم جمودا علی تقلید امامہ بل یتحیل لدفع ظاھر الکتاب والسنة ویتأولھا بالتاویلات

البعيدة الباطلة نضالاعن مقلده وقال لم يزل الناس يسئلون من اتفق من العلماء من غير تقييد لمذهب ولا انكار على احد من السائلين الى ان ظهرت هذه المذاهب ومتعصبوها من المقلدين فان احدهم يتبع امامه مع بعد مذهبه عن الادلة مقلدا له فيما قال كانه نبي ارسل وهذا نائی عن الحق وبعد عن الصواب لا يرضى به احد من اولی الالباب" (حجة الله البالغة ص۱۵۵ ج۱)

نہایت تعجب کی بات ہے کہ فقہاء مقلدین میں سے بعض اپنے امام کے ضعف مأخذ سے واقف ہوتا ہے کیونکہ اس کے ضعف کو دفع کرنے والی کوئی شئی نہیں ملتی اس کے باوجود وہ اپنے امام کی تقلید ہی کرتا ہے۔ اور اپنے امام کی تقلید سے وابستگی ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کے مذہب کو ترک کر دیتا ہے جس پر قرآن وحدیث اور صحیح قیاسات کی شہادت ملتی ہے بلکہ ظاہر قرآن وحدیث کو رد کرنے کے لیے حیلے کرتا ہے اور اپنے مقتداء کی حمایت میں ان میں بعید و باطل تاویلیں کرتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ لوگ ہمیشہ سے بغیر کسی قید مذہب کے اور سائلین بغیر کسی ملامت کے جس عالم سے بھی ملاقات ہوئی اس سے مسئلے دریافت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ان مذاہب اور متعصب مقلدین کا ظہور ہوا پس تحقیق ان میں سے ہر شخص اپنے امام کا مقلدین کر اس کے قول کی ایسی پیروی کرتا ہے گویا وہ نبی مرسل ہے باوجودیکہ اس کا مذہب دلائل سے بہت بعید ہے ایسا کرنا حق اور

صواب سے دور رہتا ہے جس کو کوئی عقلمند پسند نہیں کرتا۔"

(نعمۃ اللہ السابغہ ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ ص۳۶۲ ج ۱، اصح المطابع)

ناظرین! یہ ترجمہ حنفی عالم کا ہے غور سے پڑھیں کہ شیخ عزالدین بن عبدالسلام کس قدر تقلید اور مقلدین کی برائی کر رہا ہے۔ نیز اس کا کہنا کہ "لوگ ہمیشہ بغیر کسی قید مذہب کے اور سائلین بغیر کسی ملامت کے جس عالم سے بھی ملاقات ہو گئی اس سے مسئلہ دریافت کرتے رہے" آپ کی اس چار دیواری کی تحریک کو پاش پاش کر دیتا ہے۔ بلکہ "طوالع الانوار" حاشیہ الدر المختار میں ہے کہ "ولعدم وجوبہ صرح الشیخ ابن عبدالسلام فی مختصر منتھی الاصول" اھ نیز اس کو "مغتنم الحصول" میں مجتہد کہا گیا ہے کذا فی معیار الحق ص۲۹ اور شذرات الذہب ص۳۰۱ ج ۵ میں ہے کہ "بلغ رتبۃ الاجتہاد"

قولہ ص۹۷ س۱۸ "اسی لیے کہ" الخ

اقول:۔ یہاں مصنف نے سات باتیں ذکر کی ہیں ان کا جواب سلسلہ وار عرض ہے۔

۱۔ کیا آئمہ اربعہ کے علاوہ دوسرے جوان سے قبل یا بعد ہیں ان کے مجتہد ہونے پر اتفاق نہیں ہے۔ اور سب لوگوں کے پاس ان کا اجتہاد معتبر نہیں؟ بلکہ فقہی کتابوں کا اختلاف اور ان کا چار فقہوں میں تقسیم ہونا حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی فقہوں کو الگ الگ لکھا جانا خود بتاتا ہے کہ ان کا ایک دوسرے پر اعتماد نہیں ہے۔ خود آپ تقلید شخصی کا حکم دے کر اس کو رد کرتے ہیں۔ اگر سب کا اجتہاد مقبول ہوتا تو شخصی کی قید نہ لگاتے اور بفضلہ تعالیٰ ہر زمانے میں مجتہدین بکثرت رہے ہیں۔ کما مر حافظ ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں ائمہ اربعہ کے بعد والوں میں کئی مجتہدوں کے نام گنوائے ہیں۔ آٹھویں طبقہ تک ائمہ اربعہ ختم ہوتے ہیں پھر نویں طبقہ میں دارمی احمد بن سیار ابو الحسن المروزی داؤد بن علی الاصفہانی ابو داؤد السجستانی وغیرہم کو ذکر کیا ہے اور دسویں طبقہ میں بقی بن مخلد قرطبی احمد ابن عاصم

قاسم بن محمد اندلسی حافظ ابن خزیمہ ابن جریر طبری ابو بکر الباغندی کو ذکر کرتے ہیں۔ اور گیارہویں[11] میں ابن المنذر حسین بن محمد السنجی ابو العباس بن سریج محمد بن مخلد بن حفص الدوری ابن الاخرم النیاپوری ابو یعلی النسفی ابو علی الحسن بن سعد الکتانی اور بارہویں[12] میں ابو اسحاق و علی بن احمد السجزی ابو الولید حسان بن محمد القزوینی ابو احمد الحاکم محدث عراق ابن شاہین اور تیرہویں[13] میں ابو الفضل ابن ابی نصر الطوسی ابو عبد اللہ الحلیمی الحافظ ابو عبد اللہ الحاکم ابو بکر البرقانی ابو الحسن النابلسی۔ ور چودھویں[14] میں ابو عبد اللہ الصوری ابو نصر السجزی ابو یعلی الخلیلی ابن حزم عبد الرحمن بن مندۃ الاصفہانی ابو القاسم الزنجانی ابو اسماعیل عبد اللہ الھروی اور پندرہویں[15] میں ابو عبد اللہ الحمیدی الاندلسی ابو بکر بن ابی ضیعۃ الدقاق البغدادی ابو سعد الحرمی ابو محمد السمرقندی ابو الفضل بن القیسرانی المقدسی ابو عبد اللہ الدقاق الاصفہانی ابو محمد البغوی ابو الغنائم النرسی الکوفی ابو عامر العبدری ابو البرکات الانماطی ابو سعد ابن البغدادی اور سولھویں[16] میں ابو الفضل السلامی ابو العلاء الہمدانی اور سترہویں[17] میں ابو القاسم السہیلی حافظ عبد الغنی المقدسی ابو الحسن علی الاسکندرانی اور اٹھارویں[18] میں ابو طاہر الانماطی ضیاء الدین الصالحی ابن الرومیۃ الاشبیلی ابن الصلاح ابو الحسین رشید الدین النابلس اور انیسویں[19] میں ابن سید الناس ابن الکماد ابو شامۃ شرف الدین النابلسی اور بیسویں[20] میں ابن الظاہری ابن دقیق العید اور اکیسویں[21] میں ابن تیمیہ رحمہ ابو الحجاج المزی کو ذکر کرتے ہیں بلکہ ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ تذکرۃ الحفاظ میں سب مجتہدین مذکور ہیں۔ جن کی تعداد گیارہ سو سے اوپر ہے۔ اسی طرح طبقات الحفاظ اور حسن المحاضرۃ للسیوطی "الدرر الکامنۃ" لابن حجر" الضوء اللامع للسخاوی" "البدر الطالع للشوکانی" کو دیکھیں کہ ہر زمانہ میں مجتہدین کس کثرت سے گذرے ہیں۔

۲۔ اولاً اتفاق کا دعویٰ ثبوت کا محتاج ہے نیز امام ابو حنیفہ رحمہ کی رائے کے متعلق جو اقوال ائمہ اور پر گذرے وہ بھی اس دعویٰ کی تردید کرتے ہیں۔ ایضاً ان صفات علم صلاح تقویٰ اور فہم و فراست سے

کئی اللہ کے بندے تصنیف رہے ہیں۔ معرفۃ علوم الحدیث للحاکم تذکرۃ الحفاظ العبر فی خبر من غبر للذہبی شذرات الذہب التاج المکلل البدر الطالع نیل الاوطار الدرر الکامنۃ التہذیب طبقات الخواص صفۃ الصفوۃ اور المنتظم لابن الجوزی وغیرہا کتب دیکھ کر پھر اندازہ لگائیں۔

۳۔ اولاً مجتہد کے لیے یہ شرط نہیں کہ اس کا مذہب مدون ہو۔ شاہ ولی اللہ "عقد الجید" ص۱۵ میں لکھتے ہیں کہ:۔ ولا یشترط ان یکون للمجتہد مذہب مدون؟ اھ ثانیاً شیعوں کا مذہب بھی مدون ہے۔ پھر ان کو خاص مذہب کیوں نہیں قرار دیتے ہو اور چار کے بجائے پانچ مذاہب میں حق کو دائر کیوں نہیں سمجھتے؟ ثالثاً انہی کتابوں میں دوسروں کے اقوال بھی مذکور ہیں۔ بالخصوص سنن ترمذی التمہید لابن عبد البر المحلی لابن حزم المغنی لابن قدامہ ہدایۃ المجتہد لابن رشد تفسیر الجامع الاحکام القرآن للقرطبی وغیرہ میں ائمہ اربعہ کے علاوہ اور ائمہ کے اقوال و مذاہب درج ہیں۔ ترمذی میں تو اسحاق بن راہویہ اور ابن مبارک کا مذہب خصوصیت سے مذکور ہے۔ قاضی ابو یوسف کی کتاب "اختلاف ابی حنیفہ و ابن ابی لیلےٰ" بھی قابلِ ذکر ہے جس میں اس نے چالیس سے اوپر مسائل میں ابن ابی لیلےٰ کے قول کو اختیار کیا ہے۔

۴۔ تواتر ترک کیا بلکہ بعض اقوال کی تو ائمہ تک سند بھی نہیں پہنچتی۔ ثانیاً ان ائمہ کی طرح اور ائمہ کے اقوال بھی منقول ہیں۔ پھر ان کو بھی متواتر مانیں۔ ثالثاً صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے متعلق شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ" ص۱۳۴ ج۱ میں لکھتے ہیں کہ" وانہما متواتران الی مصنفیھما اھ یعنی یہ دونوں کتابیں ان کے مصنفین تک تواتر سے منقول ہیں۔ اور امام بخاریؒ نے اپنا مذہب ابواب میں بیان کیا ہے۔ خود شاہ صاحب موصوف شرح تراجم البخاری ص۲ میں لکھتے ہیں کہ "و یودع فی تراجم الابواب سر الاستنباط اھ یعنی امام بخاری نے اپنی صحیح کے تراجم ابواب میں استنباط کے راز کو جمع کیا ہے پس امام بخاریؒ کا مذہب بھی تواتر سے ثابت ہے ایضاً آپ کا

یہ کہنا کہ "ہر مذہب کے راوی اس قدر کثیر ہیں کہ جن کا شمار ناممکن ہے" صحیح نہیں۔ کیونکہ کوئی صاحب کتاب اس کی سند ذکر نہیں کرتا ہے۔ بلکہ مسائل میں اختلاف واقع ہے۔ اور جب سند معلوم نہیں تو کیا خبر کہ کونسا قول صحیح ہے اور کونسا ضعیف!

۵۔ اس سے کیا مراد ہے یہ سب اصطلاحات ان ائمہ ہی نے رکھی اور وضع کی ہیں یا متأخرین نے علی الاول ثبوت درکار ہے بلکہ کئی اصطلاحیں ان کے ذہن میں بھی نہیں تھیں۔ وعلی الثانی یہ وجہ باطل ہوئی ایضاً امام ابن حزم کی کتاب "الاحکام فی اصول الاحکام" کا مطالعہ کریں تو بخوبی معلوم ہوگا کہ یہ سب اصول صفتیں آپ کو ملیں گی۔ ان میں صرف ائمہ اربعہ کی خصوصیت نہیں۔ نیز ابن رشد کی کتاب بدایۃ المجتہد کا مطالعہ کریں معلوم ہوگا کہ یہ صفتیں ان چاروں سے خاص نہیں۔

۶۔ یہ بالکل غلط ہے "مقلی" کو دیکھیں کہ اخیر تک ہر زمانہ میں لوگ ان سے خلاف کرتے آئے ہیں۔ المنتقی للذہبی ص۵۱ میں ہے کہ

لم یقل اھل السنۃ ان اجماع الاربعۃ حجۃ معصومۃ ولا ان الحق منحصر فی قولھم وان ما خرج منه باطل۔

"اہل سنت یہ نہیں کہتے یعنی ان کا یہ مذہب نہیں کہ چار اماموں کا اجماع حجت ہے اور اس میں خطاء کا احتمال نہیں۔ اور نہ یہ کہ حق ان چار مذاہب میں منحصر ہے اور جو بات ان سے باہر ہے وہ باطل ہے۔

ناظرین:۔ یہ منتقی دراصل شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی کتاب منہاج السنۃ کا مختصر ہے۔ پس ان دونوں اماموں کے قول سے ظاہر ہوا کہ یہ دعویٰ غلط ہے کہ ان چاروں میں امت منحصر ہو گئی اور اب حق ان سے باہر نہیں ہے پس یہ غرق حالات نہیں بلکہ آپ کا فرق حق ہے اور اوپر

ہم نے کئی ایسے لوگ ذکر کیے جو اربعہ سے بعد میں آئے اور کسی کے مقلد نہیں تھے۔

نیز اگر ان میں امت منحصر ہے تو پھر آپ نے مسئلہ تحلیف الشہود میں ابن ابی لیلے کے قول کو کیوں لیا۔ کیا آپ بقول شماعت سے نکل گئے؟ سنن ترمذی میں دیکھیں امام اسحاق بن راہویہ کا قول کئی مسائل میں ائمہ اربعہ سے الگ ہے کیا اس کو بھی امت سے فارغ کریں گے؟ نیز امام ابن حزمؒ نے "الاحکام" ص ۵۴۳ طبع ثالثہ میں ان لوگوں کا نام لیا ہے۔ ابن ابی لیلے سفیان اوزاعی زفر ابویوسف محمد بن الحسن الحسن بن زیادہ اشہب ابن الماجشون مزنی ابوثور احمد اسحاق داؤد محمد بن جریر اور کہتے ہیں کہ ان سے کئی ایسے اقوال منقول ہیں جو ان سے قبل کسی نے نہیں کہا ہے۔ اسی طرح جملہ مصنفین مثلاً ابن حزم ابن تیمیہؒ ابن عربی وغیرہ ہم نے کئی ایسے اقوال ذکر کیے ہیں جو کہ چاروں مذاہب کے اندر نہیں کیا وہ سب امت سے خارج ہو گئے؟ ایضاً یہ بتائیں کہ یہ اجماع مقلدین کا تھا یا مجتہدین کا علی الثانی پھر کیسے مقلد بنے اور حنفی، مالکی، شافعی وحنبلی کیسے کہلاتے وعلی الاول مقلدین کا اجماع معتبر نہیں حجت نہیں اور اگر کہو گے کہ مجتہد تھے لیکن اس فیصلہ کے بعد مقلدین گئے تو بھی غلط ہوگا۔ کیوں کہ مجتہد تقلید سے ممنوع ہے۔

۷۔ یہ بھی خوش فہمی ہے۔ بھلا یہ بھی عقل کی بات ہے کہ مختلف مذاہب کے مختلف اقوال اور وہ سب حق ہوں جو جائز کہتا ہے وہ بھی حق جو ناجائز کہتا ہے وہ بھی اور جو پلید کہتا ہے وہ بھی حق جو پاک کہتا ہے وہ بھی۔ اور جو نادرست کہتا ہے وہ بھی حق اور جو فاسد کہتا ہے وہ بھی اور جو وضو کو باقی کہتا ہے، جو ناقص کہتا ہے دونوں حق۔ جو کہتا ہے روزہ ٹوٹ گیا جو کہتا ہے نہیں دونوں حق، جو کہتا ہے فلاں کافر ہے اور جو کہتا ہے مسلمان ہے دونوں حق۔ جو کہتا ہے فلاں کا نکاح ٹوٹ گیا اور اس پہ بیوی حرام ہو گئی اور جو کہتا ہے کہ نہیں، حلال ہے دونوں حق۔ یہ تو اجتماع الضدین ہے۔

بلکہ خود اس دعویٰ اجماع کے بطلان کے لیے یہی دلیل کافی ہے کہ امام مالک سے مروی ہے کہ

" انہ قال فی اختلاف اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مخطئ ومصیب فعلیک بالاجتہاد (الاحکام لابن حزم ص۱۶۹ ج ۶ وجامع بیان العلم لابن عبد البر ص۸۱ ج ۲)"

آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کے اختلاف کے متعلق فرمایا کہ ان میں مخطیٔ ومصیب دونوں طرح ہیں۔ لہذا تم خود اجتہاد کیا کرو اور حق معلوم کرو)

اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

" نعمل بما اتفقوا علیہ فان اختلفوا قسنا حکما علی حکم بجامع العلۃ بین المسئلتین حتی یتضح المعنی.... و فی روایۃ أخری.... وما جاءنا عن الصحابۃ تخیرنا (المیزان الکبریٰ للشعرانی ص۶۵ ج ۱)

جس بات پر صحابہ رضی اللہ عنہم متفق ہیں ہم اس پر عمل کرتے ہیں اور جہاں مختلف ہیں تو قیاس سے تحقیق کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ بات ظاہر ہو جائے (کہ کونسی حق ہے) اور کہا کہ جو صحابہؓ سے حکم وارد ہے اس میں ہم تحقیق کرکے صحیح بات کا) انتخاب کرتے ہیں۔

گویا امام صاحب بھی بوقت اختلاف سب صحابہ کے اقوال کو حق نہیں جانتا۔ امام شافعی رحؒ کے متعلق شاہ ولی اللہ" حجۃ اللہ البالغہ" ص۱۴۷ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ

"فترک التمسک باقوالھم مالم یتفقوا"

"وہ صحابہؓ کے اقوال کو جب تک متفق نہ ہوں نہیں لیتے۔"

گویا کہ اختلاف کے وقت سب کو حق نہیں کہتے۔ امام احمد بن حنبلؒ کے متعلق ابن القیمؒ اعلام الموقعین ص۳۱ ج ا میں لکھتے ہیں

"اذا اختلف الصحابۃ تخیر من اقوالھم ما کان اقربھا الی الکتاب والسنۃ۔"

"اگر صحابہؓ کے اقوال مختلف ہوتے ہیں تو ان میں جو قول قرآن وحدیث سے زیادہ قریب ہوتا ہے اس کو اختیار کرتا ہے۔"

اس کے معنی یہ ہوئے کہ حق اسی قول کو جانتا ہے جو دلیل کے موافق ہو۔ نہ کہ سب کو۔ الحاصل جب بوقت اختلاف سب صحابہؓ کے اقوال کو حق نہیں کہا جا سکتا تو چاروں اماموں کے مذاہب کو حق کہنا کیسے درست ہوگا۔ بلکہ خود آپ نے اپنے اصول کے خلاف چاروں کے مذاہب سے نکل کر اور کہتے ہیں کہ سب حق یہ ہیں اور اگر کہو گے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان چاروں میں حق دائر ہے یعنی جو حق بات ہے وہ ان چاروں میں کسی ایک کا قول ہوگا تو بھی غلط ہے۔ کیونکہ ان چاروں میں حق کا منحصر ہونا پہلے ہی باطل کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ "فواتح الرحموت" ص۴۰۲ ج ۲ فی ذیل المستصفی میں علامہ عبد العلی انصاری حنفی لکھتے ہیں کہ

"لو وجد روایۃ صحیحۃ عن مجتھد آخر یجوز العمل بھا۔"

ان چار اماموں کے علاوہ کسی اور مجتہد کا قول مل جائے تو اس پر بھی عمل جائز ہے۔

ایضاً ایسی صورت میں کیا خبر کہ ان چاروں میں کس کا قول صحیح ہے کس کا غلط۔ مقلد کا تو یہ وطیرہ نہیں۔ وہی اجتہاد لازم آئے گا۔ نیز صحیح معلوم کرنے کا معیار کیا ہوگا۔ اگر کہو گے کہ کتاب سنت تو وہی اتباع دلیل ہوگا تقلید متعذر و باطل ہو جائے گی اور اس ساری تقریر سے مصنف

کا یہ قول" بخلاف اور ائمہ کے کہ نہ ان کا مذہب مدوّن ہوا (الی قولہ) اور نہ ان کو اس درجہ شہرت و قبولیت حاصل ہوئی جو ائمہ اربعہ کو حاصل ہوئی" بھی غلط ہو گیا۔ کیونکہ سب کا مذہب اور ان کے اقوال کتابوں میں مذکور ہیں۔ اور تواتر و نقل میں یکساں ہیں بلکہ بعض کو زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ ہاں بقول ع

پیران نمے پرند مریدان مے پرانند

مقلدین اپنے ائمہ کے سوا کسی کو نہیں جانتے ہیں، یا جانتے ہیں تو تعصب کی بنا پر نہیں مانتے ہیں۔ لیکن جس کو اللہ تعالٰے نے تحقیق و نظر عطا فرمائی ہے وہ کتابوں کے مطالعہ سے جان لیتے ہیں کہ ائمہ اربعہ کے بعد بھی کئی ایسے مجتہد آتے رہے ہیں جن کو کافی مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی۔

قولہ ص ۹۹ س ۳ " اس لیے تمام علماء امت اور فضلاء امت کا اس پر اجماع ہو گیا کہ ان چار مذہبوں میں سے کسی ایک مذہب کی تقلید اور پیروی واجب ہے" الخ

اقول:۔ اس کی اچھی طرح تردید گزری نیز اجماع تو در کنار وجوب کا عقیدہ اہل سنت کا مذہب ہی نہیں۔ جیسا کہ اوپر ابن تیمیہؒ اور ذہبیؒ کے قول سے معلوم ہوا۔ نیز اصول فقہ حنفی کی مشہور کتاب فواتح الرحموت کی عبارت گزری کہ معین شخص کے مذہب کو واجب کہنا نئی شریعت بنانی ہے (ھکذا فی "بحر العلوم" و "مغتنم الحصول" پس جب اللہ نے واجب نہیں فرمایا تو علماء اُمت اس کے بغیر کیسے وجوب کا حکم دیں گے۔ نیز "معیار الحق" ص ۵ میں ملا علی قاری حنفی کی کتاب "سم القوارض فی ذم الروافض" سے منقول ہے کہ

" ولا یجب علی احد من ھذہ الامۃ ان یکون حنفیا او شافعیا او مالکیا او حنبلیا"

اس امت میں کسی ایک پر حنفی یا شافعی یا مالکی یا حنبلی ہونا واجب نہیں۔

ابوالفتح بن برہان نے کہا ہے کہ عامی پر کسی معین مذہب کی تقلید لازم نہیں کذا فی شذرات الذہب ص۶۲ ج ۴۔ اور ص۳۰۵ ج ایں شمس الدین القونوی الحنفی کے ترجمہ میں ہے کہ

وکان قد اقبل علی الاشتغال بالحدیث باخذہ والتزم ان لا ینظر فی غیرہ۔ وصارت لہ اختیارات یخالف فیہا المذاہب الاربعۃ لما یظہر لہ من دلیل الحدیث اھ۔

اور عجب تو یہ ہے کہ ائمۂ اربعہ کی تقلید کو واجب کہا جائے اور دوسروں کی پیروی سے منع کیا جائے حالانکہ اصل اتباع قرآن وحدیث کا ہے پھر کسی کا بھی قول جو کہ اگرچہ ان چار کے علاوہ ہو۔ اگر قرآن وحدیث سے موافق ہے تو قابل قبول ہے۔

قولہ ص۹۹ سطر ۷ "حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ عقد الجید میں فرماتے ہیں کہ دُنیا سے تمام مذاہب حقہ مندرس ہو گئے" الخ

اقول:۔ اوّلاً پہلے بیان ہو چکا ہے کہ کتابوں میں سب ائمہ کے اقوال مذکور ہیں تو پھر یہ کیسے صحیح ہوگا کہ چار کے علاوہ کوئی مذہب حق باقی نہیں رہا۔ کیا ابن ابی لیلے کا قول تحلیف الشہود کے بارے میں ناحق ہے۔ تو آپ اس کو کیسے مانتے ہیں۔ ثانیاً سواد اعظم بھی ایک جماعت ہو سکتی ہے نہ چار متعدد اور ایک دوسرے کے خلاف بالخصوص ہر ایک اپنے ہی پر حق ہونے کا مدعی ہے۔ نیز کیا تحلیف الشہود میں ابن ابی لیلے کا قول لے کر حنفیہ سواد اعظم سے خروج کر گئے؟ ایضاً یہ بتائیں کہ بوقت اختلاف ان مذاہب میں کس کو سواد اعظم کہیں گے؟

قولہ ص۹۹ سطر ۱۱ "یہی وجہ ہے کہ چوتھی صدی کے بعد اُمتِ محمدیہ کے تمام علما اور صلحاء مفسرین اور محدثین نے انہی مذاہب اربعہ کو اپنا دستور العمل بنایا"

اقول:۔ اس کی تردید بھی گذر چکی ایضاً چوتھی صدی کے بعد بھی کئی ایسے گذرے ہیں۔ جو

کرسکے مقلد نہیں تھے۔ مثلاً امام غزالی متوفی ۵۰۵ھ جنہوں نے المستصفیٰ میں تقلید کی خوب تردید کی ہے۔ فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ کو دیکھو کس طرح تفسیر میں تقلید کی مذمت کرتے ہیں۔ محدث ابن حزم متوفی ۴۵۶ھ کتاب الاحکام میں تقلید کو بدعت اور حرام بتاتے ہیں۔ واعظ امت ابن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ تلبیس ابلیس میں سختی کے ساتھ تقلید کو رد کرتے ہیں۔ نیز شذرات الذہب میں دیکھو۔ کہ چوتھی صدی کے بعد کئی ایسے علماء صلحاء محدثین مفسرین اور فقہاء ہیں جو خالص اہل حدیث و مجتہد تھے۔ اور کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے مثلاً پانچویں صدی میں ابو اسحاق اسفرائینی ابو عبداللہ الفخار القرطبی ابو محمد بن ذنین الصدفی الطیطلی ابو بکر البرقانی ابو محمد الجوینی ابو الطیب طبری ابو علی حسان بن سعد المنیعی ابو القاسم عبدالرحمٰن بن مندۃ، ابو الخطاب الصوفی البغدادی ابو نصر بن الصباغ البغدادی امام الحرمین ابو المعالی الجوینی، ابو عبداللہ محمد بن نصر بن فتوح الحمیدی ابو العلی العبدری کو ذکر کیا ہے اور چھٹی صدی میں ابو الحسن الکیا الہراسی ابو الغنائم محمد بن علی النرسی الکوفی ابو الوفاء بن عقیل البغدادی الظفری ابو الفتح احمد ابن علی بن برہان ابو عامر العبدری ابو بکر محمد بن عبد الباقی الانصاری ابو الحکم بن برجان ابو البرکات عبدالوہاب الانماطی ابو الفضل السلامی۔ شیخ عبدالقادر الجیلانی ابو الفضل احمد بن صالح الجیلی حافظ ابن عساکر ابو المدینی عبد المغیث ابن زہیر الحربی امیر المومنین ابو یوسف یعقوب بن یوسف القیسی اور ساتویں صدی میں ابو محمد محمد بن حمد الانصاری الارتاحی المصری ابو الخطاب محمد بن احمد ابن اسعد، ضیاء الدین احمد بن سکینہ ابو عمر بن احمد المقدسی تقی الدین ابن الانماطی موفق ابن قدامہ مصنف المغنی ابو القاسم عبدالکریم الرافعی ابو محمد بہاء الدین ابن عم البخاری ابو القاسم ابن بلقی القرطبی ابو الخطاب بن دحیۃ البستی ابو صالح نصر بن عبدالرزاق بن الشیخ عبد القادر الجیلانی ابو العباس ابن ردیتہ الزہری النباتی محی الدین ابن عربی الحاتمی صاحب الفتوحات المکیہ سیف الدین ابو العباس المقدسی الصالحی محدث ابن الصلاح ضیاء الدین

ابو ابراہیم الصالحی ضیاء الدین ابو عبد اللہ المقدسی ابو محمد عز الدین بن عبد السلام ابو شامۃ شہاب الدین الدین الدمشقی، ابو عبد اللہ القرطبی المفسر ابو الحسن مکین الدین المصری ابو العباس احمد بن یوسف الشیبانی الموصلی نور الدین ابو طالب عبد الرحمٰن البصری تاج الدین الفرکاح الفزاری اور آٹھویں صدی میں شرف الدین عبد المومن بن خلف الدمیاطی عماد الدین ابو العباس الواسطی الحزامی شمس الدین ابو عبد اللہ الدباہی للبغدادی سعد الدین الحارثی ابو المعالی ابن الزملکانی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اثیر الدین ابو حیان الغرناطی حافظ شمس الذہبی حافظ ابن القیم شیخ تقی الدین سبکی محمد بن اسماعیل بن الخباز صلاح الدین ابو سعید العلائی، قاضی محمد بن محمد المقرئی ابو الحسن علی بن ابراہیم بن سعد الانصاری محمد بن اسماعیل القزل، شمس الدین القونوی صدر الدین سلیمان الیاسوفی الدمشقی ابو ہریرہ بن الذہبی اور نویں صدی میں یوسف بن حسین الکردی حافظ السراج عمر البلقینی علاؤ الدین ابو الحسن الخوارزمی ابو ہاشم ابن البرہان التیمی ابو زید المرداوی الزبیدی، مجد الدین الفیروز آبادی نجم الدین بن عبد اللہ القابونی زین الدین ابو ہریرۃ الکمال المصری عز الدین محمد بن شرف الدین ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن محمد بن القلاح التونسی تقی الدین احمد بن علی المقریزی، حافظ ابن حجر العسقلانی ابو القاسم محمد بن ابراہیم بن عبد اللہ ابن جماعان الصوفی سیف الدین محمد البکتمری القاہری برہان الدین ابو اسحاق ابن مفلح علاء الدین ابو الحسن المرداوی السعدی محی الدین عبد القادر الحسینی الفاسی اور دسویں صدی میں محمد بن داؤد البیتی النزلادی عبد الرحمٰن الحمیری العدنی جلال الدین سیوطی محی الدین عبد القادر المارِدینی الحلبی السید الشریف حسین بن عبد اللہ العیدروس عارف باللہ ابو الحسن علی ابن میمون الہاشمی الغماری ابو الخیر عز الدین ابن فہد المکی عارف باللہ سید احمد بخاری حسینی شہاب الدین ابن الشیخ الحلبی ابو السعود محمد بن دغیم الجارحی القاہری جمال الدین بحرق الحضرمی تقی الدین ابو بکر البلاطنسی زین الدین ابو حفص عمر الحلبی ابن الخناجری الدمیری شمس الدین محمد الشامی

محمد الداؤدی المصری اسحاق الرومی جمال الدین ابو مخزمة الفردمی ابوالحسن علی البکری الصدیقی الشیخ عبدالوہاب الشعرانی علی المتقی الہندی معلم جہانگیر مصلح الدین جمال الدین محمد طاہر الہندی۔

ناظرین :- ان کے علاوہ اور کتابوں کو دیکھیں ہر زمانہ میں مجتہد ملیں گے۔ اس طرح گیارہویں صدی میں نواب صاحب نے التاج المکلل ص۳۹۲ میں ابراہیم القزاز اور ص۳۱ میں حسن بن احمد الجلالی کو اور شوکانی نے "البدر الطالع" ص۲۲۸ ج ۲ میں سید یحیٰی بن حسین ابن قاسم اور ص۲۳ ج ۱ میں عبدالقادر المحیرسی کو اور شیخ ابن زبارۃ صنعانی نے "ملحق البدر الطالع" ص۱۱۲ میں قاضی عبدالحفیظ المہلا اور ص۲۶ میں سید عبداللہ ایدروی اور ص۱۲۲ میں قاضی عبدالملک بن رغیسنی یمنی اور ص۱۲۲ میں عبدالوہاب بن سعید الحوالی اور ص۱۵۰ میں علوی بن عبداللہ العیدروس کو ذکر کیا ہے اور بارہویں صدی میں شوکانی نے "البدر الطالع" ص۱۳۳ ج ۲ میں سید محمد بن اسماعیل الامیر الکحلانی اور ص۳۶۹ ج ۲ میں عبدالقادر بن علی البدری الثلائی اور ص۱۱ ج ۱ میں ابراہیم بن حسن بن شہاب الدین الکورانی الشہرزوری اور ص۲۲ ج ۱ میں حسین بن یحیٰی سلفی صنعانی اور ص۲۸۸ ج ۱ میں صالح بن مہدی بن علی المقبلی کو اور "ملحق البدر" ص۲۱ میں احمد بن اسحاق بن ابراہیم یمنی اور ص۸۲ میں حسین بن عبدالقادر صنعانی اور ص۱۶۵ میں علی بن صلاح الدین الکوکبانی کو اور نواب نے "التاج المکلل" ص۵۰۳ میں عبدالقادر بن خلیل کوک اور ص۳۹۳ میں سید عبداللہ بن لطف اللہ کبسی صنعانی اور ص۳۹۲ میں ابراہیم حنیف آفندی کو ذکر کیا ہے اور شاہ ولی اللہ بھی اسی صدی کے ہیں۔ آپ کو علامہ عبیداللہ سندھی نے تفسیر "الہام الرحمٰن" میں مجتہد مطلق کہا ہے کما مر۔ اور تیرہویں صدی میں لطف اللہ بن احمد جحاف محمد بن احمد السودی الصنعانی ابراہیم بن عبدالقادر الکوکبانی احمد بن علی بن محسن الصنعانی حسن بن یحیٰی الحمزی الکبسی علی بن ہادی عرھب محمد بن حسن الحرثی الصنعانی قاسم بن محمد بن

اسماعیل الامیر محمد بن حسن المحتسب محمد بن حسن الطفری محمد عابد سندھی (البدر الطالع علی الترتیب ص۲۰ ج ۲ ص۱۳۳ ج ۲ ص۱۷ ج ۱ ص۹۲ ج ۱ ص۱۱۱ ج ۱ ص۱۹۹ ج ۱ ص۱۶۱ ج ۲، ص۵۲ ج ۲ ص۱۶۰ ج ۲ ص۱۵۲ ج ۲ ص۲۲۷ ج ۲) اور عبد الرحمٰن بن سلیمان الاصدل ابراہیم بن احمد الزمزمی احمد بن ادریس الحسنی المغربی (التاج المکلل ص۴۸۲ ص۴۳۶ ص۴۳۲) خود امام شوکانی رحہ بھی اسی صدی کے ہیں۔ جن کا غیر مقلد ہونا آپ بھی اپنے رسالہ میں مانتے ہیں۔ نیز اس صدی کے لیے کتاب "نیل الوطری" دیکھیں تو بے شمار ایسے لوگ ملیں گے جو کسی کے مقلد نہیں تھے اور چودھویں صدی میں تو لاتعداد ہم نے اور آپ نے دیکھے ہیں۔ نواب صاحب "التاج ص۵۱۰ میں راشد بن علی النعاکی کو ذکر کیا ہے اخود نواب صاحب ان کا والد بھائی صاحب زادہ اسی صدی کے ہیں اور "التاج المکلل" میں سب کا ترجمہ مذکور ہے ۔ ایضاً سید نذیر حسین دہلوی اسی صدی کے ہیں اور علامہ محمد حسین بٹالوی کو آپ بھی غیر مقلد مانتے ہیں۔ وہ بھی اسی صدی کے ہیں۔ اب بھی دنیا میں کروڑوں لاتعداد اہل حدیث غیر مقلدین موجود ہیں۔ لہٰذا آپ کا یہ دعویٰ بالکل غلط و فاسد ہے۔

قولہ ص۹۹ سطر۱۳ "اور امام بخاری اور داؤد ظاہری اور ابن جریر وغیرہم اگر یہ حضرات درجہ اجتہاد رکھتے ہوں) مگر دنیا میں ان کا مذہب نہیں چلا اور نہ ان کے بعد امت میں ان کی تقلید کا سلسلہ قائم ہوا۔"

اقول :۔ ان کا مذہب صرف حدیث ہے اور کتب حدیث کے مدون ہونے سے ان کا مذہب مدون ہو گیا اور اہل حدیث بحمد اللہ حدیث کے متبع ہیں باقی ائمہ حدیث نے نہ نیا مذہب بنایا نہ اپنی تقلید کا حکم دیا۔

قولہ ص۹۹ سطر۱۵ "اور نہ ان حضرات نے اپنے بعد کوئی ایسا اجتہادی کارنامہ چھوڑا جسے امت کے علماء و صلحاء اپنا دستور العمل قرار دے سکیں۔"

اقول :۔ ان کا اجتہادی کارنامہ کتب حدیث ہیں جن کے ابواب تراجم ان کے اجتہاد و استنباط کا پتا دیتے ہیں۔ جان کو دستور العمل نہ بناتے وہ علماء و صلحاء میں سے کب ہے۔

قولہ ص۹۹ سطر ۱۷ "صحیح بخاری جس کی اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہونے پر اُمت کا اجماع ہے اور جس کی صدہا شرح لکھی گئی ہیں مگر باوجود اس جلالت شان کے دنیا میں صحیح بخاری کا کوئی شارح امام بخاری کا مقلد نہیں ہے۔

اقول :۔ صحیح بخاری مقلد بنانے کے لیے نہیں لکھی گئی ہے بلکہ علماء کے لیے اجتہاد و استنباط کا طریقہ آسان کرنے کے لیے لکھی گئی ہے البتہ اس کی موافقت کئی شارحین نے کی ہے۔ نہ کہ تقلیداً بلکہ اس کے اجتہاد و استنباط کو صحیح سمجھ کر چنانچہ امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ

"ما تحت هذه اديم السماء اعلم بالحديث من محمد بن اسماعيل البخاري" (معرفة علوم الحديث للحاكم ص۱۷۴)

اس آسمان کے نیچے امام بخاری سے زیادہ علم حدیث جاننے والا کوئی نہیں ہے۔

علامہ علی قاری نقل کرتے ہیں کہ امام غزالی جب فوت ہوئے تو ان کے سینہ پر صحیح بخاری رکھی ہوئی تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اخیر میں سب خیالات کو چھوڑ کر بخاری شریف کی طرف رجوع کیا (التاج المکلل ص۳۸۹)

قولہ ص۹۹ سطر ۱۹ "صحیح بخاری کا شارح کوئی حنفی ہے" الخ

اقول :۔ یہ کل دعوی صحیح نہیں۔ ثانیاً کئی جگہ پر شراح نے امام بخاری کے مسائل کو ترجیح دی ہے اور ابواب و احادیث میں تطبیق دینے کی کوشش کی ہے اور جا بجا جہاں امام بخاری پر

اعتراض وارد کیے گئے ہیں وہاں ان کی طرف سے کافی مدافعت کی ہے یہ بات کسی عالم سے مخفی نہیں ہے۔

قولہ صفحہ ۱ سطر ۱۰ "اور جس جگہ بھی امام بخاری نے ائمہ اربعہ سے کسی امام کے خلاف کوئی مسلک اختیار فرمایا تو ہر شارح نے اپنے اپنے متبوع کی طرف سے امام بخاریؒ کے استدلال کا کافی اور شافی جواب دیا ہے" الخ

اقول :۔ اکثر شراح نے اس کے برعکس کیا ہے۔ فتح الباری کو لیجئے جس کے مصنف حافظ ابن حجر کو مقلدین اپنے نمبر بڑھانے کی خاطر شافعی المذہب کہتے ہیں خود اس نے اپنی شرح میں کئی مسائل میں امام شافعی رحمہ اللہ کو رد کیا ہے۔ ہاں یہ کلام علامہ عینی حنفی نے کیا ہے۔ جواب نمبر ۳ نیز انہی نے لیکن اپنی شرح "عمدۃ القاری" میں حنفیت کی پوری حمایت کی ہے حتیٰ کہ مولوی عبدالحی لکھنوی حنفی بھی اس کے متعلق مجبوراً کہہ گئے کہ

ولو لم یکن فیہ رائحۃ التعصب المذھبی لکان اجود واجود

(الفوائد البہیۃ ص ۲۰۸)

اگر علامہ عینی میں مذہبی تعصب کی بو نہ ہوتی تو بہت ہی اچھا ہوتا۔

قولہ ص سطر ۵ "اور دلائل و براہین سے اپنے امام کے قول کو ترجیح دی"

اقول :۔ دلائل کی چھان بین کرنا اور ان سے ایک قول کو دوسرے پر ترجیح دینا مجتہد کا کام ہے نہ مقلد کا۔ تو پھر یہ مقلد نہ ہوئے اور آپ کا دعویٰ خود آپ ہی کے کلام سے باطل ہوا۔

قولہ ص ۱ سطر ۷ "نیز صحیح بخاری میں احکام شریعت کا اس قدر ذخیرہ موجود نہیں کہ ان کی تقلید کرنے والا فقہ حنفی اور فقہ مالکیؒ اور شافعیؒ سے بے نیاز ہو سکے"

اقول :۔ اہل حدیث بخاری کے مقلد نہیں بلکہ وہ حدیث کے متبع ہیں جو اتباع دلیل ہے

نہ کہ تقلید۔ سو صرف بخاری نہیں حدیثوں کی بے شمار کتابیں ہیں۔ ان کو جو مسئلہ دریافت طلب ہو گا وہاں مل سکتا ہے اور وہ بلا شک ان فقہوں سے بے نیاز ہیں۔ ہاں جو بات ان فقہی کتابوں میں مدلل ہے اور دیکھنے والا اس دلیل کو صحیح اور اس سے استدلال کو درست سمجھتا ہے تو اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ مدلل قول کا اخذ تقلید نہیں۔

قولہ صفحہ ۱۱ "جو لوگ ائمہ اربعہ کی تقلید سے گھبراتے ہیں تو کیا امام بخاری کی تقلید کر کے صحیح بخاری کو اپنا دستور العمل قرار دینا چاہتے ہیں تو یہ بتلائیں کہ جب ایسے واقعات پیش آئیں اور آتے ہیں جس کی بابت صحیح بخاری میں کوئی حکم نہیں الخ۔

اقول: وہ تقلید سے نہیں بلکہ جہالت سے گھبراتے ہیں، کیونکہ باتفاق اہل علم تقلید علم نہیں ہے۔ کما مضیٰ۔ نیز وہ بخاری کے مقلد نہیں بلکہ وہ حدیثوں سے مسئلہ دریافت کرتے ہیں۔ البتہ بخاری کی حدیثیں مقدس ہیں جس سے کسی کو اختلاف نہیں۔ اور یہ غلط ہے کہ وہ فقہ کو مانتے ہیں بلکہ وہ ہر مسئلہ کا جواب دلیل مانتے ہیں۔ اگر کسی فقیہ کی کتاب میں کوئی مسئلہ مدلل مل گیا تو وہ اتباع روایت ہے نہ رائے۔

قولہ صفحہ ۱۱ "نیز صحیح بخاری میں بہت سے مسائل اور احکام وہ ہیں جن کو آج کل کے غیر مقلد حضرات نہیں مانتے۔"

اقول: امام بخاری یا اور کسی امام کی اپنی رائے سے اختلاف کر سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ غیر مقلد ہیں لیکن حدیث نبوی سے اختلاف وہ ہرگز نہیں رکھ سکتے کیونکہ وہ اہل حدیث ہیں۔ ہاں! مقلدین کے لیے عمل بالحدیث مشکل ہے "کانما یصعد فی السماء" کیونکہ منصب کا چھوڑنا لازم آتا ہے۔ باقی جو دو مسئلے آپ نے لکھے ہیں۔ ان پر کلام ابھی ہو گا۔

قولہ صفحہ ۱۲ "جیسے تین طلاقوں سے حرمت مغلظہ کا حاصل ہونا۔

اقول: بخاری میں کوئی ایسی حدیث نہیں کہ بیک وقت تین طلاقیں تین ہی شمار ہوئی ہیں۔ اگر ایسے صریح الفاظ دکھائیں تو منہ مانگا انعام لیں۔ ایضاً صحیح مسلم شریف والی روایت جس میں صریح وصاف الفاظ ہیں کہ بیک وقت تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھیں۔ پس اہل حدیث سب حدیثوں پر عمل کرتے ہیں نہ یہ کہ جو اپنے مذہب کے موافق نظر آئی لے لیا اور جو خلاف نظر آئی اس کو چھوڑ دیا۔ استغفراللہ۔

قولہ صفحہ ۱۳ "اور چار عورتوں سے زیادہ نکاح کا حرام ہونا غیر مقلدین کے نزدیک چار عورتوں سے بھی زیادہ نکاح درست۔"

اقول:۔ یہ کھلا بہتان اور افتراء ہے۔ کوئی اہل حدیث چار سے زیادہ اکٹھی عورتوں کو جائز نہیں جانتا۔ سب مسلمان اس پر متفق ہیں۔ علامہ عینی حنفی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری "باب لا یتزوج اکثر من اربع" کے تحت لکھتا ہے کہ

"ھذا الاختلاف فیہ بالاجماع" (عمدۃ القاری صفحہ ۱۰۷ ج ۲۰ منیریہ)

اس حکم میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اجماع ہے۔

وھکذا فی فتح الباری صفحہ ۱۳۹ ج ۹ وتفسیر ابن کثیر صفحہ ۴۵۱ ج ۱۔ اور امام ابن حزم ظاہری "المحلی" صفحہ ۴۴۱ ج ۹ میں لکھتے ہیں کہ

"وایضاً فلم یختلف فی انہ لا یحل لاحد زواج اکثر من اربع نسوۃ احد من اھل الاسلام وخالف فی ذالک قوم من الروافض۔"

چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح کسی کے لیے حلال نہیں اس میں کوئی ایک مسلمان بھی خلاف نہیں البتہ رافضیوں کی ایک قوم اس کے خلاف ہے۔

ناظرین !! امام ابن حزم کا یہ قول ان لوگوں کی تکذیب اور تردید کرتا ہے جو کہ بعض ظاہریہ کی طرف ایسی نسبت کرتے ہیں۔ امام شوکانی "السیل الجرار" میں لکھتے ہیں کہ

"والنقل عن الظاھریۃ لم یصح فانہ قد انکر ذالک منھم من ھو اعرف بمذھبھم اھ"

ظاہریہ کی طرف یہ نسبت صحیح نہیں کیوں کہ ان کے مذہب کا جو سب سے زیادہ جاننے والا ہے اس نے بھی انکار کیا ہے۔

وھکذا فی تفسیر محاسن التاویل صفحہ ۱۱۱۶ ج ۵ والروضۃ الندیۃ للنواب صفحہ ۲۵ ج ۲ ۔ پس اہل حدیث نے اس کو جائز نہیں کہا ہے کسی ایک کا تو نام لیں ورنہ سنیں!

قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ " والذین یرمون المؤمنین والمؤمنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بھتانا واثما مبینا" (الاحزاب ع، پ ۲۲) البتہ ابراہیم نخعی جو کہ حنفیہ کا سرخیل سمجھا جاتا ہے۔ ان سے نو عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا جائز منقول ہے کما فی فتح القدیر شرح الھدایہ صفحہ ۳۶۹ ج ۲)

قولہ صفحہ ۱۵ سطر ۱۵ " اور تین طلاقوں سے ایک طلاق واقع ہونے کے قائل ہیں جو صریح کتاب و سنت اور اجماع صحابہؓ اور اجماع ائمہ اربعہ کے خلاف ہے "

اقول : خود آپ کا حنفی محمد بن مقاتل جس کا ترجمہ الجواہر المضیئہ فی طبقات الحنفیہ للقرشی صفحہ ۱۳۳ ج ۲ اور " الفوائد البھیہ فی تراجم الحنفیۃ لکھنوی" صفحہ ۲۰۱ میں مذکور ہے۔ وہ بھی اسی کا قائل ہے۔ دیکھو اغاثۃ اللھفان لابن القیم صفحہ ۳۲۲ ج ۱ اب اس کو لامذہب کہیں گے ؟ اور اجماع اربعہ کا دعویٰ بھی غلط ہے۔ کیونکہ ابن القیم نے " اغاثہ" میں لکھا ہے کہ امام مالکؒ بھی ایک روایت میں اس کا قائل ہے۔ اور مالکی مذہب کے کئی علماء اس پر فتویٰ دیتے تھے۔ اسی طرح بعض حنبلیہ بھی دیتے تھے۔ نیز صحابہ

میں ابن مسعود زبیر عبدالرحمٰن بن عوف اور ابن عباس رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے حسن بصری سعید بن جبیر طاؤس ابو الشعثاء عطاء اور عمرو بن دینار سے روایتیں ذکر کی ہیں۔ خود امام احمدؒ سے بھی ایک روایت ہے کہ) نیز "اغاثہ" میں یہی مذہب خلاس بن عمر امام المغازی محمد بن اسحاق امام اسحاق ابن راہویہ اور رائمہ ابن وضاح ابن زنباع قرطبی محمد بن بقی بن مخلد محمد بن عبدالسلام الخشنی اصبغ بن الحباب اور داؤد سے نقل کیا ہے۔ یہی فتویٰ مفسر قرآن حافظ ابن کثیرؒ کا ہے کما فی شذرات الذہب صفحہ ۲۳۲ ج ۶)

مزید تفصیل کے لیے اغاثۃ اللہفان اعلام الموقعین لابن القیم اور نیل الاوطار للشوکانی اور سبل السلام للامیر الیمانی کی طرف رجوع کریں۔

قولہ صفحہ ۱۱ سطر ۱۶ "غیر مقلدین کا کوئی مذہب اور مسلک متعین نہیں ہے۔"

اقول :۔ ان کا مذہب صرف اتباع دلیل قرآن وحدیث ہے۔ کیا اسی کو آپ لا مذہبیت کا نام دیتے ہیں۔ حدیث وقرآن کو چھوڑ کر اپنی رائے وقیاس پر عمل کرنا کیا عین مذہب ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپکا حسن کرشمہ ساز کرے

قولہ صفحہ ۱ سطر ۱۷ "ایک ہی مسئلہ میں ایک ہی عالم کے مختلف فتوے ہیں"

اقول :۔ یہی حال صحابہ تابعین اور جمیع سلف کا ہے ہر ایک اپنی تحقیق کے لحاظ سے خیالات بدلتا رہتا ہے۔ کیا اس کو آپ عیب سمجھتے ہیں؟ تو بتائیے کہ چاروں اماموں سے ایک ایک مسئلہ میں مختلف اقوال فقہی کتابوں میں منقول ہیں۔ ان کے لیے کیا خیال ہے؟

قولہ صفحہ ۱۱ سطر ۱۹ "ہر غیر مقلد اپنی رائے کا پابند ہے" الخ

اقول :۔ یہ حال مقلدین کا ہے جب کہ خود معترف ہیں کہ ہم مقلدین اجتہاد وتحقیق کی

طاقت نہیں رکھتے ہیں۔ پھر بھی جس امام کو چاہیں اس کی تقلید کر لیتے ہیں جب وہ مقلد ہیں اور تحقیق سے عاری ہیں۔ تو پھر ان کو کیا خبر کہ فلاں امام بہ نسبت فلاں امام کے اتباع کا زیادہ مستحق ہے۔ لہٰذا اپنی رائے سے کسی ایک کا انتخاب کرتے ہیں۔ لیکن اہل حدیث پر یہ سراسر بہتان ہے۔ وہ تو صرف قرآن وحدیث سے مسائل لیتے ہیں پھر وہ کسی بھی امام کا قول ہو صحیح

رضینا قسمۃ الجبار فینا

وہ نہ بخاری کے مقلد ہیں نہ ترمذی کے نہ کسی اور کے وہ تو متبع قرآن وحدیث ہیں۔

قولہ ص۱۱۰ سطر ۱ "کیا مذاہب اربعہ بدعت ہیں"

اقول: جب یہ مسلم ہے کہ ان کا وجود نہ عہد نبوی میں تھا نہ صحابہؓ کے زمانہ میں بلکہ کئی صدیوں تک ان کا وجود نہ تھا تو پھر ان کے بدعت ہونے میں کیا شبہ رہا۔ لیکن مصنف رسالہ نے جو کچھ اس عنوان کے تحت لکھا ہے۔ اس پر ہم مفصل بحث کرتے ہیں۔

قولہ ص۱۱۰ سطر ۷ "حضرات شیعہ کی طرح (الی قولہ) حضرات اہل علم منہاج السنہ کی مراجعت فرمائیں۔

اقول: منہاج السنہ کے خلاصہ المنتقی للذہبی ص۱۵۱ میں عبارت اس طرح ہے کہ

اما المذاهب فان ارادوا انهم انفردوا على احد انها مع مخالفة الصحابة فهذا كذب عليهم فان الاربعة لم يكونوا فى وقت واحد ولا كان فيهم من يقلد الآخر ولا من امر الناس باتباعه بل كل منهم يدعوا الى متابعة الكتاب والسنة ويرد على صاحبه وان قلت ان الناس قد

اتبعوا الاربعة فهذا امر اتفاقی ... والاربعة لم یخترعوا علما لم یکن بل جمعوا العلم فاضیف ذالك الی الواحد منهم کما تضاف کتب الحدیث الی من جمعها کالبخاری ومسلم وابی داود وکما تضاف القرأت الی من اختارها کنافع وعاصم ثم لم یقل اهل السنة ان اجماع الاربعة حجة معصومة ولا ان الحق منحصر فی قولهم وان ما خرج عنهم باطل والمجتهدون یتنازعون ویختلفون فی فهم کلام الرسول۔

مذاہب سے اگر شیعہ کی یہ مراد ہے کہ وہ صحابہ کی مخالفت کے ساتھ انھوں نے ان کا احداث کیا ہے تو یہ جھوٹ ہے کیوں کہ چاروں امام ایک زمانہ میں نہ تھے اور نہ ایک دوسرے کا مقلد تھا اور نہ کسی نے لوگوں کو اپنے اتباع کا امر کیا بلکہ سب قرآن وحدیث کی متابعت کی طرف دعوت دیتے تھے۔ اور اسی کے ماتحت ایک دوسرے کی تردید کرتے تھے (پھر انھوں نے کیسے مذاہب کا احداث کیا) اور اگر تو کہے گا کہ لوگ ان چاروں کے متبع ہو گئے تو یہ اتفاقی امر ہے (نہ کہ انھوں نے کہا ہے) اور چاروں نے ایسے علم کا اختراع نہیں کیا جو تھا ہی نہیں۔ بلکہ انھوں نے علم کو جمع کیا اگر کسی کی طرف اس کا جمع کیا ہوا علم منسوب ہوا تو ایسا ہی تھا جیسے کتب حدیث ائمہ کی طرف منسوب ہیں مثلاً بخاری، مسلم، ابوداؤد جیسے قراءتیں نافع اور عاصم کی طرف منسوب ہیں اور اہل السنۃ یہ نہیں کہتے کہ چار اماموں کا

اجماع حجت معصومہ ہے۔ یا انہی کے قول ہیں حق منحصر ہے اور جو ان سے باہر ہے وہ باطل ہے۔ بلکہ مجتہدین کلام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سمجھنے میں مختلف رہے۔

ناظرین! ثابت ہوا کہ شیخ الاسلام خود ان مذاہب کے محدث ہونے کا قائل ہے اور ان کو حجت یا ان میں حق کو دائر یا بند نہیں کہتے۔ بلکہ دراصل شیعوں کے اس بہتان کی تردید کی ہے کہ ان مذاہب کو ائمہ اربعہ یا اہل السنتہ نے نکالا ہے اور ثابت کیا کہ ان چاروں کا اتباع اتفاقی امر ہے نہ کہ یہ اہل السنتہ کا عقیدہ ہے۔ فتدبر۔ اور شیخ الاسلام کے اس قول سے آپ کا یہ کہنا کہ "اہل السنتہ والجماعۃ ان چار مذاہب میں محدود ہو گئی" بھی غلط ہو گیا۔ نیز آپ کے قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور شیخ ابن الھمام کے حوالہ سے لکھنا کہ "اس امر پر اجماع ہو گیا ہے کہ جو مذاہب اربعہ کے خلاف ہوگا۔ اس پر عمل نہیں کیا جائے گا" بھی باطل ہو گیا کیونکہ شیخ الاسلام نے تصریح کر دی کہ یہ اہل السنتہ کا مذہب ہی نہیں۔

قولہ ملتانی "عہدِ صحابہ میں اگرچہ یہ مذاہب اربعہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی نہ تھے تابعین اور تبع تابعین میں ان کا ظہور ہوا" الخ

اقول : یہی ان کے بدعت ہونے کا بین ثبوت ہے۔ ایضاً تابعین یا تبع تابعین کے زمانہ میں بھی ان کا ظہور قطعاً نہیں ہوا۔ بلکہ بقول شاہ ولی اللہ مسلسل چار سو سال تک کسی مذہب کی پابندی نہ تھی عجب تو یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ مالک شافعی اور احمد تو قطعاً تابعین سے متاخر ہیں خود امام ابو حنیفہ کو بھی صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت حاصل نہیں کما مر پس ان کے مذاہب تابعین یا تبع تابعین کے زمانہ میں کیسے ظہور پذیر ہوئے۔ ایسے سفید جھوٹ سے علماء کو پرہیز کرنا چاہیے۔ ایضاً ان مذاہب کو قراءتوں پر قیاس کرنا بھی صحیح نہیں کیونکہ یہ تو روایت ہے

جو سلسلہ وار اسانید کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہیں۔ امام ابن حزم نے اس فن کے متعلق ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور عنوان یہ رکھا ہے کہ

"القرآت المشهورة الاتية مجئي التواتر"

پھر اصحاب قرات عبداللہ بن کثیر الداری نافع بن ابی نعیم عاصم بن ابی النجود حمزہ بن حبیب الاعمش الکسائی ابو عمرو یعقوب بن اسحاق الحضرمی اور عبداللہ بن عامر کی قراتوں کی سندیں نقل کی ہیں۔ جو صحابہ تک پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتی ہیں اور برعکس اسکے تقلید یا حنفی یا شافعی یا مالکی یا حنبلی کی ایسی کوئی سند نہیں ملتی فاین هذا من هذا۔ نیز اس کا قیاس احادیث پر بھی درست نہیں۔ اس لیے کہ کتب احادیث میں بھی سند موجود ہے۔ ایک ایک حدیث صحابہ تک پہنچتی ہے اور وہ مرفوعاً نقل کرتے ہیں۔ نیز خود صحابہؓ کے زمانہ میں حدیث کا دور دورہ تھا۔ سناتے سنتے اور اس پر عمل کرتے تھے۔ اسی طرح تابعین پھر تبع تابعین کے زمانہ میں وَهلُمّ جراً اور تقلید اور سان مذاہب کے لیے ایسا ثبوت نہیں ہے فافترقا۔ فلا قیاس عند القائلین به ایضا۔ آپ نے مناسبت بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ

"پس جس طرح بخاری اور مسلم کی طرف حدیث کی نسبت باعتبار تخریج"
"اور اسناد ہے اور عاصم اور حمزہ کی طرف کسی قراوت کی نسبت باعتبار"
"روایت ہے اسی طرح امام ابو حنیفہ رح اور امام شافعی کی نسبت اختیار کرنا"
"باعتبار استنباط اور اجتہاد ہے" (صلاۃ ۱۷ دالی، ص۱۰۲ سطر ۲)۔

روایت اور اسناد تو ثبوت کی دلیل ہے جس کی سند نہیں وہ بے ثبوت ہے اور بے ثبوت چیز کو ثابت چیز پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ "اور" باعتبار استنباط اور

اجتہاد" کی تشریح مصنف یوں کرتا ہے۔

"یعنی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے یہ معنی بیان فرمائے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے"

"یہ معنی بیان کیے اصل مقصود حق تعالےٰ اور اس کے رسول برحق کی اطاعت ہے"

"اور ائمۂ مجتہدین کی اتباع کے یہ معنی ہیں کہ ان حضرات کی تشریح و تفسیر"

"کے مطابق کتاب و سُنت پر عمل کرنے کے ہیں" ص۱۰۲ س۲

لیکن کیا خبر کہ کس کی فہم صحیح ہے؟ جس کو حسن ظن کی بنا پر بلا تحقیق چاہے لے لے۔ یہ تقلید ہے یہ سلف کا معمول نہ تھا۔ بعد کی پیداوار اور محدث چیز ہے نہ صحابہؓ کا اس پر عمل تھا نہ تابعین کا اور اگر یہ مراد ہے کہ جس کی فہم صحیح ہو گی اور جس کی دلیل قوی اور استدلال درست ہے اس کو لیں گے تو یہ اجتہاد ہو گا۔ کیونکہ دلیل کی قوت معلوم کرنا اور دال و مدلول میں توافق کا جاننا اجتہاد ہے نہ کہ تقلید۔ فاختر ایھما شئت۔ اور اس سے آپ کا یہ کہنا بھی غلط ہوا کہ "اور ظاہر ہے کہ کسی راسخ فی العلم کی تفسیر اور تفہیم کے مطابق احکام شریعت کا اتباع کرنا عین ہدایت ہے اور عین رشد و سعادت ہے" اس لیے کہ راسخ فی العلم کا پتا بھی مجتہد کو لگے گا نہ کہ مقلد کو اور مدلل قول کا اتباع بھی تقلید نہیں۔ بلکہ اتباع ہے۔ جو محمود ہے۔ اور تقلید مذموم ہے۔

قولہ ص۱۰۳ س۷ "پھر کیا وجہ کہ بخاری اور مسلم کی طرف نسبت تو جائز ہے اور ابو حنیفہ رح اور شافعی رح کی طرف شرک ہے"

اقول۔ سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس میں اتباع الروایت ہے اور اس میں اتباع الرائے ہے۔

قولہ۱۰۲ سوال ۹ "پس جس طرح بخاری اور مسلم اور صحاح ستہ کی احادیث لسان نبوت کے موتی ہیں اسی طرح فقہ حنفی اور فقہ شافعی دریا و دین محمدی کی نہریں ہیں دونوں نہروں کا پانی ایک ہی دریا سے آ رہا ہے۔"

اقول:۔ لیکن مقصود موتی ہیں۔ اور جس نہر میں موتی نہیں آئے وہ کس کام کی۔ اس لیے ان غواصوں کا کام ہے کہ دیکھیں کہ کس نہر میں دریائے محمدی کے موتی ہیں۔ گویا یہ بھی مقلد کا کام نہیں بلکہ غیر مقلدین مجتہدین کا کام ہے کہ وہ تحقیق کر کے دیکھیں کہ کس فقہ کا کونسا مسئلہ حدیث شریف سے موافق ہے۔ تقلید کے بطلان کے لیے یہی کافی ہے۔ ثانیاً دریا سے کئی نہریں نکلتی ہیں لیکن آگے چل کر وہ مکدر بھی ہو سکتی ہیں۔ اور بسا اوقات پانی قابل استعمال بھی نہیں رہتا۔ کیا ان نہروں کی بابت آپ ایسی ضمانت دے سکتے ہیں؟ کیا مقلد ایسی ضمانت دے سکتا ہے؟ جو کہ تحقیق سے بالکل بے بہرہ ہے۔ ثالثاً قدرت نے دو پانی بنائے "عذب فرات" (میٹھا لذیذ) اور "ملح اجاج" (نمکین اور کھارا) حالانکہ دونوں کا اصل ایک ہے باوجود اس کے طبائع مختلف ہیں اس لیے ہر ایک تحقیق کر کے استعمال کرے گا۔

قولہ۱۰۳ سوال "لہٰذا یہ اعتراض کرنا کہ مقلدین اپنے آپ کو حنفی اور شافعی کیوں کہتے ہیں" الخ

اقول:۔ یہ قیاس بھی غلط ہے۔ کیونکہ آدمی و صدیقی نام نسبی ہیں اور دہلوی ہندوستانی وطنی ہیں۔ ان میں بحث نہیں۔ مذہبی ناموں میں بحث ہے۔ سو دراصل امام مذہب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور محمدی نام درست ہے۔ اگر کسی دوسرے کی طرف مذہبی نسبت درست ہوتی تو صحابہؓ کے زمانہ میں صدیقی فاروقی عثمانی اور علوی نام ہوتے اور تابعین کے زمانہ میں ان کے علاوہ ابن عباسؓ ابن مسعودؓ ابن عمرؓ وغیرہم کے نام ہوتے۔ بلکہ صحابہؓ ایسی نسبتوں کو ہی ناپسند جانتے تھے۔ چنانچہ ابن عباسؓ نے صاف کہا کہ

"ما انا بعلوی ولا عثمانی ولکنی علی ملة محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"۔ (الاحکام لابن حزم ص۱۱۱ ج۶)

"میں نہ علوی ہوں نہ عثمانی ہوں تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت پر ہوں"
اس سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہ محمدی تھے دوسروں کی طرف نسبتوں کو برا سمجھتے تھے۔
بلکہ ملت کا لفظ بتاتا ہے کہ جس کی ملت ہو اسی کی طرف نسبت ہو سکتی ہے۔ ائمہ ابوحنیفہ، شافعی اور مالک وغیرہ کی الگ ملتیں نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کی طرف نسبت بھی صحیح نہ ہوئی۔ ہاں اگر چار ملتیں قرار دیں تو اور بات ہے۔ "فانها لاحدی الکبر"

قولہ ص۱۶۰: "اور مسائل اجتہادیہ میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ایسا ہے جیسا کہ صحت اور علت میں ائمہ حدیث کا اختلاف ہے"

اقول:۔ اور دونوں کا حکم ایک ہے جس کی بات مدلل ہو اور استدلال صحیح ہو لی جائے اور یہ تحقیق ہے تقلید نہیں۔

قولہ ص۱۶۱: "اور جس طرح موصول اور مرسل اور مرفوع اور موقوف اور صحیح اور حسن وغیرہ وغیرہ یہ اصطلاحات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھیں۔ لیکن ائمہ حدیث نے حسب ضرورت زمانہ کلمات نبوی اور احادیث کے الفاظ کی حفاظت کے یہ اصطلاحیں وضع کیں" الخ

اقول: اصطلاحوں کے اسماء میں اختلاف نہیں۔ اور مجمع علیہ چیز مدلل ہے جس کا اخذ تقلید نہیں لیکن جہاں کسی چیز کو ایک نام دینے یعنی صحیح یا ضعیف کہہ دینے میں اختلاف ہے۔ وہاں یہ حکم ہے: "فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول" یعنی تحقیق کی جاتی ہے اور تقلید کا نشان ہی اسلام میں نہیں ہے۔

قولہ ۱۰۳ ص ۵ "پس جس طرح قواعد محدثین کی پابندی اور اتباع واجب ہے" الخ

اقول :- پابندی اس حد تک واجب ہے۔ جب متفق ہوں۔ جہاں اختلاف ہوگا سب کا ترک لازم آئے گا۔ اور تحقیق کر کے مدلل کو لیا جائے گا۔

قولہ ۱۰۳ ص ۱ "اور ہر کس و ناکس کو اس کی ہرگز اجازت نہیں کہ قرآن و حدیث کا ترجمہ دیکھ کر جو چاہے معنی سمجھے اس پر عمل کرے" الخ

اقول :- ہر ایک اپنی وسعت تک مکلف ہے "لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا" جتنا قرآن و حدیث کو سمجھے اس پر عمل کرے اور جو نہیں سمجھتا تو اس کو اتنا ہی کافی ہے کہ "کل من عند ربنا" (آل عمران ع پ۳) کونسا عالم یا امام ہے جو سب احکام جانتا ہو۔ "وفوق کل ذی علم علیم" بلکہ ہر ایک حسب استعداد حکم کرے گا اور عمل کرے گا کیا ان چار اماموں سے استنباط اور اجتہاد میں غلطیاں نہیں ہوئیں۔ کیا وہ معصوم تھے؟ اگر نہیں تو پھر ان کو کیوں آیات اور احادیث پر عمل کی اجازت دی جاتی ہے بلکہ ہر ایک کو یہی حکم ہے کہ حسب فہم و ذکاء استنباط کرے۔ البتہ اس کو خلوص نیت کی ترغیب دی جائے لیکن ہم نے دیکھا ہے کہ مقلد کی نیت خالص نہیں ہوتی۔ کیونکہ کتنی بھی حدیث اس کے امام کے خلاف اور صراحۃً معارض ہوتی ہیں۔ مگر پھر بھی اس کو ماننے یا اس پر عمل کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا ہے۔ ہاں غیر مقلد فی الفور اس کو قبول کر لیتا ہے۔

قولہ ۱۰۳ ص ۱۱ "اگر اصول فقہاء کی پابندی ضروری نہیں تو اصول حدیث کی بھی پابندی ضروری نہیں ہوگی"

اقول :- متفق علیہ یا مختلف فیہ؟ ایضاً اصول حدیث اس لیے ہے کہ صحیح حدیث پر عمل کیا جائے اور غیر صحیح سے بچا جائے۔ لیکن اصول فقہ سیکھنے کا مطلب بتائیں۔ اگر اس کا

مقصد یہ ہے کہ قرآن و حدیث سے احکام لینے کا طریقہ معلوم ہو تو پھر یہ تو اجتہاد کی تعلیم ہے۔ آپ خواہ مخواہ تقلید پر کیوں زور دیتے ہیں۔ آپ کو چاہیے کہ اصول فقہ سے لوگوں کو منع کر دیں۔ اگر ان کو اس کی ترغیب دیتے اور پڑھاتے ہیں تو ان کو اجتہاد کی اجازت دیں۔ کیوں تقلید کا حکم دیتے ہیں جو اصول مجتہدین کے کام کا ہے اور ان کے قابل استعمال نہیں اس کی ان کو کیا ضرورت؟

قولہ صفحہ ۱۰۳ سطر ۱۴ ۔ اور جس طرح ائمہ حدیث کی مساعی جمیلہ پر اطمینان کر کے (الی قولہ) اسی طرح ائمۂ مجتہدین کے تفقہ اور استنباط اور خداداد نور فہم اور فراست پر اعتماد کر کے الخ۔

اقول :۔ مجرد اعتماد بلا دلیل نہیں۔ بلکہ ہر اصل دیکھا جاتا ہے جو صحیح ہو اس کو لیا جاتا ہے۔ کیا اصولیوں میں اختلاف نہیں؟ ضرور ہے اور اختلاف کے وقت تحقیق کا حکم ہے اور بلا تحقیق کوئی چیز قابل اعتماد نہیں۔ یہی مسلک اہل حدیث ہے۔ اور حدیث کی صحت معلوم کرنا لازمی ہے جس سے مسائل لیے جاتے ہیں لیکن مسائل ماخوذہ محتاج تحقیق ہیں کہ آیا مدلل ہیں یا نہیں۔

قولہ صفحہ ۱۰۳ سطر ۱ ۔ ان دونوں تقلیدوں میں اگر فرق ہے تو بتلایا جائے کہ جس بناء پر محدثین کی تقلید تو فرض اور واجب ہو گئی۔ اور فقہاء کی تقلید شرک اور حرام ہو گئی۔

اقول :۔ اولاً دونوں تقلیدیں نہیں۔ فقہاء کا استنباط بلا دیکھے دلیل مان لینا تو تقلید ہے۔ اور محدثین حدیثیں پیش کرتے ہیں جن کی تصحیح کر کے قبول کرنا تقلید نہیں ہے کیونکہ یہ اتباع روایت ہے رائے نہیں۔ ثانیاً یہی بناء ہے محدثین کی حدیثیں لینے اور فقہاء کی بات نہ لینے کی۔ فتدبر۔

قولہ صفحہ ۱۰۳ سطر ۴ ۔ "حق تعالیٰ کی کروڑا کروڑ رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں حضرات محدثین پر اور حضرات فقہاء پر کس نے ہم نابکاروں کو روایت پہنچائی اور کس نے درایت اور معانی و احکام روایت۔"

اقول :۔ لیکن یہ کس نے ہم پر ظلم کیا جو اپنی فہم و ذکاء اور فراست کو استعمال کرنے سے ہم کو محروم کر دیا۔ روایتوں کے پہنچنے کے بعد ہم پر حق ہے کہ تحقیق کر کے ان میں سے صحیح کر لیں۔ اور ضعیف کو ترک کر دیں۔ اسی طرح درایت پہنچنے کے بعد کوشش کریں جو حق ہو اس کو لیں۔ اور جو باطل ہو چھوڑ دیں۔ یہ سب اجتہاد و تفقہ ہے" الخ

قولہ صفحہ ۱۳ سطر ۷ "جس طرح ہم ائمہ قرات اور ائمہ تفسیر دونوں ہی کے زرخرید غلام ہیں۔

اقول :۔ ہم غلام صرف خدا کے ہیں کسی دوسرے کے نہیں اور قراتیں تو متواتر ہیں سندیں مذکور ہیں۔ راویوں کا حال معلوم ہے پس یہ اتباع روایت ہے نہ رائے اور مفسرین کے اقوال جہاں متفق ہیں تو یہ اخذ بالاجماع ہے اور جہاں اختلاف ہے تحقیق ہی قاضی ہو گی اسی طرح محدثین و فقہاء سے سلوک ہو گا۔ جو روایت صحیح محدثین پیش کریں گے لی جائے گی۔ اور ضعیف ترک کی جائے گی اور فقہاء کا تفقہ جو دلیل سے موافق ہو گا لیا جائے گا اور مخالف مطروح ہو گا۔ غرض کوئی حق بات بغیر اجتہاد حاصل نہیں ہو سکتی اور تقلید حق کے حاصل کرنے کا طریقہ یا ذریعہ نہیں ہو سکتا ہے۔ بلاشک محدثین نے احادیث جمع کیں۔ فقہاء نے استنباط کا طریقہ ظاہر کیا۔ لیکن بعد میں آنے والوں کو کس نے رد کا۔ اور ستنباط سے محروم کیا اور خداداد فہم و فراست کے استعمال سے منع کیا۔

قولہ صفحہ ۱۳ سطر ۱۷ "ائمہ اربعہ کی تقلید پر امت کا متفق ہونا خداداد مقبولیت کا ثمرہ ہے۔

اقول :۔ یہ سارا عنوان لایعنی ہے کیونکہ پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ اس پر اجماع سرے سے نہیں۔ بلکہ ہر زمانہ میں مجتہدین و غیر مقلدین چلے آئے ہیں۔ نیز ہمیشہ علماء تقلید کی مذمت کرتے رہے بلکہ بقول شیخ الاسلام ان چار میں حق کو بند کہنا اہل السنۃ کا مذہب ہی

نہیں۔ مزید تفصیل آتی ہے۔

قولہ ص۱۱۴ س۱۹ "امتِ محمدیہ کے علماء اور صلحاء مفسرین اور محدثین کا ائمہ اربعہ کی تقلید پر متفق ہونا (الی قولہ) اور روئے زمین کے تمام اہل سنت والجماعت انہی ائمہ اربعہ کے تقلید کے دائرہ میں منحصر ہو گئے۔"

اقول:۔ سابقہ اوراق میں اس دعویٰ کا باطل ہونا ذکر ہو چکا ہے نہ تقلید پر متفق ہوئے نہ ان میں منحصر ہوئے۔ بلکہ یہ اللہ کی مرضی کے خلاف ہوا کیونکہ اس سے تو تفرق امت ہوا اور ایک سے چار ہو گئے اور یہ بھی غلط ثابت ہوا کہ دوسروں کا مذہب نہیں رہا۔ حالانکہ بحمداللہ ہر زمانہ میں علماء کی تخریجات اور استنباطات ظاہر ہوتے گئے اب بھی ہوتے ہیں اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔ اور جو آپ نے تکوینی القاء کا ذکر کیا ہے۔ یہ بھی کوئی شرعی دلیل نہیں۔ اور ان کا اصول منضبط ہونا اس کی دلیل ہے کہ لوگ خود مجتہد نہیں، نہ کہ کسی کی تقلید کریں ورنہ صرف مسائل اور فتوے منضبط ہوتے۔ اور اصول کے لکھنے اور پڑھنے پڑھانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ اصول کا مقصد یہ ہے کہ ان کے ذریعے دلائل کی صحت وعدم صحت اور ان کی دلالت کا وزن معلوم ہو۔ یہ سب کام مجتہدین کے ہیں۔ پس ان اصولوں کا مدون ہونا اور بالخصوص مختلف ہونا اللہ تعالےٰ کی طرف سے مجتہد بننے اور تحقیق کرنے کی ترغیب ارشاد ہے۔

قولہ ص۱۱۵ س۱ "اور اہلِ علم نے یہ اعلان کر دیا کہ جو شخص ائمہ اربعہ کی تقلید سے خروج کرے وہ اہلِ بدعت ہے اہلِ سُنّت سے نہیں۔"

اقول:۔ یہ خود ساختہ آپ کا فتویٰ ہے کسی اہلِ علم نے نہیں دیا۔ اس کی تردید پہلے مفصل طور پر گذری۔ یہ عقیدہ اہلِ سنت کے کسی فرد کا نہیں، جیسا کہ "المنتقیٰ" کی عبارت سے

گذرا۔ لہٰذا برعکس آپ کا ذکر کردہ عقیدہ اہل بدعت کا ہوا۔

قولہ ص ۱۰۵ سطر ۱۶: جس طرح تمام امت کا صحاح ستہ پر متفق ہو جانا کسی سعی اور جدوجہد کا نتیجہ بھی بلکہ خداداد مقبولیت کا نتیجہ ہے۔ اس طرح تمام امت کا ائمہ اربعہ کی تقلید پر متفق ہو جانا خداداد مقبولیت کا ثمرہ ہے۔

اقول: یہ قیاس غلط بلکہ دھوکا ہے من وجوہ۔ اولاً صحاح ستہ پر متفق ہونا مسلمانوں کا مذہب ہے کیونکہ ان میں احادیث نبویہ ہیں۔ لیکن فقہاء جو امت کے افراد اور غیر معصوم ہیں سا تھ ہی متفق بھی نہیں۔ کئی مسائل میں مختلف ہیں۔ ان کی تقلید اور بلا دلیل پیروی پر امت کا اتفاق تو کجا بلکہ بقول شیخ الاسلام اہل سنت کا مذہب ہی نہیں۔ ثانیاً صحاح ستہ کی کسی حدیث کو لینا اتباع روایت ہے۔ اور اقوال فقہاء کو لینا اتباع رائے ہے۔ پس کیسے یہ تمثیل درست ہوگی۔ ثالثاً۔ صحاح ستہ کو بلاشک امت کو مقبولیت حاصل ہوئی دیکھو چاروں مذہب والے بھی ان سے دلائل اخذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن ان فقہوں کو کب یہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ خود یہ آپس میں مختلف اور ایک دوسرے کی تردید کرتے ہیں رابعاً اللہ تعالیٰ کا صریح حکم بھی ان دونوں میں تفریق کرتا ہے۔ کیونکہ حدیث نبوی کی اطاعت کا حکم تو قرآن میں جابجا موجود ہے۔ اور فقہاء کے اختلاف کے وقت سب کو چھوڑ کر قرآن و حدیث کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے۔

قولہ ص ۱۰۵ سطر ۱۹: لہٰذا یہ سوال کرنا کہ تقلید انہی چار میں کیوں منحصر ہوئی الخ

اقول: اس سوال کی ضرورت ہی کیا ہے۔ جب انحصار کا دعویٰ غلط اور تقلید سلف کے مذہب کے خلاف ثابت ہوئی۔ خلافت راشدہ پر اس کا قیاس کرنا بھی غلط ہے۔ اس لیے کہ اس کے متعلق احادیث صریحہ ہیں۔ لیکن ائمہ اربعہ کی تقلید کرنے کا حدیثوں میں

کوئی نشان نہیں ملتا ہے۔ نیز خلفاء چار تک منحصر نہیں آگے بارہ راشدین ہیں۔ اور ملائکہ کی مثال بھی غلط ہے، وہ بھی چار تک محدود نہیں سب ملائکہ مقرب ہیں۔ ہاں بعض بعض سے اقرب ہیں یہ اور بات ہے۔

قولہ ۵:۔ اجتہاد امر وہبی ہے اور تقلید امر کسبی۔

اقول:۔ اس عنوان کے تحت جو مضمون ہے اس کا تو مفصل جواب آئے گا لیکن یہاں یہ سوال ہے کہ علی تقدیر التسلیم اللہ نے کہاں فرمایا ہے کہ میں نے وہب الاجتہاد (اجتہاد بخشنے) کی نعمت کو صرف چار اماموں تک محدود رکھا ہے۔ ثانیاً آپ نے ان کے علاوہ اور ائمہ مثلاً بخاری ابن جریر اور داؤد وغیرہ کو بھی مجتہد مانا ہے پھر کہتے ہیں کہ ان کے مذاہب معدوم ہو گئے۔ اب اگر اجتہاد وہبی ہے تو کیسے معدوم ہو گیا۔ حاشا و کلا۔ اور اگر کسبی ہے تو آپ کا دعویٰ غلط۔ ثالثاً ائمہ اربعہ سے پہلے صحابہؓ اور تابعین مجتہد تھے یا نہیں؟ علی الاول یہ وہبی چیز کیسے معدوم ہوئی۔ وعلی الثانی کیا معاذ اللہ وہ مقلد تھے؟ اور ائمہ اربعہ ان سے بڑھ گئے؟ رابعاً ان چاروں کے درمیان ہر باب میں اختلاف ہے۔ اور وہبی چیز میں اختلاف نہیں ہو سکتا ہے۔ ففی القرآن "ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا" ثابت ہوا کہ اجتہاد کسبی ہے اس لیے اس میں اختلاف واقع ہوتا ہے۔ خامساً اجتہاد کے لیے علما نے شرائط رکھے ہیں کیا وہبی چیز ایسی ہوتی ہے؟ اب تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

قولہ ۶:۔ اجتہاد کی ہر شرط اگرچہ من وجہ وہبی ہے مگر فہم و فراست اور ملکۂ استنباط کہ جس کے ذریعے سے کتاب و سنت کے حقائق و معارف اور دقائق و لطائف کا انکشاف ہوتا ہے وہ محض عطیہ ہے وہ کسی مجاہدہ اور ریاضت اور کسب اور محنت سے حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔

اقول :۔ خود مصنف اجتہاد کی تعریف یوں کرتا ہے کہ

"اصطلاح شریعت میں اپنے فہم ثاقب کے ذریعے احکام شرعیہ کو ادلہ"
"تفصیلیہ سے معلوم کرنے کے لیے اپنی طاقت فکریہ کو خرچ کر دینے کا
نام اجتہاد ہے" صفحہ ۹ سطر ۱۲۔

ظاہر ہے کہ طاقت فکریہ وہبی ہوتی ہے لیکن اس کو صرف کرنا کسبی ہے۔ اور اجتہاد صرف طاقت فکریہ کا نام نہیں۔ بلکہ اس کے استعمال کرنے کا نام ہے۔ اور قدرت نے یہ طاقت سب کو عطا کی ہے۔ ہاں بعض کو زیادہ بعض کو کم۔ نہ یہ کہ کسی کو محروم ہی کر دیا ہو۔ اور جو ایک مسئلہ میں اجتہاد کی قدرت رکھتا ہے۔ وہ مقلد نہیں ہے۔ کما تقرر فی الاصول۔ پھر مصنف عبارت بالا کی تشریح یوں کرتا ہے کہ:۔

"جو شخص براہ راست اپنے خداداد فہم کے ذریعے کتاب و سُنت سے شریعت کے"
"اصول و فروع کا اور دین کے مقاصد کلیہ و جزئیہ کا استنباط"
"استخراج کر سکے۔ اور فرائض اور واجبات اور سنن اور مستحبات اور"
"مفسدات اور مکروہات اور حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تعیین"
"اور تمیز کر سکے۔ وہ مجتہد ہے اجتہاد کی حقیقت یہ ہے" صفحہ ۱۰ سطر ۱۵

ناظرین! انصاف کریں کہ علماء کی کتب سب انہی تحقیقات سے بھری ہوئی ہیں دلائل سے تحقیق کر کے کسی کو جائز یا ناجائز کسی کو حرام یا حلال کسی کو مفسد یا مکروہ کسی کو فرض یا واجب یا سُنت یا مستحب قرار دے رہے ہیں۔ پس بقول مصنف کیا وہ مجتہد نہیں ہوئے؟

قولہ صفحہ ۱۰ سطر ۹ "البتہ تقلید امر کسبی ہے۔ اور فعل اختیاری ہے"

اقول :۔ جبکہ تقلید کی ماہیت ہی عدم العلم بالدلیل ہے تو پھر کیسے کیسی ہوگی۔

قولہ صفحہ ۱۰۱ سطر ۱۱ "اجتہاد ختم ہوگیا اور تقلید قیامت تک باقی رہ گئی"۔

اقول :۔ یہ کہنا غلط ہے صحیح اس طرح ہے کہ نبوت ختم ہوگئی اور اتباع قیامت تک رہ گئی۔ نیز اس طرح آپ مجتہدوں کو نبیوں سے ملا رہے ہیں۔ نیز اوپر ثابت کر دیا گیا کہ ہر زمانہ میں مجتہد رہے ہیں۔ اور رہیں گے۔ ایضاً مؤلفین کی کتب اور ان کی فقاہت طریقہ استدلال اور نئے نئے دلائل دیکھتے ہیں تو تقلید ناپید نظر آتی ہے۔

قولہ صفحہ ۱۰۲ سطر ۱۲ "گذشتہ اوراق میں یہ امر بخوبی واضح ہوچکا ہے کہ دین کا دار و مدار دو چیزوں پر ہے ایک نقل صحیح اور ایک فہم صحیح۔ حضرات محدثین نے پہلی خدمت اور حضرات مجتہدین نے دوسری خدمت انجام دی"۔

اقول :۔ اس کا مطلب ہے کہ محدثین عقل صحیح سے بے بہرہ تھے۔ استغفر اللہ۔ اور فقہا نقل صحیح سے بے نصیب تھے۔ غالباً ایسی تعریف سے خود فقہاء و محدثین بھی خوش نہ ہوں گے۔ ثانیاً نقل صحیح اور عقل صحیح کی پہچان کیا ہے یہ تو مجتہد کا کام ہے۔ آپ تو بقول اپنے مقلد ہیں۔ آپ کو کیا خبر کہ کون صاحب نقل صحیح تھا اور کون صاحب عقل صحیح! ایضاً اس کی تفصیل کے ساتھ تردید پہلے گذر چکی ہے۔

قولہ صفحہ ۱۰۲ سطر ۱۵ "آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات کے بعد تقریباً سو سال تک (الی قولہ) دوسری صدی کے شروع میں ان دونوں سلسلوں کا آغاز ہوا من جانب اللہ! ایک گروہ الفاظ شریعت کی حفاظت میں مشغول ہوا اور دوسرا گروہ شریعت کے اغراض اور مقاصد اصول اور کلیات کے استنباط کی طرف متوجہ ہوا"۔ صفحہ ۱۰۳

اقول :۔ اولاً اس پر بھی مفصل بحث گذر چکی ہے۔ ثانیاً جو صحابہ کی بیان کردہ

حدیثوں پر عمل کرتے تھے۔ یہ خود بتاتا ہے کہ یہ تقسیم غلط ہے۔ جو حدیث سنتے یاد کرتے اور جمع کرتے ہیں وہ ان کو سمجھ بھی سکتے ہیں۔ ثالثاً کیا معاذاللہ محدثین کو حدیث کی فقاہت نہیں۔ رابعاً کیا بلا حدیث فقہاء کیسے استنباط کرتے ہیں۔

قولہٗ صفحہ ۸ "مدینہ منورہ میں امام مالکؒ موطا کی تالیف میں مشغول ہوئے اور جس طرح موطا امام مالکؒ کتب حدیث کے لیے سنگِ بنیاد بنا۔ اسی طرح فقہ ابوحنیفہ رحمہ تمام فقہاء کے لیے مشعل راہ بنا۔"

اقول:۔ لیکن موطا تو محفوظ رہی اور اب تک محفوظ ہے۔ مگر ابوحنیفہ رحمہ کی بنائی ہوئی فقہ کہاں ہے؟ متاخرین کی کتب کی مثال دینا غلط ہے کیونکہ سب کے بعد کتب لکھی گئیں پس ایک کا محفوظ رہنا اور دوسری کا نہ رہنا بتاتا ہے کہ لوگ جن کے ہاتھوں دین کی حفاظت مقدر تھی وہ کس کو ضروری اور کس کو غیر ضروری سمجھتے تھے۔ ثانیاً خود موطا جس کو آپ کتب حدیث کے لیے سنگِ بنیاد تصور کرتے ہیں۔ دیکھو کہ اس میں کتنے فقہی مسائل مذکور ہیں جس کا مطلب کہ محدثین خود فقہاء تھے۔

قولہٗ صفحہ ۱ "اور چونکہ تکوینی طور پر ان دونوں سلسلوں سے شریعت حقہ کے الفاظ اور معنی کی روایت اور درایت حفاظت مقصود تھی (الی قولہ) تاکہ علوم عربیت لغت اور اشتقاق اور نحو وغیرہ مدون ہو جس کے بغیر کتاب و سنت کا سمجھنا ناممکن ہے۔"

اقول:۔ جب اجتہاد ہی بقول شما نہ رہا۔ اب تقلید ہی تقلید ہے تو ان فنون کو لانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ کیونکہ جب بقول شما ہم سمجھ ہی نہیں سکتے ہم کو صرف ائمہ کے سمجھانے پر چلنا ہے تو پھر یہ علوم بے معنی ہوئے بلکہ ان کا پیدا کرنا اور جاری رکھنا اس پر دلیل ہے کہ ہر زمانہ میں مجتہد رہیں گے۔ عجب یہ کہ اجتہاد کے وسائل تو مہیا کیے جائیں لیکن اجتہاد کو بند

کردیا جاتے ہیں۔

ایں چہ بوالعجبی است

ثانیاً محدثین وفقہاء کی حفاظت سے اجتہاد متأخرین کے لیے سہل ہوا۔ نہ کہ بند یا ختم۔

قولہ صفحہ ۱۵ "محدثین نے متون حدیث اور اسانید اور اسماء الرجال اور جرح و تعدیل میں کتابیں اور جوامع اور سنن اور مسانید اور معاجم کے ڈھیر لگا دیئے فقہاء نے اصول اور کلیات کا استنباط کیا اور شریعت کے مقاصد اور مصالح کو واضح کیا۔ دفتر کے دفتر مسائل تفسیر کے تیار ہو گئے۔"

اقول: یہ سب بحمداللہ اجتہاد کے ذرائع ہیں۔ اسی لئے تو ہم کہتے ہیں کہ اس وقت اجتہاد پہلے کی نسبت زیادہ آسان ہے۔ اور اس وقت تقلید علماء کے لیے بنسبت پہلے کے زیادہ بدنما داغ ہے۔

قولہ صفحہ ۱۵ "تیسری صدی کے ختم تک حدیث اور فقہ کی تدوین حد کمال کو پہنچ گئی۔ اور مشیت خداوندی کا جو منشاء تھا وہ پورا ہو گیا۔ اور دین کی ضرورت مکمل ہو گئی۔"

اقول: یہی منشاء بھی خداوندی تھا کہ بندگان کے لیے دینی احکام معلوم کرنا آسان ہو۔ سو یہ منشاء پورا ہو گیا۔ "وکان امر اللہ قدرا مقدورا" اور سب کے لیے اجتہاد و استنباط سہل ہو گیا۔ یہ اللہ کا بندوں پر خاص کرم عظیم نعمت اور بڑی رحمت ہے۔ آپ خواہ مخواہ کشادہ رحمت کو بند کر رہے ہیں۔ اور سب انسانوں کو محروم کر کے یہ رحمت بلاوجہ صرف چار افراد کے لیے مخصوص اور ان میں محدود کر رہے ہیں۔

قولہ صفحہ ۱۰۹ "اب احمد بن حنبل رح اور بخاری جیسے حافظہ کی ضرورت رہی اور نہ

ابو حنیفہ رہ اور مالک رح جیسے فہم و فراست کی ضرورت رہی۔ تکوینی طور پر دن بدن حافظہ اور فہم میں انحطاط شروع ہو گیا۔"

اقول :- اولاً ان تک حافظ اور فہم محدود نہیں۔ ہر زمانہ میں ہوتے رہے اور رہیں گے۔ ثانیاً بات وہی ہے وہ لوگ یاد کر کے مسائل نکالتے تھے۔ اور متأخرین کتابوں میں نصوص دیکھ کر نکالتے ہیں۔ وہی اجتہاد وہی استنباط تقلید کا نہ نام ہے نہ نشان۔ ثالثاً اس سے تو یہ ظاہر ہوا کہ اجتہاد پہلے سے آسان ہے۔ کیونکہ وہ بیچارے گاؤں گاؤں پھر کر حدیثیں حاصل کرتے۔ پھر استنباط کرتے۔ ہمارے پاس گھر بیٹھے حدیثیں موجود ہیں کتابیں سامنے ہیں بلا تکلیف اجتہاد کر سکتے ہیں۔

قولہ صفحہ ۱۵۰ "بمقتضائے عقل اور نقل راستے دو ہی ہیں۔ ایک اجتہاد دوسرا تقلید اب اجتہاد ختم ہو گیا (الیٰ قولہ) یہ سب کچھ من جانب اللہ ہے۔"

اقول :- اگر اجتہاد کا بند کرنا اللہ کی طرف سے ہوتا تو اختلاف کو رہنے نہ دیتا۔ اختلاف کا باقی رکھنا خود بندوں کو تکلیف دیتا ہے۔ کہ تحقیق کر کے حق کی تلاش کریں۔ آپ ہیں جو لوگوں کو تقلید کا حکم دے کر تحقیق سے کورے دلائل قرآن و حدیث سے بے علم و بے بہرہ بنا رہے ہیں ورنہ اللہ نے تو اجتہاد کے لیے مکلف کیا ہے۔

قولہ صفحہ ۱۵۱ "اس کی مشیت نے بخاری اور مسلم جیسے حافظ کو ختم کیا اور اسی کے ارادہ نے ابو حنیفہ اور مالک جیسے تفقہ اور استنباط کو دنیا سے اٹھا لیا۔" الخ

اقول :- نہیں۔ اس نے آج تک باقی رکھے ہیں۔ مثلاً شافعی، ترمذی، نسائی، ابو داود، ابن ماجہ، مروزی، احمد بن سلمہ، داؤد اصفہانی، ابن ابی حاتم، طحاوی، بقی بن مخلد، قاسم بن اصبغ، دارقطنی، ابو عوانہ، حاکم، ابو نعیم اصفہانی، بیہقی، ابن حزم، ابن عبد البر، خطیب، بغوی، ابن الجوزی

قرطبی ابن العربی ابن الاثیر، نودی، ابو الولید الباجی، ابن دقیق العید، ابن تیمیہ ابن سید الناس ذہبی ابن کثیر ابن القیم ابو حسان الغرناطی ابن بشکوال، ابن الملقن زیلعی، منذری، ہیثمی، عراقی ابن حجر سخاوی، سیوطی الامیر الیمانی ابن الہمام الشعرانی زکریا الانصاری شوکانی، نواب صدیق حسن خان جمال الدین القاسمی، رشید رضا مصری اسی طرح ولی اللّٰہی خاندان، جدامجد سید رشید اللہ وغیرہم کا حفظ و تفقہ دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کا دین (حفظ و تفقہ) اب بھی باقی ہے عجب ہے کہ آپ نے ان سب ہستیوں کو محروم عن النعمۃ قرار دے دیا ۔ اسی کتاب پر آپ کو بھی جامع کمالات اور سید المفسرین والمحدثین لکھا گیا ہے گویا کہ اب سے دین کی ابتدا ہو رہی ہے ۔

قولہ ص ۱۰۹ :۔ اہل حدیث یہ کہتے ہیں کہ اجتہاد کوئی نبوت نہیں جو ختم ہو گئی ہو ہم بھی اجتہاد کر سکتے ہیں ۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ قوت اجتہاد یہ نبوت نہیں لیکن قوت حافظہ بھی نبوت نہیں مگر ختم ہو گئی " الخ

اقول :۔ اولاً حفظ بھی ختم نہیں ہوا ۔ کما مر ۔ خود آپ نے اس رسالہ میں کئی متاخرین کو حافظ کا لقب دیا ہے مثلاً ابن تیمیہ ابن القیم ذہبی ابن کثیر، ابن قدامہ ابن حجر سیوطی سب کو حافظ کہا ہے پس جب یہ ختم نہیں تو اجتہاد جس کو آپ نے اس پر معلق کیا وہ بھی ختم نہیں ۔ ثانیاً ۔ اجتہاد کا دارو مدار علم نصوص پر ہے اور حفظ صرف نصوص کی حفاظت کے لیے تھا ۔ اب چونکہ سب نصوص یکجا کتابوں میں جمع ہیں ۔ لہٰذا بنسبت پہلے کے اب حفظ کی چنداں ضرورت نہیں اور نصوص کا علم اب بھی حاصل ہو سکتا ہے ۔ پھر اجتہاد کیسے ختم ہوا ۔

قولہ ص ۱۰۹ :۔ " طریقہ امتحان " الخ

اقول :۔ اس عنوان کے تحت جو کچھ لکھا ہے ۔ اس کے متعلق پہلے عرض کر چکے ہیں کہ ہر وقت مسائل آتے رہتے ہیں اور ان شاء اللہ ہر مسئلہ قرآن و حدیث سے بتلائیں گے جو معلوم نہ ہوا تو

ملا آدمی" کہ کر دوسرے علماء بالقرآن والحدیث سے پوچھنے کا مشورہ دیں گے۔ آپ نے یہ شرط لگائی ہے کہ "بغیر فقہ کی کتابوں کے دیکھے" سو جناب فقہ دیکھنا مجتہد کا الگ ہوتا ہے اور مقلد کا الگ۔ مجتہد دیکھے گا کہ کوئی دلیل مل جائے۔ باقی یہ بتائیں کہ فقہاء کے سامنے لغو اور مہمل ثابت ہوگا۔ سو یہ بتائیں کہ آپ تو مقلد ہیں پھر یہ پتا کس کرینگے گا کیا مجتہد کا وجواب مانتے ہیں؟ ایضاً مجتہد تو مخطی ومصیب ہوتا ہے کیا فقہا کی کتب غلطیوں سے محفوظ ہیں؟

قولہ صفحہ ۱۰۹ "آج کل کے علماء کا جو حال ہے وہ ظاہر ہے لہٰذا اگر ہر ایک کو اجتہاد کی اجازت دے دی جائے تو ہر شخص کا ایک نیا مذہب اور نیا دین ہوگا۔ اور اصل دین ندارد ہو جائے گا۔"

اقول :۔ یہ جب ہو کہ شرائط اجتہاد اور اصول فقہ غلط ہوں۔ اگر وہ صحیح ہیں اور وہ شرائط معتبر ہیں جن پر اجتہاد موقوف ہے تو کبھی ایسا نہیں ہوسکتا ہے۔ ثانیاً کیا سب علماء معاذ اللہ۔ ایسے ہیں؟ اگر سب نہیں تو پھر جو ایسے نہیں۔ ان کو کیوں نہ اجازت دی جائے۔ اسی طرح اجتہاد کے بند ہوجانے کا دعویٰ غلط ہوا۔ ثالثاً اگر کوئی مجتہد ہوائے نفسانی کی اتباع کرے گا یا اپنی مرضی سے مسئلہ بتائے گا تو دوسرے مجتہدین تردید اور دلائل سے اس کے استدلال کو باطل کرسکتے ہیں۔ رابعاً بلکہ اگر اجتہاد کی اجازت نہ ہوگی تو جو بھی ہوا پرست اٹھے گا۔ وہ اپنی مرضی سے مسائل بناتا رہے گا نہ کوئی مجتہد ہوگا نہ اس کی کوئی تردید کرسکے گا۔ نہ عوام کو اس کے غلط استدلال سے کوئی خبردار کرسکے گا۔ اس لیے اجتہاد کا باقی رہنا باعث خیر و برکت ہے۔ اور اس کا بند ہوجانا موجب خسارہ وفساد ہے۔ خامساً بلکہ یہ تو مقلدین کے لیے ہوا پرستی کا راستہ کھولنا ہے کیونکہ انھوں نے چار دین بنائے ہیں جس کو کسی کا جو مسئلہ پسند آیا لے لیا اور نہ کوئی مجتہد ہوگا نہ ان کی تقلید کرے گا۔

قولہ ص ۱۱۵ "احتیاط کا مقتضیٰ یہ ہے کہ مجتہدین سلف ہی کی اتباع کی جائے" الخ

اقول :۔ بے شک ان کا فہم وغیرہ مسلم ہے لیکن ان کے اندر جو مسائل واستنباط کا اختلاف ہے اس کے لیے کیا کیا جائے؟ ہم اتباع کے منکر نہیں جو قول مدلل ہے وہ لیا جائے۔ یہ تقلید نہیں جس کے ہم منکر ہیں۔

قولہ ص ۱۱۵ "الغرض جب اجتہاد اور استنباط کی ضرورت نہ ہو تو تقلید لابد ہے"

اقول :۔ اگر نہیں تو پھر سید المفسرین والمحدثین کیسے بن گئے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے تو سب کچھ عطا کیا اور وسائل آسان کر دئے لیکن آپ ہیں کہ کفران نعمت کا سبق دے رہے ہیں۔

قولہ ص ۱۱۶ "الفاظ میں بخاری اور مسلم کی تقلید کی جاتی ہے اور معانی میں ابو حنیفہ رح اور مالک رح کی تقلید کی جاتی ہے حالانکہ قرآن اور حدیث میں نہ بخاری اور مسلم کے نام کی تصریح ہے اور نہ ابو حنیفہ رح اور مالک رح کے نام کی۔ پھر کیا وجہ ہے۔ فقہاء کی تقلید تو شرک ہو جائے اور محدثین کی تقلید عین توحید کہلائے"

اقول :۔ الحمد للہ کہ آپ نے مان لیا کہ قرآن وحدیث میں نہ ابو حنیفہ رح یا مالک رح کی تقلید کا صریح حکم ہے نہ کسی محدث کی تقلید کا۔ بس اتنا ہی کافی ہے کہ جو حکم قرآن وحدیث میں نہیں اس کو فرض یا واجب کہنا کب صحیح ہے؟ پھر کیوں لوگوں کو ان کی تقلید کے لیے مجبور کرتے ہو۔ ثانیاً یہ اعتراض اہل حدیث پر صحیح نہیں اس لیے کہ وہ کسی کے مقلد نہیں نہ محدث کے نہ فقیہ کے۔ یہ کوئی اہل حدیث نہیں کہتا ہے کہ محدث کی تقلید توحید اور فقیہ کی شرک ہے۔ حاشا وکلا۔ اگر شرک ہے تو سب کی جس بات پر دلیل نہیں اس کی لینا تقلید ہے۔ خواہ محدث کی ہو خواہ فقیہ کی اور مدلل بات کا لینا تقلید نہیں۔

قولہ ص ۱۱۶ "مقلدین اور غیر مقلدین میں یہ فرق ہے کہ غیر مقلدین نے صرف الفاظ

یں سلف کی تقلید کی۔ اور معانی میں مجتہد اور مختار بن گئے جو معنی چاہیں اپنی طرف سے لگائیں چاہے اصولِ شریعت اور قواعدِ ملت کے موافق ہو یا خلاف " الخ

اقول : ۔ ائمہ اربعہ نے سلف سے الفاظ لیے مثلاً ابو حنیفہ نے حماد بن ابی سلیمان وغیرہ سے اور مالک نے زہری نافع وغیرہما سے ۔ تو کیا یہ سب مقلدین گئے ۔ اسی طرح تو وہ بھی مجتہد نہیں رہے ۔ دراصل الفاظ کی تقلید تو ہوتی ہی نہیں ۔ کیونکہ وہ روایت ہے رائے نہیں اور تقلید رائے میں ہوتی ہے اور جو آپ نے الزام لگایا ہے کہ جو چاہیں اپنی طرف سے معنی کریں ۔ کیا یہ الزام ان چار اماموں پہ عائد نہیں ہو سکتا ہے ؟ نیز جب اجتہاد کے لیے قواعد و ضوابط موجود ہیں ۔ تو پھر اس طرح ہو ہی نہیں سکتا ۔ دوسرے مجتہد اس کو چلنے نہ دیں گے باقی مقلد واقعی معانی میں مقلد ہیں الفاظ سے ان کا بھی واسطہ نہیں کیونکہ " علم بالدلیل " ان کا وظیفہ ہی نہیں ۔

قولہٗ ۱۱؎ سلہٗ " ترجیح مذہب امام اعظم ابو حنیفہ بر مذاہب دیگر ائمہ مجتہدین "

اقول : ۔ اس عنوان کے نیچے جو مصنف نے لکھا ہے اس پر کلام آتا ہے ۔ اجمالاً عرض ہے کہ ایک امام کو دوسرے پر ترجیح دینا یا اس کو اعلم و افضل کہنا خود مجتہد کا کام ہے ۔ کما جب آپ خود مقلد ہیں تو آپ کو کیا خبر کہ کون اَحق ہے ۔ ثانیاً یہ فیصلہ خود نص قرآنی کے خلاف ہے قرآن نے یہ حکم نہیں دیا کہ اختلاف کے وقت جس کو اعلم و افضل سمجھو اس کا اتباع کرو بلکہ یہ حکم دیا کہ جس کا قول قرآن و حدیث کے موافق ہو ۔ اس کو لے لو " فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول "

لہٰذا آپ کا یہ سارا عنوان لایعنی اور بوجہ مخالف ہونے نص قرآنی کے مردود و باطل ہوا ۔ ثالثاً ابھی آپ تسلیم کر آئے ہیں کہ قرآن و حدیث میں امام ابو حنیفہ کی تقلید کا صریح حکم وارد نہیں ہے ۔ تو پھر ترجیح کیسی ؟ رابعاً یہ وجوہ ترجیح آپ کو کیسے معلوم ہوئے کیا آپ مجتہد ہیں ؟ اگر آپ نے کسی دوسرے

کہنے پر لکھا ہے تو دلیل سے مانا ہے یا بلا دلیل علی الاول آپ غیر مقلد ہوئے وعلی الثانی آپ اس بتانے والے کے مقلد ہوئے۔ خامساً چاروں مذاہب کے علماء کو دیکھو ہر ایک نے اپنے امام کو ترجیح دی ہے جس مذہب والے کو دیکھتے ہیں تو وہ اپنے مذہب کو ترجیح دینے کے لیے ایسی وجوہات بیان کرتا ہے گویا یہی امام باقی تینوں سے اعلم وافضل وارجح ہے۔ اب بتاؤ اس کا فیصلہ کیسے کریں گے۔ ان وجوہات میں موازنہ کرنا بھی مجتہد کا کام ہے۔ پس کیا خیال ہے چھوڑیں گے تقلید کو اور بنیں گے مجتہد؟

قولہ صفحہ ۱۱۱ سطر ۱۷ "تمام اہل السنۃ والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ چاروں امامؒ الخ

اقول:۔ لیکن حصر کا انھوں نے دعویٰ نہیں کیا۔ اس لیے کہ ہزاروں لاکھوں ائمہ گذرے ہیں جن سب کو امام کہا گیا ہے۔ تذکرۃ الحفاظ الشذرات صلۃ ابن بشکوال المنتظم الدرر الکامنۃ الضوء اللامع طبقات السیوطی البدر الطالع نیل الوطر التاج وغیرہ کو دیکھیں کہ ہر زمانہ میں کتنے ائمہ گذرے ہیں۔ تاریخ بغداد علوم الحدیث للحاکم تہذیب الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم کو دیکھیں کہ ان ائمہ اربعہ کے زمانہ میں اور ان سے پہلے کتنے ائمہ موجود تھے۔ خود آپ نے اپنے رسالہ میں محمد بن اسحاق نضر ابن شمیل، ابو یوسف قاضی اعمش اوزاعی، محمد بن الحسن الشیبانی زفر ابراہیم الحربی، یحیی بن معین بخاری، مسلم، ترمذی، بیہقی، خطابی، بغوی الجصاص الرازی ابو محمد الجوینی ابن الصلاح غزالی نووی فخر الدین الرازی عبدالکریم الشافعی شعرانی اور امام ربانی ان سب کو امام کہا ہے۔

قولہ صفحہ ۱۱۱ سطر ۳ "جس طرح خلفائے راشدین کے عہد خلافت میں قرآن کریم مرتب ہوا الخ

اقول:۔ ترتیب قرآن کی من اللہ ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بتائی جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ اسی طرح دین بھی اللہ کی طرف سے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے خود بامر اللہ اس کی تکمیل کی۔ ائمہ دین نے صرف اس کی اشاعت کی جس میں بھی ان چار کی خصوصیت نہیں سب نے کی ہے۔ یعنی ان کے زمانہ میں ان کے بعد اب تک کرتے رہے ہیں۔ اور رہیں گے۔ لہٰذا یہ ناقل ہیں متبوع نہیں، اور متبوع صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

قولہ ۱۱۱ ۹ "قرآن وحدیث میں جا بجا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اجتہاد اور اجتماد اور ان کے اتباع اور اقتدار کا ذکر اور امر ہے۔ اور فرقہ ناجیہ وہ ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جماعت صحابہؓ کے طریقہ پر چلے"۔

اقول :۔ لیکن کسی کی تقلید کا ذکر نہیں۔ جس میں بحث ہے۔ اور اتباع میں بحث نہیں۔

قولہ ۱۱۱ ۱۲ "بس جس شخص نے ان چار اماموں کی تقلید کی اس نے در اصل تمام صحابہؓ وتابعین کی تقلید کی" الخ

اقول :۔ خلفاء اربعہ کی فضیلت اور ان کے اتباع کے امر سے چار ائمہ کی تقلید کہاں لازم آتی ہے جو دین کی تکمیل کا آپ نے ذکر کیا۔ اس کو تو رد کر دیا گیا۔ ثانیاً تقلید تو نہ صحابہؓ کی ثابت ہے نہ تابعین کی۔ پھر ائمہ کی کیسی ہوئی۔ ہر حالت میں مدلل قول کی اتباع کرنے کا حکم ہے۔ خواہ صحابی کا ہو یا تابعی کا یا کسی اور کا۔ اور تقلید کیسے خیر وبرکت ہے کیا قرآن و حدیث کے علم سے محروم رہنا خیر وبرکت ہے؟

قولہ ۱۱۱ ۱۳ "کیونکہ چاروں قانون شریعت کے شارح ہیں۔ معاذ اللہ۔ شارع شریعت اور واضع احکام نہیں"۔

اقول :۔ جب وہ خود شارع نہیں تو پھر ان کا اتباع کیا۔ بلکہ اتباع تو شارع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ہوگا۔ باقی شرح لو اس میں ائمہ کا اختلاف ہے ان میں سے حق وصواب مجتہد معلوم کر سکتا ہے۔ اور مقلد کی یہاں رسائی نہیں ہو سکتی ہے۔

قولہ ۱۱۰ پس جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع درحقیقت تمام انبیاء کرام کا اتباع ہے (الی قولہ) اسی طرح مذاہب اربعہ کو سمجھو کہ کتاب اللہ اور سنت نبوی اور سُنت صحابہ کے خزانے ہیں"

اقول: یہ تشبیہ غلط اور غلو کا منشا ہے بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع سب نبیوں کا اتباع ہے۔ اس لیے کہ یہ کتاب اگلی کتابوں کی مصدق اور ان پر محافظ و مہین ہے لیکن ان مذاہب کو یہ درجہ حاصل نہیں، نیز ان میں اختلاف ہے۔ اب ان کے لیے کوئی خاص مہیمن و محافظ چاہیے وہ خود اللہ نے بتا دیا ہے کہ "فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول" اور بلاشک ائمہ نے قرآن وحدیث سمجھایا لیکن یہ وظیفہ صرف ان چار کا نہ تھا بلکہ ہر زمانہ میں ائمہ سمجھاتے رہے۔ لیکن اللہ نے کسی کو مجبور نہیں کیا کہ ان کے فہم کو حرف آخر سمجھے بلکہ اختلاف سے ہمیں سبق ہے کہ ہم ان سب تفہمات و تفقہات کو اصل سے ملا کر صحیح کا انتخاب کریں۔ ایضاً خزانہ سنت نبوی قرآن وحدیث ہے ان کتابوں میں ان سے اخذ کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ان میں خطا و صواب دونوں ہیں لہٰذا ان کو عین خزانہ نبوی کہنا جرات ہے۔

قولہ ۱۱۲ "حق تعالے نے ان چار اماموں کو خاص طور پر اپنے دین کے خزائن علیہ کی حفاظت کے لیے مقرر فرمایا"

اقول: سب اماموں کو صرف ان چار کو نہیں۔ انحصار کا دعویٰ غلط ہے۔ ان سے پہلے یا بعد کون محافظ رہے۔ نیز اگر صرف یہی چار محافظ ہوتے تو ان میں اختلاف نہ ہوتا اور چار مذاہب نہ ہوتے اور نہ آپ کو ایک مذہب کے راجح ثابت کرنے کی زحمت گوارا کرنی پڑتی۔ بلکہ کہنے والے اس طرح کہنے کا حق رکھتے ہیں کہ چار مذاہب ہونا ہی دین کو نذار و کرنا ہے اور

حفاظت کی بجائے اس کا استیصال ہے۔ مگر وہی جماعت جو کسی کی تقلید نہیں کرتی ہے مگر سب ائمہ کے احترام اپنے اوپر واجب جانتے ہوئے ان کے اقوال کو قرآن و حدیث پر پیش کرتی ہے۔ پھر جس کو صحیح اور مدلل دیکھتی ہے لیتی اور دوسرے کو ترک کرتی ہے اور بلا دلیل کسی کی بات نہیں مانتی۔ اور غیر معصوم کے قول کو معصوم کی سنت سے پرکھتی ہے۔ وہی دین کی حفاظت کر سکتی ہے۔ نہ وہ جماعت جو کر دلیل سے محروم رکھنے کے ساتھ فرقہ بندی کی اجازت کیا بلکہ ایک دین کو چار دینوں میں تقسیم کرتی ہے۔

قولہ ص ۱۱۲ س ۲ "بلا شبہ ہر امام اجتہاد اور استنباط کا یوسف صدیق تھا" الخ

اقول:۔ اولاً حصر نہیں سب ائمہ ایسے ہیں۔ ثانیاً یہ ان کی نسبت کے اعتبار سے ہے لیکن خطا کے وقوع سے مامون نہیں۔ لہٰذا رجوع الی الدلیل ضروری ہوا جو اجتہاد سے حاصل ہوگا نہ کہ تقلید سے۔ ثالثاً ان کا مختلف ہونا خود بتاتا ہے کہ حسینوں کا مقابلہ ہوگا۔ اور جیت اسی کی ہوگی جس کو کتاب و سنت کے آئینہ میں ترجیح حاصل ہو۔" اللہ انزل احسن الحدیث کتابا متشابہا" اور یہ کام بھی مجتہدین کا ہے۔ مقلدین کا نہیں۔ کیونکہ حسینوں کے مقابلہ کے وقت فیصلہ جج کرتے ہیں نہ کہ عوام۔ رابعاً یہ تمثیل ہی غلط ہے کیونکہ " ماھذا بشرا" کہنے والے سب متفق تھے اور یہاں آپ مختلف ہیں۔ کوئی ابو حنیفہ کو احسن اور زیادہ قابل بتاتا ہے۔ کوئی شافعی کو کوئی مالک کو کوئی احمد بن حنبل کو صدق اللہ سبحانہ و تعالیٰ " کل حزب بما لدیہم فرحون" (الروم ع ۴ پ ۲۱) اجتہاد کے مدعی کو نادان کہنا بھی عجیب ہے۔ حالانکہ نادانی اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ دلیل کا علم نہ ہو اور معصوم کے بجائے غیر معصوم کی پیروی کی جائے۔

قولہ ص ۱۱۲ س ۳ "چوتھی صدی سے لے کر چودہویں صدی تک جس طرح ائمہ حدیث و تفسیر اور علماء شریعت اور اولیاء طریقت گذرے ہیں۔ وہ انہی چاروں میں سے کسی ایک کے شیدائی اور فدائی بنے

اور رہے۔"

اقول: اس کی تکذیب و تردید مفصل گذر چکی۔ نیز جتنے ہم نے علماء مجتہدین ذکر کیے جو کہ مقلد نہ تھے کیا وہ مفسر محدث یا علماء شریعت یا اولیاء نہ تھے؟ باقی جن کے نام آپ نے گنوائے ہیں ان کے متعلق ابھی معلوم ہوگا۔

قولہ صفحہ ۱۱۳ سطر ۱۵: "قاضی عیاض اور قرطبی جیسے محدث نے امام مالک کا دامن پکڑا" الخ

اقول: - قاضی عیاض مجتہد تھے مقلد نہ تھے۔ اولاً اس کی تصانیف بالخصوص "الشفاء فی حقوق المصطفیٰ" کو دیکھو کس پیرایہ سے اتباع الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان کرتا ہے جو کہ مقلد کی شان نہیں ہے۔ ثانیاً حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ کے طبقہ سولہویں ۱۶ میں اس کو ذکر کیا ہے اور اوپر ثابت ہوا کہ تذکرۃ الحفاظ میں سب مجتہدین مذکور ہیں۔ خود ذہبی مقلدین سے نالاں ہے۔ کما مضیٰ ثالثاً آپ کے حق میں قاضی ابن خلکان نے کہا ہے کہ "ھو امام فی الحدیث فی وقتہ واعلم الناس بعلومہ فی وقتہ" (تذکرۃ الذہبی صفحہ ۳۰۶ ج ۴ طبع م) اور شذرات صفحہ ۱۳۹ ج ۴ میں ہے کہ "شدید التعصب للسنۃ والتمسک بھا" اھ اور کتاب الصلۃ لابن بشکوال صفحہ ۴۳۲ ج ۲ میں ہے کہ "وجمع الحدیث من کثیرا ولہ عنایۃ کبیرۃ بہ واھتمام بجمعہ وتقییدہ وھو من اھل التفنن فی العلم والذکاء والیقظۃ والفھم" اھ اور التاج المکلل صفحہ ۱۵ میں ابن الابار سے منقول ہے کہ "احد الائمۃ الحفاظ الفقھاء المحدثین الادباء" اھ کیا ایسا شخص بھی کسی دوسرے کا طفیلی یا مقلد ہو سکتا ہے حاشا وکلا۔ اور امام قرطبی کی تفسیر خود شاہد ہے کہ وہ مقلد نہیں تھے بلکہ کئی مقام پر امام مالک کے مذہب کو رد کیا اور حدیث کو ترجیح دی ہے حتیٰ کہ ایک مقام پر تقلید کی یوں مذمت کرتے ہیں کہ

التقليد ليس طريقا للعلم ولا موصلا له لا فی الاصول ولا فی الفروع وھو قول جمھور العلماء والعقلاء خلافا لما یحکی عن جھال الحشویۃ والثعلبیۃ۔ (تفسیر القرطبی ص۱۹۵ ج۲)

تقلید نہ علم حاصل کرنے کا راستہ ہے نہ علم تک پہنچانے والی چیز ہے نہ اصول میں نہ فروع میں جمہور علماء اور اصحاب عقل کا یہی کہنا ہے۔ اس کے خلاف حشویہ ثعلبیہ فرقوں کے جاہل لوگ ہیں۔

نیز امام قرطبی کے لیے شذرات ص۳۳۵ ج ۵ میں ہے کہ "الحاکی مذاھب السلف کلھا" یعنی سب اسلاف کے مذاہب نقل کرنے والا تھا جس کے معنی کہ وہ کسی خاص امام کا مقلد نہ تھا۔ اور طبقات المفسرین للسیوطی ص۲۱ میں ہے کہ "قال الذھبی امام متفنن متبحر فی العلم لہ تصانیف مفیدۃ تدل علی امامتہ وکثرۃ اطلاعہ ووفور فضلہ اھ"

یہ وہی علامتیں ہیں جو کہ آپ مجتہد کے بتاتے ہیں۔

قولہ ص۱۱۲ سطر۱۲ "اور غزالی اور رازی اور عسقلانی اور قسطلانی جیسے نے امام شافعیؒ کا دامن پکڑا"

اقول:۔ امام غزالی نے تقلید کو جو حیثیت دی ہے وہ پہلے ذکر کی گئی۔ نیز المستصفی ص۳۸۱ تا ۳۸۹ ج۲ دیکھیں۔ ایضاً اس نے آخیر وقت بخاری اپنے سینہ پر رکھی۔ کما مضیٰ۔ نیز امام ابن تیمیہ نے نقض المنطق ص۶۰ میں تصریح کی ہے کہ اس نے اور سارے مسالک سے رجوع کر کے مسلک اہل حدیث اختیار کیا۔ نیز "تعریف الاحیاء" ص۳ بر ہامش الاحیاء میں اس کو تاج المجتہدین کہا ہے اور طبقات سبکی ص۱۱۱ ج ۲ میں بھی آپ کو مجتہد کہا ہے۔ اور امام رازی نے تو خوب تقلید کو رد کیا ہے۔ نیز مزید مضامین تفسیر کبیر کے صفحات میں دیکھو۔ ابن تیمیہؒ نے نقض المنطق ص۶ میں ان

کے لیے بھی تصریح کی ہے کہ مسلک اہل حدیث کی طرف رجوع کیا اور حافظ ابن حجر عسقلانی کو بھی شافعی کہنا صحیح نہیں۔ اس لیے کہ آپ نے فتح الباری میں کئی مقام پر امام شافعی کی تردید کی ہے اور ایک جگہ صریحًا مقلدین کو رد کرتے ہیں کہ

وفیہ ان الوقائع قد تخفی علی الاکابر ویعلمها من دونهم وفی ذالک رد علی المقلد اذا استدل بخبر یخالف فیجیب لو کان صحیحا لعلم فلان مثلا۔ (فتح الباری ص)

ثابت ہوا کہ وقائع خاصہ کبھی بڑوں سے مخفی رہتے ہیں اور چھوٹوں کو اس کی خبر ہو جاتی ہے اس سے مقلد کی تردید ہو گئی۔ کیونکہ جب اس کے سامنے ایسی حدیث دلیل میں پیش کی جاتی ہے جس کے وہ خلاف ہے تو کہنے لگتا ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو اس کو فلاں عالم (جو اس کا امام یا مقتدا ہے) ضرور جانتا ہوتا۔

اور دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ

ویستفاد من ذالک ان امره صلی اللہ علیہ وسلم اذا ثبت لم یکن لاحد ان یخالفہ ولا یتحیل فی مخالفتہ بل یجعله الاصل الذی یرد الیہ ما خالفہ لا بالعکس کما یفعل بعض المقلدین ویغفل عن قولہ تعالٰی "فلیحذر الذین یخالفون عن امره" الایۃ (فتح الباری ص۲۶۱ ج ۲ خیر لہ کتاب الاعتصام باب قول اللہ تعالٰی وامرھم شوریٰ بینھم۔

معلوم ہوا کہ جو حکم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہو جائے تو کسی کو اس کے خلاف کرنے یا اس کی مخالفت کے لیے حیلہ نکالنے کی مجال نہیں بلکہ اسی کو اصل قرار دے

جس کی طرف ہر مخالف کو لوٹائے نہ کہ اسکے برعکس جیسے بعض مقلدین کرتے ہیں۔ (یعنی حکم نبوی کو مخالف کے قول کی طرف لوٹاتے ہیں) اور اللہ کے فرمان سے غافل ہیں کہ (ترجمہ) جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف کرتے ہیں وہ فتنہ یا دردناک عذاب کے پہنچنے کا خوف رکھیں۔

ایضاً شوکانی نے "البدر الطالع" ص۸۹ ج ۱ میں آپ کو ان الفاظ کا خطاب دیا ہے "الحافظ الکبیر الشہیر الامام المنفرد بمعرفۃ الحدیث وعللہ فی الازمنۃ المتأخرۃ اھ کیا یہ مقلد کی شان ہو سکتی ہے اور شذرات الذہب ص۲۷۰ ج ۷ میں آپ کو شیخ الاسلام علم الاعلام امیر المؤمنین فی الحدیث کہا ہے اور لکھنوی نے "التعلیقات السنیۃ ص۲۶ میں ان الفاظ سے یاد کیا ہے کہ "امام الحفاظ محقق المحدثین زبدۃ الناقدین" اھ اور علامہ امیر علی حنفی نے تعقیب التقریب ص۳ میں آپ کے مجتہد ہونے کی تصریح کی ہے۔ خود حافظ صاحب اپنی تقریظ جو "الرد الوافر" پر لکھی ہے۔ اس میں تقلید کا انکار کرتے ہیں (للجوھرۃ المشتملۃ علی الدرر ص۵۸) اسی طرح علامہ قسطلانی کی تصنیفات مثلاً ارشاد الساری شرح صحیح البخاری بتاتی ہے کہ یہ سب لوگ محقق اور آزادانہ طور پر تحقیق کرنے والے تھے۔ تقلید کے پھندے میں گرفتار نہیں تھے۔ نیز انھوں نے "المواہب اللدنیۃ" ص۴۹ ج ۲ میں صاف لکھا ہے کہ

ومن الادب معہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لا تستشکل قولہ بل تستشکل الاراء لقولہ ولا یعارض نصہ بقیاس بل تھدر الاقیسۃ وتلقی لنصوصہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ (مقلد) کی طرح) آپ کے اقوال کو مشکل نہ جانے۔ بلکہ دوسروں کے اقوال و آرا کو اپنے لیے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قول کے مقابلہ میں مشکل سمجھے اور ان کے معارضہ میں قیاس پیش نہ کرے۔

بلکہ ان کے مقابلہ میں قیاس کو گرا دے اور پھینک دے۔

ناظرین! یہ الفاظ مقلد کی زبان سے نہیں نکل سکتے۔ نیز مصنف کا یہ دعویٰ غلط ہوا کہ اس زمانہ میں قرآن و حدیث کو براہ راست سمجھنا آسان نہیں۔ اب تقلید ہی کی جائے گی۔ اس کی پوری تردید ہے۔

قولہ ص ۲۱۱ سطر ۱۲ "اور ابن جوزی اور ابن رجب جیسے نے امام احمد کا دامن پکڑا"۔

اقول :- ابن جوزی نے تلبیس ابلیس ص ۸۱ میں تقلید کی مذمت میں ایک مستقل باب رکھا ہے جس میں اس کو شیطانی وسوسہ کا نتیجہ بتایا ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ

اعلم ان المقلد علی غیر ثقۃ فیما قلد فیہ وفی التقلید ابطال منفعۃ العقل لانہ انما خلق للتامل والتدبر وقبیح لمن اعطی شمعۃ یستضئی بہا ان یطفئہا ویمشی فی الظلمۃ واعلم ان عوام اصحاب المذاہب یعظم فی قلوبہم الشخص فیتبعون قولہ من غیر تدبر بما قال وھذا عین الضلال (تلبیس ابلیس ص ۸۱)

جان لو کہ مقلد جس بات میں تقلید کرتا ہے وہ کسی معتبر چیز پر نہیں۔ تقلید سے عقل کا فائدہ و نفع باطل ہو جاتا ہے، کیونکہ عقل کو صرف تامل و تدبر کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ (جب تقلید ہو گی تو نہ رہے گا تدبر نہ تامل) اور یہ بری بات ہے کہ روشنی حاصل کرنے کے لیے اللہ کی طرف سے تو شمع ملے اور وہ اس کو بجھا کر اندھیرے میں چلے اور جان لو کہ عام مذاہب والوں کے دل میں جس کی عظمت بیٹھ گئی اس کی بات بلا تدبر یا بغیر دیکھے دلیل لے لیتے ہیں عین گمراہی ہے۔

پس جو امام تقلید کی گمراہی اور عقل کے خلاف بتائے وہ کیسے مقلد ہو سکتا ہے۔ خود حافظ ابن حجر رح نے "القول المسدد" ص۳۲ میں ان کو اہل حدیث کہا ہے اور "التاج المکلل" ص۶۵ میں ہے کہ " کان ..... یاعصا لاصحاب المذاهب من المقلدین اھ۔ پس جو تقلید اور مذہب بندی سے متنفر ہو۔ اس کو مقلد کہنا درست نہیں اور ابن رجب کا ترجمہ شذرات الذہب ص۳۳۹ ج ۶ میں مذکور ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ یہ شخص ویسے ہی حنبلی مذہب مشہور تھا مگر دراصل مقلد نہ تھا۔ بلکہ محقق تھا۔

قولہ ص۲۱۱ " اور ابو بکر رازی اور سرخسی جیسے فقیہ اور طحاوی اور مغلطائی اور زیلعی اور عینی جیسے محدث نے ابو حنیفہ رح کا دامن پکڑا "

اقول :۔ ابو بکر رازی کو لکھنوی نے "التعلیقات السنیہ" ص۲۷ میں مجتہد فی المذہب قرار دیا ہے۔ اور اس کی تفسیر بھی بتاتی ہے۔ کہ وہ تقلید سے بالا تھے اور سرخسی کو لکھنوی نے "الفوائد البہیہ" ص۱۵۸ میں یوں تعارف کرایا ہے کہ " کان اماما علامۃ حجۃ متکلما مناظرا اصولیا مجتھدا اھ اور خود سرخسی نے تقلید کو ناجائز بتایا ہے۔ جیسا کہ اوپر اس کی عبارت بحوالہ مبسوط ص۲۸ ج ۱۲ گذری۔ اور طحاوی بھی مقلد نہیں تھے۔ کئی مسائل میں انھوں نے امام ابو حنیفہ رح کے خلاف کیا ہے۔ مثلاً صلوٰۃ الکسوف میں قرارت جہری کے قائل ہیں اور نبیذ سے وضو کو جائز نہیں جانتے تھے۔ اور دعا افتتاح بغیر سبحانک اللھم کے قائل تھے۔ اور عورت کے جنازہ کے وقت امام کو اس کے بیچ کے برابر کھڑا ہونے کا حکم دیتے تھے۔ اور طواف کا نفل فجر خواہ عصر کے بعد پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں۔ اور حنفیہ خواہ گھوڑے کو حلال کہتے ہیں۔ دیکھو شرح معانی الآثار علی الترتیب ص۱۹۷ ج ۱ ص۵۷ ج ۱ ص۱۱۷ ج ۱ ص۲۸۸ ج ۱ ص۲۹۷ ج ۱ ص۲۱۷ ج ۲ ص۳۲۲ ج ۲ حالانکہ یہ سب فتوے امام ابو حنیفہ رح کے مسلک کے خلاف ہیں۔ اور شاہ عبد العزیز دہلوی بستان المحدثین ص۱۸ میں ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ " محض مقلد مذہب حنفی نبود اھ

اور لکھنوی التعلیقات السنیہ ص۱۳ میں لکھتے ہیں کہ

فالحق انہ من المجتہدین المنتسبین الذین ینتسبون الی امام معین من المجتہدین لکن لا یقلد ونہ لا فی الفروع ولا فی الاصول لکونہم متصفین بالاجتہاد وانما انتسبوا الیہ لساوکہم طریقہ فی الاجتہاد۔

حق بات یہ ہے کہ طحاوی مجتہد ہیں ان مجتہدین میں سے جو کسی امام کی طرف منسوب ہو جاتے ہیں۔ وہ نہ ان کے فروع میں مقلد ہوتے ہیں نہ اصول میں۔ کیونکہ ان میں اجتہاد کی صفات ہوتی ہیں۔ ان کی نسبت صرف اس اعتبار سے ہے کہ ان کے اجتہاد کا طریقہ وہی ہوتا ہے۔

ایک شخص نے طحاوی سے کہا کہ

رایتک فی میدان اھل الحدیث (لسان المیزان ص۲۷۶ ج۱)

آج آپ بھی اہل حدیثوں کے میدان میں نظر آرہے ہیں۔

نیز یہ حکایت ملاحظہ ہو کہ

قال ابن زولاق سمعت ابا الحسن علی بن ابی جعفر الطحاوی یقول سمعت ابی یقول وذکر فضل ابی عبیدہ ابن جرثومۃ و فقہہ فقال کان یذاکرنی فی المسائل ناجتہ یوما فی مسئلۃ فقال ما ھذا قول ابی حنیفۃ فقلت لہ ایہا القاضی او کلما قالہ ابو حنیفۃ اقول بہ فقال ما ظننتک الا مقلدا فقلت لہ وھل یقلد الا عصبی فقال لی او غبی قال فطارت ھذہ الکلمۃ بمصر حتی صارت

مثلاً وحفظها الناس (لسان المیزان ص۲۸۱ ج ۱)

طحاوی کے فرزند ابوالحسن نے ذکر کیا کہ میرے والد نے ابو عبیدہ ابن حربویہ کی فضیلت اور فقاہت کا ذکر کیا۔ اور کہا کہ وہ میرے ساتھ مسائل کا مذاکرہ کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ میں نے کسی مسئلہ میں اس کو جواب دیا تو اس نے کہا کہ ابو حنیفہؒ تو اس طرح نہیں کہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ قاضی صاحب کیا میں ابو حنیفہ رح کی ہر بات کو لیتا ہوں! کہا کہ میں تو آپ کو مقلد ہی گمان کرتا تھا۔ تو میں نے کہا کہ بجز گنہگار کے کوئی دوسرا بھی تقلید کرتا ہے! اس نے کہا کہ یا تو غبی کر سکتا ہے پس یہ کلمہ (تقلید گنہگار یا غبی کے علاوہ اور کوئی نہیں کرے گا) مصر میں اُڑنے لگا اور ایک مثال بن گیا اور لوگوں نے یاد کر لیا۔

ناظرین:۔ اس واقعہ سے عیاں ہے کہ طحاوی مقلد نہیں تھے۔ بلکہ تقلید کو گناہ کا کام اور غباوت کا نتیجہ بتاتے ہیں۔ ایضاً امام ابن حزم رسالہ "اصحاب الفتیا" (ملحق مع جامع السیرۃ ص۳۳۳) میں بھی تصریح کرتے ہیں کہ طحاوی مقلد نہیں تھا مجتہد تھا۔ اسی طرح زیلعی کو مقلد کہنا بھی درست نہیں۔ کیوں کہ اس نے "نصب الرایہ" میں کئی جگہ پر حنفی مذہب کی مخالفت کی ہے بلکہ ص۳۴ ج ۲ میں امام دارقطنی سے امام ابو حنیفہ پر جرح نقل کی ہے۔ اور ص۲۵۸ ج ۳ میں امام سفیان ثوری سے اور ص۱۸۱، ۲۶۵ ج ۴ میں ابن القطان سے نقل کی ہے انہے جروح امام صاحب کے حق میں نقل کرکے کوئی تردید نہ کرنا بتاتا ہے کہ امام صاحب کا امام مقلد قطعاً نہیں تھا۔ باقی مغلطائی اور عینی مشہور حنفی تھے لیکن ان کا کوئی خاص اعتبار نہیں۔ مغلطائی تو مقدوح فی الدین والروایت ہے۔

قال فی الدرر الکامنۃ فی اعیان المائۃ الثامنۃ لابن حجر ص۳۵۲، ۳۵۳ ج ۴ "وکان قد لازم الجلال القزوینی فلما مات ابن سید الناس تکلم له مع السلطان فولاہ تدریس الحدیث

بالظاهرية فقام الناس بسبب ذالك وتعدوا ولم يبال بهم
وبالغوا في ذمه وهجوه ..... كتاب جمعه في العشق تعرض فيه
لذكر الصديقة عائشة فانكر على ذالك ورفع امره الى الموفق
الحنبلي فاعتقله بعد ان عزره ..... وقال الشهاب ابن رجب
..... وانشد في نفسه في الراضخ المبين شعرا يدل على استحقار
وضعف في الدين وقال ولده زين الدين ابن رجب ..... ذكر
انه سمع من الحافظ الدمياطي وانه سمع من ابن دقيق العيد
درسا بالكاملية في سنة ۷۰۲ وابن دقيق العيد انقطع في اواخر
لسنة ۷۰۱ ببستان ظاهر القاهرة الى ان مات في اوائل صفر ولم
يحضر درسا في سنة ۷۰۲ ..... ادعى انه اجازله الفخر بن البخاري
ولم يقبل اهل الحديث ذالك منه اه مختصرا۔

خلاصہ یہ کہ جب یہ تدریس حدیث پر مقرر ہوا تو لوگوں نے اس کی مذمت اور
ہجو کیا اور اس نے عشق کی بابت ایک کتاب لکھی جس میں (معاذ اللہ) اُم
المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بھی ذکر کیا یہ بات اس کو ناگوار ہوئی ۔
بالآخر اس کو تعزیر بھی دی گئی ۔ اور اس کے بعض ایسے اشعار ہیں جن سے اس کی
دین میں کمزوری ظاہر ہوتی ہے۔ اور اس نے یہ دعویٰ کیا کہ ۷۰۲ھ میں وہ ابن
دقیق العید کے درس میں بیٹھا حالانکہ ابن دقیق العید ۷۰۱ھ میں فوت ہو چکا
تھا نیز یہ دعویٰ کیا کہ فخر بن البخاری نے اس کو حدیث کی اجازت دی لیکن
علماء حدیث نے اس بات کو قبول نہیں کیا ۔ وہکذا فی شذرات الذہب ص۱۹۶ ج۶

اور عینی کا تو متعصب فی المذہب ہونا علامہ لکھنوی نے بھی لکھا ہے۔ کما مرّ۔

پس ایسے شخصوں کے اتباع سے نہ کسی کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ نہ کسی مذہب کی حقانیت۔

قولہ ص ۱۱۳ سطر ۱ "اور ہر ایک محدث و مفسر اپنے اپنے امام کے عشق میں ایسا غرق ہوا کہ نوبت مناظروں اور مباحثوں کی آ گئی"۔

اقول: ۔ مناظر مجتہد ہوتا ہے نہ کہ مقلد۔ کما مضیٰ۔ ثانیاً محدث اور مقلد؟ این ہذا من ہذا۔ محدث حدیث کا تابع ہوتا ہے۔ جو تقلید نہیں۔ اور مقلد رائے کا تابع ہوتا ہے نہ روایت کا۔

قولہ ص ۱۱۳ سطر ۲ "علماء حنفیہ اور شافعیہ کے مباحثوں اور مناظروں کا حاصل و محصول صرف یہ ہے کہ ہر عالم اپنے امام کے حسن استنباط اور جمال اجتہاد کی برتری ثابت کرتا ہے۔

اقول: ۔ "کل حزب بما لدیہم فرحون" یہ بھی عجیب منطق ہے کہ مجتہدین میں راجح مرجوح کا فیصلہ مقلدین کریں۔

قولہ ص ۱۱۳ سطر ۴ "معاذ اللہ۔ کسی دوسرے امام کے حسن و جمال میں قدح کرنا مقصود نہیں"۔ الخ

اقول: ۔ مقلدین نے تو اپنے امام کو بڑھانے اور دوسروں کو گھٹانے میں جھوٹی حدیثیں گھڑنے سے بھی کوئی جھجھک محسوس نہیں کی۔ ذرا مقلدین کی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ ثانیاً آپ نے جو ترجیح مذہب ابی حنیفہ کے لیے وجوہات بیان کی ہیں ان میں بھی تصریح ہے کہ یہ صفتیں دوسروں میں نہیں ہیں۔ کیا یہ ان کی تنقیص نہیں ہے؟ ثالثاً اس ترجیح کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ترجیح پر قیاس کرنا بھی غلط ہے اس لیے کہ دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام پر آپ کی ترجیح تو نصوص صریحہ سے ثابت ہے لیکن یہاں ان ائمہ میں ترجیح دینے کے لیے نصوص کہاں ہیں۔

قولہ ص۱۱۳ س۱۱ "اسی طرح اگر کسی امام کا مقلد اور متبع اپنے امام متبوع کی افضلیت کو بیان کرے" الخ

اقول :۔ مقلد کو کیا خبر کہ افضل کون ہے۔ نیز اس کے فیصلہ کا کیا اعتبار۔

قولہ ص۱۱۳ س۱۳ "اسی طرح ہم صدق دل سے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ چاروں امام انبیاء کرام کے وارث ہیں" الخ

اقول :۔ حصر صحیح نہیں بلکہ ان کے زمانہ میں ان سے پہلے اور بعد کئی ائمۂ دین آئے وہ سب ورثۃ الانبیاء اور مجتہد مطلق اور صاحب رشد و ہدایت ہیں۔

قولہ ص۱۱۳ س۱۵ "جو مسلمان ان ائمۂ اربعہ میں سے کسی کی تقلید اور اتباع کرے گا وہ یقیناً اہلِ حق اور اہل ہدایت اور اہلِ سنت والجماعت میں سے ہوگا"

اقول :۔ مقلد کو کیا خبر کہ وہ حق پر ہے یا باطل پر کیونکہ وہ دلیل سے ناواقف ہے۔ بلکہ "ان یتبعون الا الظن وان الظن لا یغنی من الحق شیئًا" ثانیاً تقلید اور اتباع میں فرق ہے۔ دونوں کو ملانا خلط مبحث ہے۔ ثالثاً ائمہ بے شمار ہیں۔ صرف ان چار کی تقلید حق اور دوسروں کی باطل کیوں؟ رابعاً اوپر شیخ الاسلام اور حافظ ذہبی کے کلام سے معلوم ہوا کہ ان چار میں حق محصور سمجھنا اہل سُنت کا مذہب نہیں۔ پھر آپ کس اہل سنت والجماعت کا مذہب بتلا رہے ہیں؟

قولہ ص۱۱۳ س۱۸ "کسی نے امام مالکؒ یا امام شافعی رحمہ کو افضل سمجھ کر" الخ

اقول :۔ کسی کا افضل سمجھنا یا تحقیق کر کے اس کی بات کو قبول کرنا فعل محمود ہے یہ تقلید نہیں بلکہ اجتہاد ہے۔ ثانیاً جنھوں نے اس طرح کسی کو فضیلت دی تو تحقیق سے دی اور وہ ان کے مقلد نہ رہے بلکہ ان کا انتساب (شافعی مالکی حنبلی وغیرہ) صرف اس لیے تھا کہ اس

اجتہاد وتحقیق اس امام کے موافق تھا نہ کہ اس کے مقلد تھے۔ شاہ ولی اللہ عقد الجید ص سے میں لکھتے ہیں کہ

وفی الانوار ایضاً المنتسبون الی مذھب الشافعی وابی حنیفۃ ومالک واحمد اصناف احدھا العوام والثانی البالغون الی رتبۃ الاجتھاد والمجتھد لا یقلد مجتھدا وانما ینتسبون الیہ لجریھم علی طریقۃ فی الاجتھاد واستعمال الادلۃ وترتیب بعضھا علی بعض انتھی ملخصا۔

انوار میں ہے کہ ان ائمہ اربعہ کی طرف منسوب یعنی شافعی، حنفی، مالکی اور حنبلی لوگوں کی دو اقسام ہیں ایک تو عوام ہیں (جن کا کوئی مذہب نہیں ان کا حنفی وغیرہ کہلانا کوئی معنی نہیں رکھتا) دوسرے وہ جو کہ اجتہاد کے مرتبہ کو پہنچ چکے ہیں، اور ایک مجتہد دوسرے مجتہد کا مقلد نہیں ہوتا ہے لیکن یہ ان کی طرف صرف اس لیے منسوب ہوئے کہ ان کا اجتہاد اور ترتیب دلائل ان کے موافق ہے۔

اور امام "نووی شرح المہذب" ص ۴۳ ج امیں فرماتے ہیں کہ

وللمفتی المنتسب اربعۃ احوال احدھا لا یکون مقلد الامامہ لا فی المذھب ولا فی دلیلہ لاتصافہ بصفۃ المستقل وانما ینسب الیہ لسلوکہ طریقہ فی الاجتھاد وادعی ابو اسحاق ھذہ الصفۃ لاصحابنا۔۔۔ ثم قال والصحیح الذی ذھب الیہ المحققون ما ذھب الیہ اصحابنا وھو انھم صاروا الی

مذهب الشافعی لا تقلید اله بل لما وجد وا طرقہ فی الاجتہاد والقیاس اسد الطرق ولم یکن لھم بد من الاجتہاد سلکوا طریقہ فطلبوا معرفۃ الاحکام بطریق الشافعی وذکرا ابو علی السنجی بکسر السین المھملۃ نحو ھذا فقال اتبعنا الشافعی دون غیرہ لانا وجدنا قولہ ارجح الاقوال واعدلہا لا انا تقلدناہ قلت ھذا الذی ذکراہ موافق لما امرھم بہ الشافعی ثم المزنی فی اول مختصرہ وغیرہ بقولہ مع اعلامہ نھیہ عن تقلیدہ وتقلید غیرہ انتہٰی کلام النووی مختصراً۔

کسی امام کی طرف منسوب ہونے والے مفتی کی چار حالتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ وہ امام کا نہ مذہب میں مقلد ہوتا ہے نہ دلیل میں کیوں کہ اس میں مستقل مجتہد کی صفات موجود ہوتی ہیں۔ اور ابو اسحاق شیرازی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہی صفت ہم شافعیوں کی ہے۔ اور پھر کہا کہ ہمارے شافعیوں کے متعلق محققین کے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ انھوں نے امام شافعی رح کے قول کو اختیار کرنے میں اس کی تقلید نہیں کی۔ بلکہ انھوں نے اس کے طریقہ اجتہاد کو زیادہ مضبوط سمجھا۔ اور ان کو خود اجتہاد کرنا ضروری تھا اس لیے اس کے طریقہ کو تحقیقاً اختیار کیا۔ اور ابو علی رسنجی نے بھی اسی طرح ذکر کیا۔ اور کہا کہ ہم

ملہ ثابت ہوا کہ تقلید و اتباع دو الگ چیزیں ہیں ۔ منہ عفی عنہ۔

نے دوسروں کے بجائے امام شافعی رح کی اتباع اس کے اقوال کو راجح و اعدل سمجھ کر کی ہے نہ کی اس کی تقلید[1] کی ہے ہیں (نووی) کہتا ہوں کہ ان دونوں (ابواسحاق اور ابو علی) قالہ قول اسکی موافق ہے کہ امام شافعی رح نے اور اس کے شاگرد مزنی نے ان کو اپنی خواہ کسی اور کی تقلید کرنے سے منع کیا ہے۔

اور حافظ ابن القیم رح اعلام الموقعین ص۱۶۴ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ

ذکر البیہقی فی مدخلہ عن یحییٰ بن محمد العنبری قال طبقات اصحاب الحدیث خمسۃ المالکیۃ والشافعیۃ والحنبلیۃ والراھویۃ والخزیمیۃ اصحاب ابن خزیمۃ۔

بیہقی نے کتاب المدخل میں یحییٰ بن محمد عنبری سے نقل کیا ہے کہ اہل حدیثوں کے پانچ طبقے ہیں ۱ مالکیہ ۲ شافعیہ ۳ حنبلیہ ۴ راہویہ[1] ۵ خزیمیہ یعنی جو امام ابن خزیمہ کے شاگرد ہیں۔

ناظرین! ان عبارات سے بخوبی معلوم ہوا کہ متقدمین سب غیر مقلد اور مستقل مجتہد تھے۔ ان کی نسبت کسی امام کی طرف طریقہ اجتہاد میں موافق ہونے کی بناء پر تھی نہ کہ تقلید کی وجہ سے۔ نیز کسی کے صرف حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، خزیمی اور راہوی وغیرہ مشہور ہونے سے ان کا مقلد ہونا لازمی نہیں آتا بلکہ متقدمین میں شافعیہ، مالکیہ اور حنبلیہ وغیرہ سب اہل حدیثوں کے طبقات تھے۔

قولہ ص۱۱۳ سطر ۲ ہم نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو سب ائمہ مجتہدین سے افضل سمجھ کر ان کی تقلید کو اختیار کیا" الخ

---

[1] یہ نسبت امام اسحاق بن ابراہیم الحنظلی المعروف بابن راہویہ کی طرف ہے ۱۲ منہ

اقول :۔ جب آپ بھی مقلد ہیں تو پھر آپ کون ہوتے ہیں راجح مرجوح کرنے والے؟ کیا یہی مجتہد ہیں کہ تحقیق کر کے ایک کو افضل سمجھا پھر اس کی تقلید کی کیا مجتہد کو تقلید جائز ہے؟ اس طرح مذاہب میں ترجیح دینا آپ کا منصب نہیں۔

قولہ صلا ۱۱۴ :۔ اس لیے ہم ان وجوہ کو ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں کہ جن وجوہ کی بنا پر ہم نے حنفی مذہب کو دیگر مذاہب پر ترجیح دی ہے ۔

اقول :۔ ان پر تنقید بھی ملاحظہ فرمائیں ؎

مجھ سا مشتاق جہاں میں کوئی پاؤ گے نہیں
گرچہ ڈھونڈو گے چراغِ رُخِ زیبا لے کر

قولہ صلا ۱۱۶ "ترجیح مذہب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ"

اقول :۔ ہر مذہب والا اپنے امام کے لیے ایسی کئی وجوہات بیان کرتا ہے مگر محقق جو کہ دلیل کا تابع ہے وہ ان ترجیحات یا وجوہ کی طرف توجہ نہیں دے گا۔ ان کے لیے ترجیح کی وجہ صرف ایک ہے۔ وہ یہ کہ جس کو قرآن و حدیث کی موافقت حاصل ہو اور ثانیاً یہاں جتنی وجوہ بیان کی ہیں کسی ایک سے بھی امام ابوحنیفہ رحمہ کا معصوم عن الخطاء ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے نہ امام صاحب کا "المجتهد يخطي ويصيب" کے درجے سے بالا ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ رہی فضیلت سو ہر ایک اللہ کے بندہ کو کوئی نہ کوئی خصوصیت حاصل ہے۔ لہٰذا کسی ایک وجہ سے راجح ہونا کسی کے "احق بالاتباع" ہونے کی دلیل نہیں۔ کیونکہ یہ اس کے معصوم یا تنقید سے بالا ہونے کو مستلزم نہیں۔ لہٰذا یہ وجوہات بیان کرنا ہی عبث ہے۔ بلکہ وہی دلیل جس سے مصیب اور مخطی کے اقوال میں تمیز ہو سکتی ہے۔ خواہ ابوحنیفہ رحمہ کا ہو یا کسی اور کا کسی کی بھی شخصیت اس میں اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ آپ کی یہ ایجاد نصوص قرآنی

کے خلاف ہے. وہاں ترجیح کے متعلق یہ حکم ہے کہ "فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول" اور آپ نے دوسرا طریقہ نکالا ہے۔

قولہ ص۱۱ "وجہ اوّل امام ابوحنیفہ تابعیؒ ہیں متعدد صحابہ کی زیارت کی ہے اور ان سے حدیث روایت کی ہے" الخ

اقول :۔ اس کی تحقیق پہلے ہو چکی ہے کہ امام صاحبؒ کی کسی صحابی سے روایت ثابت نہیں ہوتی مزید سنیئے امام شعرانی طبقات کبریٰ ص۲۵ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ :۔

"وکان فی زمنہ اربعۃ من الصحابۃ انس بن مالک وعبداللہ بن ابی اوفی وسہل بن سعد وابوالطفیل وھو اٰخرھم موتا ولم یأخذ عن واحد منھم" اھ

امام ابوحنیفہ رحمہ کے زمانہ میں چار صحابیؓ تھے ۱۔ انسؓ بن مالک ۲۔ عبداللہؓ بن ابی اوفی ۳۔ سہلؓ بن سعد ۴۔ ابوالطفیل جو سب سے آخر میں فوت ہوئے لیکن امام صاحبؒ نے کسی ایک صحابی سے حدیث نہیں لی۔

ثانیاً ترجیح کی دلیل یہ جب ہوتی کہ تابعی بن جانے سے انسان معصوم عن الخطاء بن جاتا ہو، حالانکہ یہ کسی شخص کا مذہب نہیں کیونکہ تابعین کئی مسائل میں مخطی واقع ہوئے ہیں۔ اسی بنا پر امام ابوحنیفہ کا کہنا ہے کہ "اذا جاء عن التابعین زاحمناھم" کما مر۔ اور اسی وجہ سے حنفیوں کے نزدیک تابعین کی تقلید نہیں (تلویح ص۱ ج ۲) ثالثاً اگر یہی وجہ ترجیح کی ہے تو پھر امام صاحب کی نسبت اور کبار تابعین تقلید کے زیادہ حقدار ہیں، مثلاً عامر بن شراحیل شعبی نے پانچ سو صحابہ سے علم لیا (تہذیب ص۶۷ ج ۵) عطاء بن ابی رباح نے دو سو صحابیوں کی زیارت کی۔ (کتاب الثقات لابن حبان طبقہ ثالثہ) خالد بن معدان الکلاعی کو ستر صحابیوں کی ملاقات کا شرف حاصل ہے۔

(اسماء الرجال مشکوٰۃ ص۶۲۳) حسن بصری ایک سو بیس ۱۲۰ صحابہؓ کو اور محمد بن سیرین تیس ۳۰ کو پہنچے ہیں۔ (تہذیب الاسماء للنووی ص۹۲ ج۱) طاؤس یمانی پچاس ۵۰ صحابہ کو پہنچے ہیں (تہذیب ص۹ ج۵) کثیر بن مرۃ الحضرمی ستر بدریوں سے ملا ہے (تذکرۃ الحفاظ ص۵۱ ج الطبع ۳) اور عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ صرف انصار میں ایک سو بیس ۱۲۰ صحابہ کو ملے ہیں (تہذیب ص۲۶۱ ج۶) پھر ان کی تقلید کیوں نہیں کی جاتی؟

قولہ ص۱۱۲ سطر۱: "اور تابعیت کی فضیلت ائمہ مجتہدین میں سے سوائے امام ابو حنیفہ رحمہ کے اور کسی امام کو حاصل نہیں ہوئی"

اقول: بلکہ امام صاحب سے پہلے کئی تابعین تھے جو سب مجتہد تھے۔ ذہبی تذکرہ میں پہلا طبقہ صحابیوں کا پھر کبار تابعین کا ذکر کر کے ص۶۰ ج الطبع ۲ میں لکھتے ہیں کہ

"وکان فی ھذا القرن الفاضل خلق عظیم من ائمۃ الاجتہاد"

اسی فضیلت والی صدی میں ائمہ مجتہدین کی بہت بڑی مخلوق موجود تھی۔

قولہ ص۱۱۲ سطر۱۳: "شیخ جلال الدین السیوطی تبییض الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ رحمہ میں لکھتے ہیں: قد الف الامام عبد الکریم الشافعی جزءً ا یروی الامام ابو حنیفۃ عن الصحابۃ" الخ

اقول: سیوطی نے اس رسالہ سے سند نہیں نقل کیں۔ ثانیاً خود سیوطی نے اس کو رد کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ

لکن قال حمزۃ السھمی سمعت الدارقطنی یقول لم یلق أبو حنیفۃ أحدا من الصحابۃ إلا أنہ رای أنسا بعینہ ولم یسمع منہ وقال الخطیب لا یصح لأبی حنیفۃ سماع من أنس (تبییض الصحیفۃ ص۱۳۱ بر ہامش کشف الاستار)

لیکن حمزہ سہمی کہتے ہیں کہ میں نے امام دارقطنی سے کہتے سُنا کہ امام ابوحنیفہ رح کسی ایک صحابی کو نہیں ملے انھوں نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا لیکن اس سے سُنا کچھ نہیں اور امام خطیب نے کہا کہ امام ابوحنیفہ رح نے انس سے نہیں سنا۔"

پھر حافظ عراقی سے نقل کرتے ہیں کہ

الإمام أبوحنيفة لم يصح له رواية عن أحد من الصحابة

(صفحہ مذکور)

امام ابوحنیفہ رح کی کسی ایک صحابی سے روایت صحیح نہیں ہے۔

پھر حافظ ابن حجر رح سے ثابت کرتے ہیں کہ جو بھی ایسی روایتیں ہیں جن میں امام ابوحنیفہ رح کی کسی صحابی سے روایت ہے۔ وہ صحیح نہیں۔ اور خود سیوطی ان کو ضعیف قرار دیتے ہیں، اور پھر جو اسانید نقل کی ہیں، ان میں سخت جروح واقع ہیں۔

قولہ ص ۱۴۱ "امام خوارزمی مسند میں فرماتے ہیں"

اقول:۔ مسند خوارزمی میں جتنی ایسی روایتیں مقدمہ میں مذکور ہیں ان کی سندیں سخت مجروح ہیں۔ کما مر۔ اور عجیب یہ ہے کہ خوارزمی نے دعویٰ کیا ہے کہ ابوحنیفہ رح کی صحابہ رض سے روایت علماء کا اتفاق ہے حالانکہ اقوال اہلِ شان اس کے خلاف وارد ہیں۔ کما ذکر۔

قولہ ص ۱۴۱ "وجہ دوم علم اور فہم اور استنباط اور زہد اور ورع اور تقویٰ میں ابوحنیفہ رح بے مثل اور بے عدیل تھے" الخ

اقول:۔ یہ غلو ہے۔ دوسرے بھی انہی صفات سے بدرجہ اتم موصوف تھے۔ بقیہ تین ائمہ کے متعلق حالات دیکھتے ہیں تو کچھ اور ہی معلوم ہوتا ہے۔ اور سب اسی میدان میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔ یہاں آپ نے تین بزرگوں کے اقوال ذکر کیے ہیں، امام شافعی رح کے متعلق تو پہلے بحث گذر چکی اور

سفیان ثوری کی طرف منسوب کیا ہوا یہ قول کسی کتاب میں نہیں پایا جاتا۔ البتہ علامہ سنبھلی نے تنسیق النظام ص۸ میں بعض علماء کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ اولاً نہ سند مذکور ہے نہ کتاب کا حوالہ ہے۔ ثانیاً بعض علماء کا پتا بھی نہیں کہ کون ہیں کس پائے کے ہیں کس سے نا کس سے نقل کیا۔ ایسی مہمل بات مقبول نہیں۔ ثالثاً اس کی تکذیب کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ امام سفیان ثوری امام ابوحنیفہ اور اہل الرای کی مجلس یا صحبت میں بیٹھنے سے ہی منع کرتے تھے (جیسا کہ اوپر بحوالہ تاریخ بغداد ص۴۰۲ ج۱۳ گذرا۔ اور علی بن عاصم کا قول "مناقب موفق" ص۱۸ ج۱ ص۲۴۳ ج۲ میں مذکور ہے۔ پہلی سند میں محمد بن شجاع الثلجی ہے جو مشہور کذاب جھوٹی حدیثیں بنانے والا اور غلط عقیدہ رکھنے والا تھا۔ اور قرآن کو مخلوق کہتا تھا۔ اس کا ترجمہ تہذیب ص۲۲۰ ج۹ اور میزان ص۱۷۷ ج۳ میں دیکھیں۔ اور دوسری سند میں وہی استاد ابومحمد بخاری سندید مرتی کذاب ہے جس کا حال اوپر بیان ہوا۔ نیز دونوں سندیں مجہول ہیں، ان کے راویوں کا کوئی پتا نہیں لگتا۔ ایضاً "کتاب المناقب" جس سے مصنف رسالہ اکثر نقل کرتا ہے۔ وہ خود معتبر نہیں کیونکہ اس کا مصنف موفق بن احمد الخوارزمی مشہور شیعہ تھا، اہل سنت میں سے نہیں۔ حافظ ذہبی "المنتقیٰ" ص۴۷۷ میں لکھتے ہیں کہ

نبھر د روایۃ الموفق خطیب خوارزم لاتدل علی الثبوت کیف وقد حشی تآلیفہ بالموضوعات التی یتعجب منہا المحدث الصادق ویقول سبحانک ھذا بہتان عظیم۔

صرف موفق کا کسی بات کو نقل کرنا اس کے ثبوت کی دلیل نہیں کیونکہ اس نے اپنی تصنیفات کو بناوٹی روایتوں سے بھر دیا ہے۔ جن کو سچا محدث دیکھ کر تعجب کرے گا اور یہی آیت پڑھے گا کہ (ترجمہ) اے مولا تیری شان پاک ہے یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔

اور دوسری جگہ ص۳۱۲ پر لکھتے ہیں کہ

لہ مصنف فی ھذا الباب فیہ من المکذوبات مالا یوصف

اس باب (مناقب اہل بیت) میں موفق کی ایک کتاب ہے اس میں اتنی جھوٹی

باتیں ہیں جو بیان سے باہر ہیں۔

اور ص۲۱ میں لکھتے ہیں کہ ان کی نقل کی ہوئی بات بالاتفاق دلیل نہیں بن سکتی۔ الحاصل موفق کی روایتوں پر کوئی اعتماد نہیں ہو سکتا ہے۔

قولہ ص۱۱۹ "اس زمانہ کے علماء اور مشائخ نے جو جو ابو حنیفہ کے علم اور عقل اور فہم اور استنباط الخ

اقول:۔ اکثر روایتیں سب اس موفق کی کتاب سے لی جاتی ہیں جس کی نقل پر کوئی بھروسہ نہیں۔

ایضاً امام صاحب کے ہم زمان کبار نے جو آپ کے حق میں کیا ہے اس کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔ ایضاً ہم بھی آپ کو مشورہ دیتے ہیں کہ ائمہ ثلاثہ مالک شافعی اور احمد کے مناقب پر کئی تصانیف جمع ہیں ان کو دیکھیں پھر مقابلہ کریں خاص کر ابن عبد البر کا "الانتقاء" جس میں تین اماموں ابو حنیفہ، مالک اور شافعی کا ذکر ہے سہ

ستبدی لک الأیام ماکنت جاھلا

یاتیک بالأخبار مالم تزود

ایضاً تواتر کا دعویٰ تو بجائے خود بڑا اختلاف رہا۔ تاریخ بغداد میں امام صاحب کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

قولہ ص۱۱۶ "وجہ سوم" الخ۔

اقول:۔ اس وجہ میں مصنف نے یہ ذکر کیا ہے کہ سب سے پہلے امام صاحب نے شریعت کو مدون کیا۔ اس کی بنیاد سیوطی کی کتاب "تبییض الصحیفہ" کی ایک عبارت پر ہے جس کے ترجمہ میں مصنف لکھتا ہے کہ

"بعض علماء نے جنھوں نے مسند ابی حنیفہ کو جمع کیا ان کا قول ہے کہ ابو حنیفہ کے ان

مناقب میں سے جس کی بنا پر وہ منفرد ہیں ایک منقبت یہ ہے کہ ابوحنیفہ رم ہی "اول شخص ہیں جنھوں نے علم شریعت کو مدون کیا" الخ

اور یہ عبارت دراصل مسند الخوارزمی سے لی گئی ہے جو کہ اسی میں ص۳۳ ج ا پر مذکور ہے۔ لیکن صاحب رسالہ نے بلا تحقیق ایسے ہی لکھ دیا تحقیق نہیں کی کہ خوارزمی کے اس کلام کی بنا کس پر ہے۔ سو اس نے چار دلیلوں پر اس کی بنا رکھی ہے۔ ہم ان کو نقل کر کے حقیقت پیش کرتے ہیں تاکہ اصل بات معلوم ہو جائے۔ پہلی دلیل یہ ہے قال انبانی الشیخ الثقۃ احمد بن المفرج بن احمد بن مسلمۃ بدمشق عن ابی الفتح محمد بن عبدالباقی اجازۃ عن ابی الفضل بن خیرون عن القاضی الصیمری قال اخبرنا عمر بن ابراھیم حدثنا مکرم اخبرنا احمد بن عطیۃ حدثنا ابوسلیمان الجوزجانی قال لی احمد بن عبداللہ قاضی البصرۃ نحن البصریون بالشروط من اھل الکوفۃ فقلت لہ ان الانصاف بالعلماء احسن انما وضع ھذا ابوحنیفۃ فانتم زدتم ونقصتم وحسنتم الالفاظ ولکن ھاتوا شروطکم وشروط اھل الکوفۃ قبل ابی حنیفۃ فسکت ثم قال التسلیم للحق اولی من المجادلۃ فی الباطل۔" اور یہ روایت ہی بناوٹی ہے اولاً احمد بن عطیہ بے شرم جھوٹا ہے جس کے متعلق حافظ ابن عدی نے کہا کہ جھوٹی روایتیں نقل کرنے میں ایسا بے شرم کوئی دوسرا نہیں۔ اس کا ترجمہ اوپر بیان ہوا۔ ثانیاً عمر بن ابراہیم بھی جھوٹا ہے امام دارقطنی نے کہا ہے کہ "کذاب خبیث" اور خطیب نے "غیر ثقہ" کہا ہے (میزان ص۲۲۹ ج۲) اور ابن عقدہ نے ضعیف اور ابن القطان نے مجہول کہا ہے۔ (لسان ص۲۸۰ ج۴) ثالثاً محمد بن عبدالباقی بذات خود معتزلی تھا۔ اور دینی معاملہ میں پختہ نہ تھا (لسان ص۲۴۱ ج۵) رابعاً نیز

سنا ئیں بعض رواۃ مجاھیل ہیں۔ پس ایسی جھوٹی روایت پر اعتماد رکھنا اہلِ علم کا کام نہیں۔ نیز اس کے الفاظ بھی کافی تردید کرتے ہیں۔ مثلاً "زدتھم ونقصتھم وحسنتم الالفاظ" اس سے ظاہر ہے کہ علی التقدیر امام صاحب کا مدون علم ناقص اور قابل اتمام تھا اور نیز اس میں بعض ایسے غلط فتوے تھے جس کو نکالا گیا۔ اور بعض الفاظ اچھے نہیں تھے ان کو درست کیا گیا۔ اس سے ص۱۸۵ پر زیرِ عنوان "خلاصہ کلام" آپ نے جو کچھ لکھا ہے سب باطل ہو گیا۔ کیونکہ امام صاحب نے بھی دین کا اتمام نہیں کیا۔ دوسری دلیل ابن سریج کا قول نقل کیا ہے۔ لیکن وہ بلا سند اور اس میں بھی یہ ہے امام صاحب کے علم کو بعض نے خطاء کہا بعض نے صواب (مسند الخوارزمی ص۳۵ ج ۱) جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے علم پر لوگ متفق نہیں تھے۔ اور آپ کا علم قابلِ تقلید نہیں بلکہ قابل تحقیق و تنقید تھا۔ اور تیسری دلیل ابوبکر رازی کا قول ہے حالانکہ جو اس نے کہا ہے وہ خود دلیل کا محتاج ہے چہ جائیکہ اس کا قول دلیل سمجھا جائے۔ اور چوتھی دلیل امام شافعی کی طرف منسوب قول کہ "الناس عیال علی ابی حنیفۃ" حالانکہ پہلے اس کی تحقیق ہو چکی ہے کہ یہ قول سنداً امام شافعیؒ سے ثابت نہیں۔ خوارزمی نے جس سند سے نقل کیا ہے اس میں وہی بے شرم جھوٹا ابن الصلت ہے۔ یہ تھی حقیقت اس عبارت کی جس پر بناء رکھی گئی۔ ایضاً یہ ایسی تصنیف تھی جو دنیا میں یادگار رہتی اور امام صاحب کے علم کا پتا دیتی۔ لیکن وہ کہاں غائب ہو گئی؟ ایضاً خود امام شافعیؒ کو اس کا اول بانی کہا گیا ہے چنانچہ حیوٰۃ الحیوان ص۲۱۳ ج ا میں علامہ دمیری لکھتے ہیں کہ "وھو اول من تکلم فی اصول الفقہ واستنبطہ اھ۔ یعنی سب سے پہلے امام شافعیؒ ہی نے اصول فقہ پر کلام کیا اور فقہ کا استنباط کیا۔

قولہ ص۱۱۹ سطر ۲ وجہ چہارم الخ

اقول: یہاں یہ ذکر کیا ہے کہ امام صاحب نے چالیس ارکان دوسرکار کے مشورہ سے فقہ کو

مدون کیا۔ پھر لکھتے ہیں کہ

"مسائل کا چالیس علماء و صلحاء کے مشورہ سے طے پانا یہ فقہ حنفی کی خاص خصوصیت اور خصوصی امتیاز ہے بخلاف فقہ مالکی اور فقہ شافعی اور فقہ حنبلی کے سو وہ امام مالکؒ اور امام شافعی رح اور امام احمد کی شخصی رائے اور ذاتی "اجتہاد" کا ثمرہ ہے۔ اس نوع کی مجلس کسی امام اور مجتہد کو نصیب نہیں ہوئی" صفحہ ۱۲ اس

اولاً اس واقع کا صحیح سند سے ثبوت چاہیے۔ ثانیاً یہ کتاب کہاں گم ہو گئی۔ کیا موجودہ فقہ حنفی اس کے خلاف ہے؟ علماء حنفیہ جن میں بقول شما بڑے علما و فقہا اور محققین گذرے۔ اور مذہب احنفیہ کو امراء و سلاطین کی حمایت رہی پھر بھی کیوں نہیں محفوظ رہا؟ ثالثاً جن چالیس ساتھیوں کے مشورہ سے مسائل جمع کیے گئے کیا سب نے اتفاق کر کے لکھا یا ان کا اختلاف رہا۔ علی الاول خلاف واقع ہے کیونکہ ان سب ائمہ کا آپس میں اختلاف مشہور ہے۔ وعلی الثانی پھر اجتہاد کی ضرورت ہوگی۔ کیا خبر کہ کونسا قول صحیح اور مدلل ہے لامحالہ آیت "فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ والرسول" پر عمل ہوگا۔ رابعاً بر ایں صورت یہ مذہب حنفی تو نہ ہوا بلکہ شورائی مذہب ہوا۔ خامساً اگر کہو گے کہ اس کتاب کے مسائل فقہ حنفی کی کتابوں میں مشورہ ہیں تو بھی غلط ہوگا اس لیے کہ فقہ میں امام صاحب کے کئی مختلف اقوال ہیں۔ اگر ایسی کوئی کتاب تصنیف کی ہوئی ہوتی اور فقہ کی کتب اس سے ماخوذ ہوتیں تو امام صاحب سے ایک ہی روایت ہوتی۔ سادساً اگر کہو گے کہ ان میں بعض مرجوع عنہ اقوال ہیں لہٰذا وہ منسوخ ہیں تو بھی کارآمد نہ ہوگا کیونکہ خبر نہیں کونسا پہلا قول ہے کونسا ثانی اور کونسا ناسخ ہے کونسا منسوخ کیوں کہ اصل کتاب موجود نہیں لہٰذا یہ مذہب موہوم ہوا۔ سابعاً علی التقدیر اگر اس بلا سند واقع کو تسلیم بھی کر لیں۔ تو بھی مجبوراً کہنا پڑیگا

کہ موجودہ فقہ حنفی اسس کے خلاف ہے۔ ورنہ حنفیہ اس کو محفوظ رکھتے۔ کیونکہ فقہ کا اصل و ماخذ تو
بقول شما یہی ہے۔ ہم چیلنج کرتے ہیں کہ وہ اصل کتاب لائیں۔ مگر قیامت آجائے گی علماء حنفیہ وہ کتاب
نہیں لاسکتے۔ ثانیاً بلکہ اسس کا محفوظ نہ رہنا مشیت ایزدی ہے جس کا کوئی مسلم انکار نہیں کرسکتا ہے۔
اسس کے چند فوائد بھی ہیں۔ ایک یہ کہ پوری دنیا کے لیے جو کتاب ماخذ کی حیثیت رکھتی ہو وہ قرآن
حدیث ہے۔ اسس کے ساتھ شرکت کسی کی خدا کو منظور نہیں۔ دوم یہ کہ اگر یہ قابلِ اتباع و واجب الاخذ
ہوتا۔ تو خدا تعالیٰ اس کی حفاظت کا انتظام کرتا۔ سوم یہ کہ ایسی کتابوں کو محفوظ نہ رکھنا صاف بتاتا ہے
کہ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں کہ میرے بندے تقلید کے پھندے میں رہیں۔ بلکہ اجتہاد کریں۔ تاسعاً مشورہ
سے مسائل طے کرنا ہماری اسس بات کو تقویت دیتا ہے کہ جہاں نص نہ ملے تو دوسرے علماء سے
مشورہ کیا جائے تاکہ کہیں نہ کہیں دلیل مل جائے نہ کہ ایسے وقت قیاس کیا جائے۔ عاشراً علی التقدیر
اس وجہ سے حنفی مذہب کی ترجیح ثابت ہونا تو کجا بلکہ معاملہ برعکس ہے۔ اور کہنے والا کہہ سکتا ہے
کہ دوسرے ائمہ بذاتِ خود مسائل وضع کرنے کی قدرت رکھتے تھے اور ان کے علم کو بھی دنیا
نے قبول کیا۔ لیکن امام ابوحنیفہ رح بذاتِ خود ایسی قدرت نہیں رکھتے تھے۔ جب ہی تو دوسروں
سے مشورہ کیا۔ لہٰذا انہی کا مذہب راجح ہوگا۔

تنبیہ ۔ مصنف رسالہ نے صـ۲ اسـ۲ پر جو لکھا ہے کہ چالیس کا عدد
"یاایھا النبی حسبك الله ومن اتبعك من المؤمنین" کے مطابق ہے۔
اس پر بھی بحث ہے۔ اوّلاً یہ بات ہی صحیح نہیں تفسیر ابن کثیر صـ۳ ج۲ میں ہے کہ

وقد روی عن سعید بن المسیب وسعید بن جبیر أن هذه
الآیة نزلت حین اسلم عمر بن الخطاب وکمل به الأربعون
وفی هذا نظر لأن هذه الآیة مدنیة واسلام عمر کان بمکة

بعد الهجرة الی ارض الحبشة وقبل الهجرة الی المدینة

واللہ اعلم۔

سعید بن المسیب اور سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لایا اور اس کے اسلام سے چالیس مسلمانوں کا عدد پورا ہوا۔ لیکن اس بات میں تأمل و تنظر ہے۔ اس لیے کہ یہ آیت مدنی ہے اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام مدینہ کی طرف ہجرت سے پہلے مکہ میں ہوا تھا۔

وھکذا فی تفسیر جامع البیان للسید معین الدین ص۱۵۱ حاشیہ جلالین وتفسیر المنار ص۸۶ ج۱۰۔ ثانیاً علی التقدیر اس پر قیاس بھی غلط ہے۔ کیونکہ یہ عدد اس اعتبار سے تھا۔ کہ وہ مؤمن تھے اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متبع تھے۔ اور یہاں تو امام صاحب کے ہم پلہ اور اپنے اجتہاد سے رد وقدح کرنے والے تھے۔

قولہ ص۱۲ س۹" وجہ پنجم"

اقول:۔ اس وجہ میں مصنف لکھتا ہے کہ

دقت نظر کی وجہ سے علماء کی جو نکتہ چینی فقہ حنفی پر ہوئی وہ کسی فقہ پر نہیں ہوئی۔ حالات اور واقعات سے صاف روشن ہے کہ اس زمانہ کے تمام محدثین اور فقہاء کی نظریں صرف ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فقہ پر رہی تھی۔ اور فقہ ابی حنیفہ ہی سب کا نشانہ بنا ہوا تھا" ص۱۲ س۱

ہر ایک جانتا ہے کہ کسی چیز کی تنقید پر محدثین وفقہاء کا مجتمع ہونا اور سب اس کو نشانہ بنائیں یہ اس کی توہین اور تردید کے لیے کافی ہے۔ جب خود مانتے ہو کہ اتنی تنقید کسی پر نہیں ہوئی جس کا مطلب ہوا

کہ دوسری فقہیں بنسبت فقہ حنفی کے محدثین و فقہاء کے نزدیک کہیں بہتر اور اچھی تھی پھر مصنف رسالہ اس وقت ہر قسم کے علماء کی کثرت کا ذکر کرکے لکھتا ہے کہ

"ایسے ماحول میں فقہ حنفی مدون ہوئی کہ علوم و فنون کے علماء و فضلاء کی نظروں کا نشانہ بنی ہوئی تھی گویا کہ محدثین اور مفسرین اور اولیاء و عارفین کی نظر میں سوا فقہ حنفی کے کوئی اور فقہ قابل التفات ہی نہ تھی۔" ص۱۲ س۱

لیکن پھر بھی تنقید و تردید کی۔ جیسا کہ آپ نے خود تصریح کی۔ پس جو فقہ علماء فقہاء مفسرین اور اولیاء کی نظر میں قابل تنقید اور ان کا نشانہ بنا ہوا ہو۔ تو یہ اسکی ترجیح دینے کے بجائے مرجوح بناتا ہے۔ اور برعکس یہ وجہ تو دوسری فقہوں کو ترجیح دیتی ہے۔

قولہ ص۱۲ س۵ "وجہ ششم"

اقول :۔ اس وجہ میں ذکر کیا ہے کہ

"بسیط ارض پر جس قدر امت محمدیہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آباد ہے اس آبادی کا دو ثلث (دو تہائی) حصہ امام اعظم ابو حنیفہ رح کی مقلد اور متبع ہے۔ اور ابو حنیفہ رح کے توسط سے کتاب و سنت کا اتباع کر رہی ہے اور خدا تعالیٰ تک پہنچ رہی ہے اور بقیہ ایک ثلث میں تینوں امام امام مالک رح امام شافعی رح امام احمد رح سب شریک ہیں۔" الخ

لیکن علامہ مفتی شفیع صاحب دیوبندی نے مقدمہ منجد اردو ص۱۲ میں تصریح کی ہے کہ امام شافعی آدھی دنیا کا متبوع امام ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ باقی مذاہب جن میں تین مذاہب حنفی، مالکی اور حنبلی کے علاوہ جتنے فرقے ہیں مثلاً جہمیہ معتزلہ قدریہ شیعہ، قادیانی بہائی یہودی نصرانی

مجوسی، سکھ، بدھ دھرم وغیرہ سب فرقے آجاتے ہیں۔ اب غور کریں کہ حنفی مذہب کی آبادی کتنے حصہ میں باقی رہی ؟ ثانیاً اکثریت کوئی دلیل نہیں جس سے کسی چیز کی حقانیت معلوم ہو۔ قرآن میں ہے کہ :- " ان تطع اکثر من فی الارض یضلوك عن سبیل اللہ (الانعام ع ۱۴) بلکہ اگر اس کو تسلیم کیا جائے تو بھی بوجہ کثرت مذہب شافعی راجح رہا۔ ثالثاً اکثریت کو دلیل کہیں گے تو لازم آئے گا کہ جس علاقہ میں جو مذہب زیادہ ہو (جیسا کہ آپ نے بھی کچھ ایسی تفصیل لکھی ہے) وہاں وہی راجح اور حق ہوگا۔ رابعاً بلکہ یہ لازم آئے گا کہ کسی بھی مذہب والا اگر ایسی جگہ پر جائے جہاں دوسرے مذہب کے اتباع کی کثرت ہو اس کو اختیار کرے۔ خامساً اس سے تو قرآن مجید کی آیت " فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول " کا حکم باطل ہو جاتا ہے کیونکہ آیت اس قول و مذہب کو ترجیح دیتی ہے جو قرآن و حدیث سے موافق ہو۔ اور آپ کا کہنا ہے کہ جس کو کثرت حاصل ہو لہٰذا یہ وجہ بوجہ خلاف ہونے آیت قرآنی کے باطل ہوئی اور پھر صفوں والی حدیث سے ہی اس کی تشبیہ صحیح نہیں۔ اس لیے کہ اس کی بنا کثرت پر ہے، اور وہ شافعیہ کو حاصل ہے۔ کما مر۔ ایضاً یہ غلو اور تجاوز ہے کیونکہ اس کا مطلب کہ بوجہ کثرت قیامت کے روز حنیفوں کی صفیں دوسری صفوں میں بلحاظ مرتبہ راجح ہوں گی۔ حالانکہ ان صفوں میں نہ صحابہ رضی ہوں گے نہ تابعی کیونکہ امام صاحب ان کے بعد آئے ہیں۔ پس کیا حنفیہ کی صفیں صحابہ رضی و تابعین کی صفوں سے افضل ہوں گی؟ نعوذ باللہ من ہذا الغلو۔ بلکہ برعکس یہ معلوم ہوا کہ دوسری صفیں اس سے راجح ہیں۔ فتدبر!۔

قولہ صفحہ ۱۲۲ سطر ۰ " وجہ ہفتم "

اقول :- اس کو یوں بیان کیا ہے کہ

" شریعت کے اصول اور قواعد کا انضباط اور استحکام اور جامع " " ومانع ہونا

جس قدر فقہ حنفی میں پایا جاتا ہے دوسرے مذاہب میں'' اس کی نظیر تو درکنار اس کا عشر عشیر بھی نہیں'' الخ

یہ بات تو آپ ان کو بتا سکتے ہیں ۔ جن کا علم نور الانوار و مسلم الثبوت سے آگے نہیں ۔ لیکن جن کو سب کی کتابوں کا مطالعہ نصیب ہوا ہے وہ آپ کی اس بات پر کوئی توجہ نہیں دیں گے کیونکہ سب نے اپنی حسب طاقت کوشش کی ہے ۔ مالکی مذہب میں ابن حاجب کی کتابیں دیکھیں ۔ شافعی میں شرح المہذب للنووی وغیرہ اور حنبلی میں المغنی وغیرہ دیکھیں پھر موازنہ کریں ۔ بالخصوص امام ابن حزم کی کتاب'' المحلی'' پھر'' الاحکام فی اصول الاحکام'' مطالعہ کریں پھر اندازہ کریں کیا انھوں نے کمی کی ہے ۔ اس طرح اگرچہ بعض شوافع نے حنفیت اختیار کی ہے ۔ تو کئی حنفیوں نے حنفیت کو چھوڑ کر بعض نے شافعیت کسی نے مالکیت کسی نے حنبلیت اور کسی نے مسلک اہل حدیث اختیار کیا ہے ۔ جیسا کہ طبقات کی کتابوں سے ظاہر ہے اور لکھنوی نے'' الفوائد البہیہ'' ص۱۷۰ میں شمس الدین ابن الصائغ کا حنفیت کو ترک کر کے شافعی بننا ذکر کیا ہے ۔

قولہ ص۱۲۲ س۱۶ '' وجہ ہشتم ''

اقول : ۔ اس وجہ میں صرف جامعیت ذکر کی ہے لیکن یہ تو سب میں موجود ہے ۔ اور کسی اہل علم سے مخفی نہیں ، ہاں فقہ حنفی میں بعض ایسی جزئیات ہیں جن کا وجود میں آنا اب تک ممکن نہیں اور ایسے مسائل پوچھنے سے ابن عمر رضی اللہ عنہ منع کرتے تھے اور امیر عمر رضی اللہ عنہ ایسے مسائل جو کہ ہوئے نہ ہوں ان کے پوچھنے والے پر لعنت بھیجتے تھے (حجۃ اللہ البالغہ ج۱ ص۱۴۷)

پھر مصنف لکھتا ہے کہ

'' پھر یہی وجہ ہے کہ سلاطین عالم اکثر حنفی ہی رہے ۔''

لیکن یہ صرف اس لیے کہ فقہ حنفی میں کئی ایسے مسائل ہیں جن سے بادشاہوں اور امیروں

کے مظالم کو تقویت پہنچتی ہے۔ اور ان کی من مانی پوری ہوتی ہے مثلاً جبریہ طلاق کا مسئلہ پس جب بادشاہ یا امیر کو کسی کی بیوی پسند آگئی اس کو دھمکی دے کر طلاق دلوا دی۔ اور بموجب مذہب حنفی طلاق پڑ گئی اور اس کا مطلب پورا ہو گیا۔ اور باقی تین مذہبوں شافعی مالکی حنبلی کی فقہوں کے مطابق طلاق واقع نہیں ہوئی۔ اب سوچیں کہ سلاطین و امراء کے ہاں کونسا مذہب مقبول ہو سکتا ہے۔ اور کون سی فقہ ان کے ہاں قابل عمل ہو سکتی ہے؟ ثانیاً یہی مذہب حنفی کے پھیلنے کی وجہ ہے کہ سلاطین و امراء کی وجہ سے کئی لوگ حنفی ہوئے۔ مثلاً ابو المناقب الواعظ پہلے شافعی تھے صرف بادشاہ کے ہاں جاہ و مرتبہ حاصل کرنے کی خاطر اس نے حنفیت اختیار کی۔ کمافی الجواہر المضیئہ للقرشی الحنفی" صنف ج ۲ اور امام ابو یوسف کے ہارون رشید کے زمانے میں قاضی مقرر ہونے سے بھی امام ابو حنیفہ رحمہ کا مذہب عراق خراسان اور ما وراء النہر کے علاقوں میں ظاہر و مشہور ہوا (حجۃ اللہ البالغہ ص۱۴۶ ج ۱) پس کسی مذہب کا سلطنت و حکومت کے زور سے شائع و مشہور ہونا اس کے راجح ہونے یا مقبولیت کی دلیل نہیں۔ بلکہ راجح وہی ہے جو کسی زور کے بغیر مقبول ہو۔

قولہ ص۱۳ ۲ "وجہ نہم"

اقول :۔ اس وجہ میں مصنف رسالہ نے یہ لکھا ہے کہ ائمہ نے امام ابو حنیفہ رحمہ کی فقہ سے استفادہ کیا ہے حالانکہ گذشتہ صفحات میں ثابت کیا گیا کہ استفادہ کی نسبت صحیح نہیں۔ بلکہ اکثر ائمہ نے مخالفت کی۔ ایضاً خود آپ نے بھی وجہ نہم میں ذکر کیا ہے کہ اکثر ائمہ تفسیر و حدیث و فقہ اور اولیاء اللہ سب نے اس پر تنقید کی ہے۔ پھر لکھتا ہے کہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہ نے قاضی ابو یوسف اور امام محمد کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ حالانکہ اس کی تردید بھی گذر چکی ہے۔ اسی طرح امام بخاری کی طرف جو استفادہ کی نسبت ہے اس کی بھی حقیقت ظاہر کر دی گئی۔

قولہ ص ۱۱/۱۲۳ "کتاب و سنت کے اصول و فروع اور شریعت کے کلیات اور جزئیات کو جس طرح امام ابوحنیفہ رح نے مبوب اور مرتب کیا ہے۔ دنیا میں اس کی نظیر تو کیا عشر عشیر بھی نہیں ہے"

اقول: لیکن یہ اتنی اہم کتاب دنیا میں کہیں موجود بھی ہے؟ بقول شما اکثریت حنفیوں کی اور سلاطین و امراء کی پشت و پناہ بھی حنفیت کو حاصل تھی پھر کہاں غائب ہو گئی۔

قولہ ص ۱۳/۱۲۳ "صحیح بخاری باوجود جامع صحیح ہونے کے شریعت کے تمام اصول و فروع کو حاوی نہیں" الخ

اقول:۔ ان کے ابواب و تراجم میں اکثر مسائل آ جاتے ہیں بعض مسائل دوسری کتب حدیث میں مذکور ہیں۔ اور بحمد اللہ متبع السنۃ اہل الحدیث کو فن حدیث کی کتابیں دوسری کتابوں سے مستغنی کر دیتی ہیں۔

قولہ ص ۱۶/۱۲۳ "اور نہ عبادات اور معاملات کے تمام مسائل معلوم ہو سکتے ہیں مثلاً نماز کے فرائض اور واجبات اور سنن اور مستحبات کی تفصیل جیسے ائمہ اربعہ کی فقہ سے ہو سکتی ہے۔ وہ صحیح بخاری اور جامع ترمذی کے ابواب سے معلوم نہیں ہو سکتی"

اقول:۔ اس میں فقہ حنفی کی خصوصیت نہیں۔ ابھی آپ نے خود چاروں فقہوں کا ذکر کیا ہے۔ اور یہ وجہ فقہ حنفی کی ترجیح کے لیے نہیں رہی۔ ثانیاً مسائل کی تفصیل اگر احادیث میں نہیں ہے تو فقہ کی بنا پھر کس پر رہی۔ اور اگر ہے تو پھر کیوں نہیں مل سکتی۔ ثالثاً یہ سب عدم مطالعہ کی بنا پر ہے ورنہ کتب حدیث کا مطالعہ کرنے والا اور نبوی سرچشمہ سے براہ راست مستفیض ہونے والا دوسری کتابوں کا محتاج نہیں رہتا۔ رابعاً ان چار کے علاوہ شیعوں کی فقہ میں بھی مسائل کی تفصیل ملتی ہے۔ دیکھو من لا یحضرہ الفقیہ اور اصول کافی

اور" فروع کافی" اور "تحفۃ العوام" وغیرہ ان میں مسائل مفصل مذکور ہیں پس کیا اس فقہ کو بھی تفصیل کی بناء پر ان چار فقہوں کے ہم پلہ قرار دو گے؟ خامسًا علماء اہل حدیث نے جو مسائل کی کتابیں لکھی ہیں۔ مثلاً "المحلی" و "الاحکام لابن حزم" "الدرر المضیئۃ" و "ارشاد الفحول" للشوکانی "الروضۃ الندیۃ" و "حصول المامول" النواب جن میں مسائل اصولیہ خواہ فروعیہ بالتفصیل موجود ہیں اور بدون تقلید مذہب کے اور بلا رو و رعایت کسی رائے کے دلائل کے ساتھ جمع کیے گئے ہیں۔ کیا وہ ان فقہوں سے بھی کم ہیں۔ سادسًا دراصل اس باب میں کتب احادیث کو اہل علم ترجیح دے گا۔ کیوں کہ ان میں ابواب کے اندر مسائل پھر ان کا استدلال احادیث سے کیا گیا ہے جن کو اللہ نے تحقیق کے زیور سے مزین کیا ہے۔ اور تقلید کے پھندے سے بچایا ہے۔ وہ اسی سے استفادہ کریں گے مگر جن کے اندر کاہلی اور خواہ مخواہ "لا اسلم" کا وظیفہ ان کی زبان پر ہے وہ اس تکلیف کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔ بلکہ وہ صرف فقہی ابواب پر کفایت کریں گے۔ ان کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ روایات دیکھیں پھر ان کی اسانید کی تحقیق کریں۔ اور پھر ثابت ہو چکا ہے کہ مقلد عالم نہیں پس بے علم کا کام ہے کہ صرف اقوال پر قناعت کرے۔

قولہ ص ۱۲۳ سطر ۱۹: نیز امام بخاری کا مقصد صحیح بخاری میں روایت اور درایت دونوں کو جمع کرنا ہے۔ (الی قولہ) یہ سب امام ابو حنیفہ کی مدح میں رطب اللسان ہیں ص ۱۲۴ سطر ۱۱

اقول: الحمد للہ اتنا تو مان لیا کہ بخاری شریف روایت و درایت دونوں کو جامع ہے۔ پھر کیا ضرورت پڑی ہے۔ کہ ان کتب حدیث کو چھوڑ کر فقہی کتابوں کو دیکھا جائے۔ باقی یہ الزام پہلے غلط کر دیا گیا ہے کہ امام بخاریؒ نے اہل الرای کی کتابوں سے استفادہ کیا۔ اس طرح اس کی بھی تردید ہو چکی کہ امام بخاریؒ کے استاد یحییٰ بن معین رحمہ اور احمد بن حنبلؒ ابو یوسف کے شاگرد ہیں یا امام محمد کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے بلکہ انھوں نے ان ہر دونوں پر جرح کی ہے۔

دیکھو لسان المیزان ص۱۲۲ ج ۵ ص۳۰۱ ج ۶ اور امام احمد رح نے تو صاف تصریح کر دی کہ امام ابو حنیفہ رح کے ساتھیوں کو علم حدیث میں کوئی بصیرت حاصل نہیں۔ کما مر۔ ایضاً امام شافعی کی طرف امام محمد رح سے بقدر بختی اونٹ علم لینے کی نسبت بھی صحیح نہیں۔ کما مر۔ اور جن محدثین کے نام لیے ہیں کہ وہ امام صاحب کی مدح میں رطب اللسان ہیں۔ وہ اکثر آپ پر جرح و قدح کرتے تھے جیسا کہ تفصیل کے ساتھ اوپر گذرا۔ مزید تفصیل کے لیے تاریخ بغداد کا مطالعہ کریں۔ خلاصۂ کلام یہ بھی ترجیح کی وجہ نہیں۔ ایضاً امام ابو حنیفہ رح نے حماد بن ابی سلیمان سے استفادہ کیا۔ اور دوسروں سے بھی کیا پس ان کی فقہ کو امام صاحب کی فقہ پر ترجیح کیوں نہیں دیتے؟ مثلاً حماد بن ابی سلیمان کا قول ہے کہ جو شخص صف کے پیچھے اکیلا کھڑا ہو وہ نماز واپس لوٹا دے (سنن ترمذی ص۵) اور فقہ حنفی اس کے خلاف ہے۔ اب کس کو ترجیح دو گے؟

قولہ ص۱۲ س۱۱ " نیز امام بخاری رح کی اعلیٰ ترین روایت ان کی بائیس ثلاثیات ہیں۔ (الی قولہ) اب فرق کا تو اندازہ کرو۔"

اقول :- ہم نے اندازہ کر لیا ہے کہ ایک طرف حدیث و اقوال الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں دوسری طرف محض رائے اور قیاس ہے۔ فرضینا قسمۃ الجبار فینا۔ وہی بات ہے جس کی خواہ مخواہ تکرار کی گئی ہے۔ اور اس کا تفصیلی جواب پہلے گذر گیا۔ سند کا عالی یا نازل ہونا ثانوی درجہ رکھتا ہے۔ مگر دراصل امر سند کی صحت پر موقوف ہے۔ اور دنیا مانتی ہے کہ سب سے صحیح سند احادیث بخاری کی ہے۔ اتنا ہی اس کی ترجیح کے لیے کافی ہے۔ ایضاً صحیفہ ہمام بن منبہ چھپ چکا ہے جس میں صرف وحدانی روایات ہیں۔ کیا آپ اس کو امام صاحب کی روایات پر ترجیح دیں گے؟ ایضاً اس کے علاوہ سلف میں کئی سنن مسانید اور جوامع تھے۔ مثلاً سنن سعید بن منصور سنن ابن جریج سنن ابی قرۃ موسیٰ بن طارق

الزبیدی مسند ابی داؤد الطیالسی مسند حمیدی، مسند اوزاعی اسی طرح مصنفات سفیان ثوری حماد بن سلمۃ ہشیم ابن المبارک اور جریر بن عبد الحمید العبسی وغیرہم۔ جن کی اسانید ثنائی و ثلاثی ہیں کیا ان کو بھی امام ابو حنیفہ رحمہ کے برابر کہو گے۔ یا ان کی کتابوں کو امام صاحب کی فقہ یا مسند کے برابر کہو گے؟

قولہ ۱۲۵ صفحہ ۱۲ "وجہ دہم"

اقول :۔ یہاں ایک حدیث کا ترجمہ یوں ذکر کیا ہے کہ

"جب یہ آیت واٰخرین منہم لما یلحقوا بہم نازل ہوئی تو اس وقت" "سلمان فارسیؓ ہم میں موجود تھے۔ ہمارے بار بار پوچھنے پر حضور پُر نور" "نے سلمان فارسیؓ پر اپنا ہاتھ رکھ کر ارشاد فرمایا کہ ایمان ثریا پر بھی" "ہوتا (اتنا بلند ہوتا جتنا کہ ثریا خاک ثریٰ سے بلند ہے) کوئی شخص یا" "یہ فرمایا کہ ایک شخص ان اہل فارس میں سے اس کو پہنچ جاتا یعنی اس کو لے لیتا"

پھر جلال الدین سیوطی کے حوالہ سے اس حدیث کا مصداق امام ابو حنیفہ رحمہ کو بتاتے ہیں۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں لوجوہ۔ اولاً روایت میں جمع کا لفظ ہے یعنی "رجال" ہے جس روایت میں رجل اور رجال شک سے وارد ہے وہ دوسری روایتوں جن میں رجال بلا شک مروی ہے ان سے تعیین ہو جاتی ہے۔ خود صحیح بخاری میں اسی حدیث کے بعد دوسری روایت ابو ہریرہؓ سے ہے جس میں جمع کا لفظ ہے کہ "لنالہ رجال من ھؤلاء" اسی طرح صحیح مسلم ۳۱۲ ص ج ۲ سنن ترمذی ص ۲۳۲ ج ۲۔ نسائی ص ج میں ابو ہریرہ رضہ کی روایت ہے، اور حافظ ابو نعیم اصفہانی نے تاریخ اصفہان کی ابتدا میں ابو ہریرہ رضہ کی روایت متعدد سندوں سے ذکر کی ہے۔ سب میں بلا شک جمع کی

تعین ہے۔ اسی بنا پر فتح الباری ص۴۵۳ ج ۸ اور عمدۃ القاری ص۲۳۷ ج ۱۹ منیر یہ میں بھی اس کو متعین قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح ابو نعیم نے دیگر صحابہؓ ابن مسعودؓ، جابر ابن عبداللہؓ، سلمانؓ، عائشہؓ اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم سے بھی یہ حدیث نقل کی ہے۔ سب میں جمع کا لفظ بلاشک مذکور ہے۔

اور سیوطی نے "تبیض الصحیفۃ" میں بحوالہ القاب الشیرازی قیس بن سعد کی حدیث ذکر کی ہے۔ اس میں بھی جمع کا لفظ ہے۔ کسی حدیث میں "رجال" کسی میں "رجال من ابناء فارس" کسی میں "قوم من اھل فارس" الفاظ مذکور ہیں۔ پس کسی ایک کا سوال نہیں رہا۔ اور امام ابو حنیفہ رح کی خصوصیت نہیں رہی۔ نیز ابو نعیم رح کی ایک روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں۔

لو کان ھذا الدین معلقاً بالنجم لتمسك بہ قوم من اھل فارس برقۃ قلوبھم۔

اگر یہ دین ستارہ کے ساتھ معلق ہوتا تو بھی فارسیوں کی ایک قوم رقتِ قلبی کے ساتھ اس کو پکڑ لیتی (حاصل کر لیتی)

یہ اخیری جملہ قطعی طور پر فیصلہ کرتا ہے کہ جمع کا لفظ ہے۔ اس پر جو مصنف رسالہ نے عذر پیش کیا ہے کہ

"لفظ مفرد یعنی لنالہ رجل کی روایت میں اصل ابو حنیفہ کی طرف اشارہ ہے اور" "لنالہ رجال لفظ جمع والی روایت میں آپ کے اصحاب اور تلامذہ اور اتباع کی طرف اشارہ ہے۔" الخ ص۱۲۵ س ۱۹۔

یہ کئی وجہ سے غلط ہے اول یہ کہ لفظ مفرد کی مستقل روایت نہیں ہے بلکہ ایک روایت میں مع الشک وارد ہے جس میں یہ الفاظ ہیں کہ "لنالہ رجال او رجل من ھولاء" (بخاری) اور اس کی تعیین دوسری متعدد روایتوں سے ہو گئی کہ لفظ جمع کا ہے اور شک دور ہو گیا لہٰذا

دو روایتوں کا عذر بیکار ہے۔ دوئم یہ صحیح جب ہو کہ امام ابو حنیفہؒ کے سب اتباع فارسی ہوں۔ کیا آپ غیر فارسیوں کو حنفی پنچائت سے خارج کر دیں گے؟۔ سوم بلکہ یہ لازم آئے گا کہ امام ابو حنیفہ اور دوسرے اسکے اتباع ایک ہی درجہ میں ہیں۔ صرف امام کو فضیلت نہیں رہی۔ چہارم یہاں یہ بھی لازم آئے گا کہ حنفیہ سب مجتہد ہیں مقلد کوئی نہیں۔ کیا ہے غیر مقلد بننا گوارا؟ اور بصورت دیگر امام صاحب بھی مجتہد نہیں رہتا۔ ثانیاً امام ابو حنیفہ رح کا اہل فارس ہونا یقینی نہیں، بلکہ اہل علم اس کو تیمی لکھتے ہیں۔ دیکھو تقریب تہذیب تذکرۃ الحفاظ شذرات الذہب تاریخ بغداد طبقات ابن سعد الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم العبر للذہبی التاریخ الکبیر للبخاری تہذیب الاسماء للنووی طبقات القرآء للجزری المعارف لابن قتیبۃ تاریخ ابن کثیر اور تنسیق النظام للسنبھلی ص۸ میں ہے کہ

"وکان جدہ من کابل وقیل بابل وقیل من الانبار" اھ۔

امام ابو حنیفہ رح کا دادا (زوطی) اہل کابل سے تھا۔ اور کہا گیا ہے کہ بابل سے تھا۔
اور کہا گیا ہے کہ انبار سے تھا۔

اب اس اختلاف کے باوجود ان کو فارسی کہنا یقینی امر نہیں۔ نیز جس روایت کی بناء پر ان کو فارسی الاصل کہا گیا ہے وہ تاریخ بغداد ص۳۲۵ ج ۲ میں اس سند سے مروی ہے۔ انبانا القاضی ابو عبد اللہ الحسین بن علی الصیمری انبانا عمر بن ابراھیم المقدمی ثنا مکرم بن خلیل بن احمد القاضی ثنا احمد بن عبد اللہ بن شاذان حدثنی ابی عن جدی سمعت اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفۃ ان ثابت بن النعمان بن المرزبان من ابناء الفارس الاحرار الخ وھکذا ذکرہ السیوطی فی تبییض الصحیفۃ۔

لیکن یہ سند قابل قبول نہیں۔ اس لیے کہ خود امام صاحب کا پوتا اسماعیل ضعیف ہے۔ چنانچہ میزان ص۱۰۵ ج ۱ اور تہذیب ص۲۹۰ ج ۱ میں حافظ ابن عدی اور صالح جزرہ سے اس کی تضعیف

منقول ہے۔ اور تقریب ص۳۶۲ ہندی میں ہے کہ "تکلموا فیہ" اھ۔ اور اس سے نقل کرنے والا استاذ الن جس کا نام النضر بن سلمۃ المروزی ہے۔ وہ مشہور کذاب اور حدیثیں گھڑنے والا تھا جیسا کہ میزان ص۲۵۷ ج ۲ میں ابو حاتم دارقطنی سے منقول ہے کہ "کان یتہم بوضع الحدیث" اھ اسی طرح اس کے نیچے ایسے راوی ہیں۔ جن کا حال معلوم نہیں پس یہ روایت مردود ہوئی۔ اسی لیے تقریب خواہ تہذیب میں امام صاحب کا فارسی الاصل ہونا مجہول قول سے نقل ہے۔ یعنی یہ الفاظ ہیں کہ "یقال فارسی وقیل فارسی" پس جب یہ بات یقینی نہیں تو اس حدیث "لنالہ رجال من اہل فارس" سے استدلال درست نہیں۔ ثالثاً اگر اس سے مراد مطلق عجم لے لیں تو بھی امام صاحب کی خصوصیت کسی اور دلیل کی محتاج ہے۔ رابعاً سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جس کے حق میں یہ حدیث وارد ہوئی خود اس کی حدیث کے الفاظ تاریخ ابو نعیم میں اس طرح ہیں

عن ابی عثمان النہدی سمعت سلمان رضی اللہ عنہ یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا سلمان لو کان الدین معلقا بالثریا لتناولہ ناس من اہل فارس یتبعون سنتی ویتبعون آثاری ویکثرون الصلوٰۃ علیّ الحدیث۔

ابو عثمان النہدی سے روایت ہے کہ میں نے سلمان رضی اللہ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے سلمان اگر دین ثریا کے ساتھ معلق ہوگا تو بھی فارس میں سے لوگ اس کو حاصل کریں گے اور وہ میری سنت اور احادیث کی اتباع کریں گے اور مجھ پر زیادہ درود بھیجیں گے۔

یہی روایت حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری صفحہ ۲۵۳ ج ۸ میں ذکر کی ہے۔

ناظرین! قاعدہ یہ ہے کہ "الحدیث یفسر بعضہ بعضاً" اور اس حدیث نے صاف بیان کر دیا کہ اس حدیث سے مراد محدثین کرام ہیں، کیونکہ وہی بدون رعایت کسی مذہب تقلید کے حدیث و سُنت پر عمل کرتے ہیں اور وہی اکثر درود بھیجنے والے ہیں۔ ہر وقت حدیث کا لکھنا پڑھنا سننا بار بار آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام مبارک آنے پر درود بھیجو) انہی کا کام ہے۔ خود حافظ ابو نعیم کا قول ہے کہ

"لا یعرف لعصابۃ من العلماء من الصلوٰۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر مما یعرف لھذہ العصابۃ نسخا وذکراً (شرف اصحاب الحدیث للخطیب صفحہ ۳۶ مترجم)

زیادہ درود بھیجنے میں ہمارے علم میں محدثین کی جماعت کے برابر کوئی دوسری جماعت نہیں۔ نہ لکھنے میں نہ پڑھنے میں۔

الحاصل:۔ یہ حدیث بر عکس اہل حدیث کا شرف بیان کرتی ہے۔ ہاں امام ابو حنیفہؒ کو اگر آپ اہل حدیث مان لیں تو پھر وہ بھی عموم حدیث میں داخل ہے لیکن اس سے ترجیح ثابت کرنا بے سود ہے اور امام قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ:۔

وقع ما قالہ صلی اللہ علیہ وسلم عیانا فانہ وجد منھم من اشتھر ذکرہ من حفاظ الآثار والعنایۃ بھا مالم یشارکھم فیہ کثیر من احد غیرھم (فتح الباری صفحہ ۳۵۲ ج ۸)

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ فرمان بالکل ظاہراً واقع ہوا کیونکہ فارسیوں میں ایسے لوگ پائے گئے۔ جو علم حدیث جمع کرنے اور حفاظت کرنے اور اس پر عمل

کرنے میں مشہور تھے۔ ایسے دوسروں میں نہیں پائے گئے۔

خامساً: اگر معنوی حیثیت کو دیکھا جائے تو ظاہر ہے کہ وہ لوگ مراد ہو سکتے ہیں جنھوں نے حدیث نبوی کے حاصل کرنے کے لیے کافی محنتیں اور کاوشیں برداشت کیں اور طویل سفر کیا ہو۔ سو ظاہر ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ کے رحلات مشہور نہیں بلکہ مناقب الامام للموفق صـ۵۷ ج ا میں مذکور ہے کہ امام صاحب نے خود طلب حدیث کو اپنے لیے معیوب سمجھا۔ پس آپ کو اس حدیث کا مصداق کہنا سینہ زوری ہے۔ بلکہ اس سے وہی محدثین مراد ہیں جنھوں نے اپنی عمر طلب حدیث میں صرف کر دی۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے حدیث حاصل کرنے کے لیے حجاز، بصرہ، شام، مصر، عراق، جزیرہ خراسان وغیرہا کا سفر کیا۔ اور چار مرتبہ بصرہ گئے اور بغداد کا آٹھ مرتبہ سفر کیا۔ تفصیل کے لیے مقدمہ فتح الباری وغیرہ دیکھیں۔ امام مسلم نے حجاز، عراق، شام اور مصر کا سفر کیا اس کا ترجمہ تہذیب الاسماء للنووی وغیرہ میں ہے۔ اور ابو حاتم رازی جنھوں نے تین ہزار میل سے زیادہ پیدل سفر کیا (تقدمۃ الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم صـ۳۵۹) اور امام طبرانی جنھوں نے تیس برس کی راتیں جنگل میں گذاریں (تذکرۃ الحفاظ صـ۹۱۵ ج ۳ طبع ۳)
اسی طرح ترمذی، نسائی، ابو داؤد، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابن حبان، محمد بن نصر المروزی ابن جریر وغیرہم کے رحلات مشہور ہیں۔ نیز بقی بن مخلد قرطبی جو کہ اپنے وطن سے چل کر کئی روز کے بعد بغداد میں امام احمدؒ سے حدیث پڑھنے کے لیے پہنچے اور امام احمد بن حنبل رحمہ کی نظر بندی کی وجہ سے سائل بن کر ہر روز ان کے دروازے پر آواز دیتا اور کھڑے کھڑے دو تین حدیثیں حاصل کرتا رہا (مختصر طبقات الحنابلۃ صـ۸۱) محمد بن نصر المروزی ایک دفعہ مصر سے مکہ جاتے ہوئے کشتی کے غرق ہونے کی وجہ سے شدت پیاس سے موت کا منہ دیکھ چکا تھا (تہذیب صـ۱۱ ج ۹) پس اس حدیث کے مصداق ایسے ہی لوگ ہو سکتے ہیں۔

قولہ ص ۱۲۶ س ۷ "حافظ سیوطی کے تلمیذ خاص علامہ شامی صاحب سیرت فرماتے ہیں الخ

اقول :۔ صرف کسی کے کہنے سے بات قابل قبول نہیں ہو سکتی، د بالخصوص جب کہ یہ بات قرائن سے رد کر دی گئی ہے۔

قولہ ص ۱۲۶ س ۸ " جیسے حضرات محدثین فرماتے ہیں کہ عالم مدینہ کی بشارت والی حدیث میں امام مالکؒ کی طرف اشارہ ہے اور عالم قریش کی بشارت والی حدیث میں امام شافعیؒ کی طرف اشارہ ہے پس اسی طرح اس بخاری اور مسلم کی حدیث " لنا له رجال من ابناء فارس " میں اگر امام ابو حنیفہؒ کی بشارت کی طرف اشارہ ہو تو کیا محل تعجب ہے۔"

اقول :۔ لیکن محدثین نے امام ابو حنیفہؒ کے لیے . . نہیں، . . بلکہ اس حدیث میں محدثین کی بشارت کی طرف اشارہ ہے۔ کیا مر۔ ثانیاً امام مالکؒ تو مدنی ہیں، ہمیشہ مدینہ شریف میں رہے۔ اور امام شافعیؒ بھی قریشی ہیں۔ پس ان دونوں کو ان حدیثوں کے مصداق کہنے کے لیے ایک وجہ موجود ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ کا فارسی ہونا بھی یقینی نہیں پس کیسے وہ اس حدیث کا مصداق بن سکتا ہے۔

قولہ ص ۱۲۶ س ۱۳ " اور عالم مدینہ اور عالم قریش کی بشارت لے لو کان الایمان عند الثریا لذهب به رجل من ابناء فارس " کی بشارت بہت بلند ہے " الخ

اقول :۔ جب اس کا مصداق معین شخص نہیں تو یہ بحث ہی عبث ہے۔ نیز مدینہ اور قریش والی روایتوں میں بنسبت اس روایت کے زیادہ تصریح ہے۔ اور ثریا والی روایات میں نہ شہر کا تعین ہے نہ قوم کا۔

قولہ ص ۱۲۶ س ۱۶ " اور بعض علماء کا گمان ہے کہ " رجل سے امام بخاریؒ مراد ہیں اور رجال کے لفظ سے مسلم اور ترمذی وغیرہ دیگر اکابر محدثین جو عجم میں گذرے ہیں وہ مراد ہیں " الخ

اقول: یہی صحیح ہے۔ کما مضی۔ لیکن علما التحقیق روایت میں جمع کا لفظ ہے۔ لہذا سب محدثین مراد ہیں۔ اور اس حدیث کا آیت "وآخرین منھم لما یلحقوا بھم" سے تعلق بھی جب ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد رواۃ حدیث لیے جائیں۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ اس آیت میں خلف عن سلف دین کے اخذ کی طرف اشارہ ہے۔ اور دین نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہے۔ جس کو حدیث کہا جاتا ہے۔ اور وہی قرآن کریم کی صحیح تفسیر ہے۔ پس یہ انہی عجمی محدثین کی بشارت کا ذکر ہے۔ جنھوں نے جگہ جگہ سے احادیث حاصل کر کے جمع کیں۔ جزاھم اللہ عن الاسلام والمسلمین خیراً۔

قولہ ص ۱۲۶ س ۱۹: "اور شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کا میلان اس طرف ہے کہ "لناله رجال" کی عموم میں امام ابو حنیفہ اور امام بخاری دونوں ہی داخل ہیں" الخ

اقول: بحمد اللہ شاہ صاحب کے قول سے ہماری بات کی تائید ہوئی۔ اور یہی محدثین کی تحقیق ہے۔ لیکن اس عموم میں امام ابو حنیفہ رحمہ کو داخل کرنا اس شرط سے ہے کہ اس کو بھی اہل حدیث ہی سمجھا جائے۔ ایضاً شاہ صاحب کے اس قول سے امام صاحب کی خصوصیت کا دعویٰ غلط ہوا۔ اور یہ وجہ اس کے مذہب کی ترجیح کے لیے بھی نہ بن سکی۔

قولہ ص ۱۲۶ س ۔: "مگر صحیح اور راجح یہی ہے کہ اس حدیث میں امام ابو حنیفہ رحمہ کی طرف اشارہ ہے" الخ

اقول: کسی بات کو رد کرنے کے لیے صرف مگر وغیرہ کہنا کافی نہیں ہو سکتا ہے۔ سابق تحقیق سے واضح ہوا کہ اس سے مراد صرف امام ابو حنیفہ رحمہ نہیں ہے۔ باقی جو آپ نے بلند حقائق اور فقہی معارف کا ذکر کیا ہے۔ سو جناب جو فقہ الحدیث ہے وہ تو محدثین کو نصیب ہوئی۔ باقی دوسری فقہ کا حال تو پہلے بیان ہو چکا ہے۔ فلیراجعہ

الحاصل :۔ یہ دس وجوہ جو مصنف نے ذکر کیں ان کی حقیقت خود منکشف کر دی گئی۔ بلکہ ہم مصنف کو مشورہ دیں گے کہ توالی التأسیس فی معالی ابن ادریس لابن حجر میں امام شافعی کے مناقب دیکھیں۔ اور "الدیباج المذہب لابن فرحون" میں امام مالک کا ترجمہ دیکھیں۔ اور "مناقب الامام احمد بن حنبل لابن الجوزی" کا مطالعہ کریں۔ پھر فیصلہ کریں۔ بلکہ جن کتابوں میں چاروں کے تراجم مذکور ہیں مثلاً تہذیب، تذکرۃ الحفاظ، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم، شذرات الذہب وغیرہا ان میں ایک کا دوسرے سے مقابلہ کر کے دیکھیں خود جلال الدین سیوطی جس سے آپنے اس رسالہ میں بار بار اقتباسات ذکر کیے ہیں۔ اسنے چاروں اماموں کے مناقب میں مستقل رسائل لکھے ہیں۔ انہی کا مطالعہ کر کے انصاف کریں۔

قولہ صـ ۱۲۷ سـ ۸ " امام ربانی مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ مکتوب ۵۵ پنجاہ و پنجم اور دفتر دوم میں تحریر فرماتے ہیں"

اقول :۔ اس عبارت میں امام ابوحنیفہ کی تعریف کی گئی ہے۔ یہ رسالہ کا موضوع نہیں ہے۔ بلکہ اس میں یہ تصریح ہے کہ تقلید نبیوں کی شایان شان نہیں۔ جیسا کہ رسالہ "اجتہاد و تقلید" صـ ۱۳۱ سـ ۲ پر مذکور ہے اور ترجیح کے لیے جو کچھ وہاں لکھا گیا ہے۔ اس کے لیے کوئی دلیل نہیں دی۔ صرف کسی بزرگ کا لکھ دینا بلا دلیل کافی نہیں ہو سکتا۔ تفصیل آگے ملاحظہ فرمائیں اور فارسی عبارت کا جو مصنف رسالہ نے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اس کو لے کر سلسلہ وار کلام کرتے ہیں۔

قولہ صـ ۱۲۷ سـ ۱۰ " قرآن مجید تمام احکام شرعیہ بلکہ تمام گذشتہ شریعت کا جامع ہے (الی قولہ) ان دونوں نظروں میں بہت فرق ہے۔ ایک رائے کی طرف منسوب ہے جس میں خطا کو مجال اور گنجائش ہے۔ اور دوسرا اعلام یزدانی اور القاء ربانی کے ساتھ مؤید ہے جس میں خطاء کی گنجائش نہیں" صـ ۱۲۸ سـ ۲۔

اقول :۔ بس یہی فرق فیصلہ کن ہے۔ کیونکہ ثابت ہوا کہ قیاس درائے قابل اعتماد نہیں اور ظاہر ہے کہ جو خطا کا محتمل ہو اس پر عمل کرنا خطرہ سے خالی نہیں۔ لہٰذا اسلم طریقہ یہ ہے کہ اس کو ترک کرکے مؤید بالوحی جس میں خطا کا امکان نہیں۔ اس پر کفایت کی جائے۔ ایضاً جس میں خطاء کی گنجائش ہے اس میں تحقیق لازمی ہے۔ اور یہی تقلید کا خاتمہ ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ ائمہ سب برابر ہیں۔ اور ترجیح اسی کے قول کو ہوگی جو کہ مؤید بالوحی ہوگا۔ کیونکہ ان میں معصوم کوئی نہیں۔

قولہ ص۱۲۹ س۱۶ ''عجب نہیں کہ اس وقت کے علماء ظاہر حضرت عیسٰی علیہ السلام کے اجتہاد کے ماخذ کے دقیق اور عمیق اور پوشیدہ ہونے کی وجہ سے انکار کر جائیں۔ اور فامعن اور دقیق ہونے کی وجہ سے ان کو کتاب وسنت کے مخالف جانیں''

اقول :۔ جو آپ کو پہنچائیں گے وہ کبھی ایسا خیال نہیں کریں گے۔ ثانیاً وہ کسی مذہب کا مقلد نہیں ہوگا۔ جیسا کہ اسی عبارت میں تصریح آئے گی۔ پس وہ محض کتاب وسنت سے احکام بتائیں گے ان کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ ثالثاً ہاں وہی مقلدین انکار کر سکتے ہیں۔ جن کو بلا تقلید مذہب براہ راست کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے مسائل لینا گوارا نہیں۔ وہی اس پر یہ گمان کریں گے یا اس پر اتباع ہوی کا فتویٰ لگائیں تو عجیب نہیں۔ رابعاً یہ بات ہی خود بے سود ہے جتنے بھی احادیث میں نشان مذکور ہیں۔ ان میں ایسا کوئی نشان درج نہیں۔ یہ رجما بالغیب ہے۔

قولہ ص۱۲۹ س۱ ''حضرت عیسٰی روح اللہ کی مثال حضرت امام اعظم کوفی رحمۃ اللہ علیہ کی سی مثال ہے جنہوں نے ورع اور تقویٰ کی برکت سے اور اتباع سنت کی بدولت اجتہاد واستنباط میں وہ درجۂ عیسٰی حاصل کیا کہ دوسرے اس کے فہم اور ادراک سے قاصر اور عاجز ہیں اور ان کے مجتہدات کو دقت معانی کی وجہ سے کتاب سنت کے مخالف جانتے ہیں''

اقول :۔ یہ غلو ہے کہ امام صاحب کو نبی کے برابر سمجھا جائے ثانیاً ہم حیران ہیں کہ بقول شما

جب علماء اس کی خلاف اور اس کے اجتہاد کو قرآن و حدیث کے خلاف جانتے ہیں۔ پھر آپ مقلدین کو اس کا برحق و صواب ہونا کیسے معلوم ہوا؟ ثالثاً آپ بتائیں کہ آپ کو امام صاحب کا اجتہاد کیسے صحیح معلوم ہوا؟ خود اجتہاد کیا یا کسی اور مجتہد کی تقلید کی؟ مجتہدین تو بقول شما اس کی اجتہاد کو قرآن و حدیث کے خلاف بتاتے ہیں۔ رابعاً جس اجتہاد کو علماء غلط بتائیں اس پر عیسیٰ علیہ السلام کا عمل قیاس کرنا کہاں درست ہے۔

قولہ ص۱۲۹ س۱۲ "امام ابوحنیفہ رح کے دقائق کتاب و سنت کے مخالف نہیں ہوتے۔ بلکہ ان ظاہر بینوں کے ظاہری اور سرسری سمجھ کے خلاف ہوتے ہیں۔ اور یہ ظاہریہ ہیں۔ اپنی ناسمجھی کی وجہ سے ان کو کتاب سنت کے مخالف سمجھتے ہیں۔"

اقول: آپ تو مقلد ہیں پھر آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ مخالف نہیں ہوتے ہیں۔ ثانیاً جو حقائق مجتہدین کو معلوم نہیں ہوئے وہ آپ کو کیسے معلوم ہوئے۔ ثالثاً جو ظاہراً باطل نظر آئے اس کو اجتناب کا حکم ہے۔ رابعاً اگر اس کے سمجھنے سے علماء قاصر ہیں تو پھر امام صاحب کی فقہ بر اصول شما متعذر العمل رہی بلکہ اس کے لیے دوسرا مجتہد ہو جو ان دقائق کو حل کرے اس کی تقلید کریں۔ یہی عذر آپ قرآن و حدیث پر عمل کرنے کے لیے پیش کرتے ہیں۔ خامساً ظاہریہ تو بقول شما نہ سمجھے۔ لیکن کیا آپ باطنیہ ہیں جو سمجھ گئے؟ سادساً کسی اجتہاد کے خطاء و صواب کا مدار ظاہر پر ہوتا ہے۔ جو چیز ظاہراً خطا نظر آتی ہے وہ قابل اخذ کیسے ہوگی۔

قولہ ص۱۲۹ س۱۳ "اور ان کو اور ان کے اصحاب کو اصحاب الرائے خیال کرتے ہیں"۔ الخ

اقول: سابق صفحات میں تو یہ نام امام صاحب اور حنفیہ کے لیے آپ قابل فخر بتا آئے ہیں۔ ص۱۷ پر "لقب اصحاب الرائی" کے عنوان کے تحت اس لقب کو بڑی شد و مد سے قابل تحسین ثابت کرتے ہیں، اب اسی نام پر چڑ کیوں؟

قولہ ۱۲۸ ص ۱۷: "امام شافعی پر امام اعظم ابوحنیفہ رح کے وقت نظر اور فقاہت کی باریکی اور گہرائی کا تھوڑا سا کرشمہ ظاہر ہوا۔"

اقول: ۔ جب ہی تو آپ پر تنقید کی دیکھو تاریخ بغداد ۔ نیز امام شافعیؒ نے امام محمد رح سے مناظرہ کر کے ثابت کر دیا۔ بلکہ اس کو قائل کیا کہ امام ابوحنیفہ رح کے امام مالکؒ قرآن و حدیث اور فتاوی صحابہؓ میں زیادہ علم والا ہے ۔ کما مر۔

قولہ ۱۲۹ ص ۱۹: فرمایا کہ تمام فقہا اور مجتہدین امام ابوحنیفہ عیال ہیں۔"

اقول: ۔ یہ روایت امام شافعیؒ سے ثابت نہیں۔ کما مر تحقیقہ۔ پس اس پر جو بناء رکھی گئی وہ قائم نہ رہ سکی۔

قولہ ۱۳۰ ص ۲۰: "یعنی تمام فقہاء کو ابوحنیفہ رح سے وہ نسبت ہے۔ جو عیال کو اپنے مربی اور سرپرست سے ہوتی ہے۔"

اقول: ۔ پھر ائمہ نے آپ پر تنقید کیوں کی اور آپ کی مخالفت کیوں کی۔ بلکہ بقول شما آپ کے مجتہدات کو تو قرآن و حدیث کے خلاف کیوں بتایا۔ جیسا کہ آپ نے اعتراف کیا نیز امام مالکؒ کے تو آپ شاگرد ہیں۔ کما مر۔

قولہ ۱۳۱ ص ۲۰: "افسوس ہے ان قاصر نظروں کی جرأت اور دلیری اور بے باکی پر جو کہ اپنے قصور فہم کو دوسروں کے ذمہ لگاتے ہیں۔"

اقول: ۔ آپ کو یہ کیسے علم ہوا یہ تو مجتہد کا وظیفہ ہے اور آپ مقلد ہیں۔ اور جو شعر لکھا ہے ۔ وہ محض آپ کی خوش فہمی ہے۔ "کل حزب بما لدیھم فرحون۔"

قولہ ۱۳۲ ص ۲۱: "اور اسی مناسبت کی بناء پر جو امام ابوحنیفہ رح کو عیسی روح اللہ کے ساتھ ہے خواجہ محمد پارسہ نے فصول ستہ میں لکھا ہے کہ عیسی علی نبینا و علیہ السلام نزول کے بعد

امام ابوحنیفہ رح کے مذہب کے موافق عمل کریں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ روح اللہ کا اجتہاد امام اعظم رح ابوحنیفہ رح کے اجتہاد کے موافق ہوگا!

اقول :۔ نعوذ باللہ من ھذا الغلو ۔ اولاً ہم پوچھتے ہیں کہ اس کا ثبوت کیا ہے کس حدیث میں مذکور ہے؟ اس قسم کی غیب کی خبریں دینے کا حق نبی کے علاوہ کسی اور کو کب حاصل ہے۔ ثانیاً عیسیٰ علیہ السلام کی شان اجتہاد یا تقلید سے بہت اوپر ہے۔ اس مسئلہ پر سیوطی نے مستقل رسالہ بنام "الاعلام بحکم عیسیٰ علیہ السلام" لکھا ہے جو "الحاوی للفتاوی للسیوطی" جلد دوم میں ص۱۵۵ سے ص۱۶۵ تک مندرج ہے۔ بلکہ لکھا ہے کہ اس کا علم بموجب قرآن وحدیث ہوگا۔ اور معرفت احکام کے تین طریقے ہوں گے۔ ایک یہ کہ انبیاء سابقین شریعت محمدیہ سے واقف ہیں۔ دوسرا یہ کہ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم سے احکام سمجھتے تھے اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام بھی سمجھیں گے۔ کسی اور کے سمجھانے کی اس کو ضرورت نہیں۔ تیسرا یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام باوجود نبی ہونے کے صحابہ کی جماعت میں بھی داخل ہے۔ جیسا کہ حافظ ذہبی تجرید الصحابۃ ص۴۳۲ ج ا میں لکھتے ہیں کہ "عیسیٰ بن مریم علیہ السلام صحابی ونبی فانہ رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ الاسراء وسلم علیہ فھو اٰخر الصحابۃ موتاً اھ۔ اسی طرح حافظ ابن حجر نے "الاصابۃ" ص۵۲ ج ۳ میں ذکر کیا ہے اور تاج الدین سبکی اور مغلطائی سے بھی نقل کیا ہے۔ پس چونکہ اس کی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ملاقات ہے اور براہ راست دین لے لیا ہے۔ لہٰذا اس کو اجتہاد کی کیا ضرورت ہے۔ ثالثاً عیسیٰ علیہ السلام کو مجتہد کہنا سخت توہین ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ "ارکان وشوائد اجتہاد" کیسے اس کو معلوم ہوں گے۔ یہی فقہی کتابیں دیکھے گا یا اپنے قواعد ایجاد کرے گا یا الہام ووحی کے ذریعہ معلوم کرایا جائے گا! علی الاول وہ تو تابع ہوا نہ متبوع۔ کیونکہ جس امام کے اجتہاد کو لے گا۔ تو اسی کا تابع ہوگا۔ مطلب یہ کہ تمہارے مولویوں کا شاگرد بنے گا اور

نور الانوار اور مسلم الثبوت اور تلویح وغیرہ پڑھ کر اجتہاد کرے گا۔ یہ اس کی کافی توہین ہے۔ نیز یہ کتابیں جو لوگ پڑھ رہے ہیں۔ وہ لوگ مجتہد کیوں نہیں بنتے اور آپ ان کو اجتہاد کی اجازت کیوں نہیں دیتے ہو؟ وعلی الثانی معلوم ہوا کہ مذاہب اربعہ کے اصول باطل ہیں۔ پھر ہم ان کو کیوں لیں۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کے اس صحیح اصول کا کیوں نہ انتظار کریں۔ وعلی الثالث جب اصول اس کو الہام کے ذریعہ بتائے جاتے ہیں۔ تو احکام کیوں نہیں بتائے جاتے یہاں اجتہاد کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ رابعاً نذہب صرف امام ابوحنیفہ کا نہیں تھا۔ بلکہ سیوطی نے الحاوی ص۱۵۶ ج ۲ میں دس آٹھ کا ذکر کیا ہے۔ ان چار کے علاوہ وہ باقی چھ یہ ہیں سفیان ثوری اوزاعی لیث بن سعد اسحاق بن راہویہ ابن جریر داؤد اور کہا ہے کہ ان سب کے الگ اصول واحکام تھے۔ اور ان کے اتباع تھے۔ جو کہ ان کے اقوال کے موافق فتاویٰ دیتے تھے۔ اور ان کے مذاہب بھی مدون ہوئے پس امام ابوحنیفہ کی خصوصیت کیا معنی رکھتی ہے۔ بلکہ ہر ایک یہ دعویٰ کر سکتا ہے۔ اور اگر کہو گے کہ صرف چار مذاہب باقی ہے۔ اور دوسرے نہیں رہے۔ تو کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اگرچہ نہ رہے تو کیا حرج ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام ان میں جو بھی حق ہو گا اس کو لے سکتا ہے۔ ایضاً اگر بقول شما دوسرے نہ رہے۔ تو بھی چار تو رہیں گے۔ پس ان میں سے ایک کی خصوصیت کس بنا پر ہوئی؟ خود لکھنوی صاحب نے "الفوائد البہیہ" ص۶ میں اس کی تردید کی ہے۔

قولہ ص۱۳۱ "معاذ اللہ یہ مطلب نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حنفی مذہب کی تقلید کریں گے اس لیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان اس سے کہیں بلند اور برتر ہے کہ وہ علماء امت کی تقلید فرمائیں۔"

اقول:۔ کئی خوش فہموں نے لیا بھی کیا ہے جیسا کہ "الفوائد البہیہ" للکھنوی ص۸ میں مذکور ہے۔ اور ایسے قائل کو لکھنوی نے مجہول و متعصب کہا ہے۔ ایضاً جب اس کے اجتہاد کے

موافق عمل کریں گے تو بھی آپ کے قول کے مطابق مقلد ہی ہوا۔ جیساکہ ص۶۲ پر لکھتے ہیں کہ" جو شخص کسی مجتہد کے استنباط کردہ مسائل اور دلائل کو سمجھ لے وہ بقدر فہم عالم تو ہے۔ مگر مجتہد نہیں" پس فرق کیا رہا؟ ایضاً ابوحنیفہ رح کی طرف منسوب اجتہاد تو پہلے موجود ہے۔ پس عیسیٰ علیہ السلام اس کی موافقت کس اعتبار سے کرے گا۔ یا تو اسی سے لے گا بصورتِ اس کا متبع ہوا۔ بلکہ بقول شما مقلد ہوا۔ یا تو اسی کا الہام ہو گا۔ ایسے الہام کی کیا ضرورت جو کہ پہلے موجود ہے۔ کیا امام ابوحنیفہ رح کا اجتہاد بھی الہامی تھا۔ اگر نہیں تو کیا اس کی رائے نبوی الہام سے زیادہ مصیب تھی جی

اللہ ایسے غلو سے بچائے۔" فانما ھلک من کان من قبلکم بالغلو" الحدیث

قولہ ص۱۳ "یہ فقیر حقیر (مجدد صاحب) بلا شائبہ تکلف وتعصب کہتا ہے کہ مذہب حنفی کی نورانیت کشفی نظر میں بر رنگ دریائے عظیم دکھائی دیتی ہے اور دوسرے تمام مذاہب حوضوں اور نہروں کی طرح نظر آتے ہیں۔"

اقول:- خود کشف کوئی شرعی حجت نہیں۔ ثانیاً جس کے عام علماء خلاف ہوں۔ جس کا آپ کو بھی اعتراف ہے۔ اس کی ترجیح و برتری کے لیے کشف کہاں صادق ہو سکتا ہے۔ ثالثاً خود صاحب مکتوبات الہام و کشف کو حجت نہیں جانتے۔ چنانچہ مکتوبات کے متعدد مقامات پر ایسی تصریح موجود ہے۔ ایک جگہ صاف ذکر ہے کہ

درمقت- او معارف ابن صوفیہ کشف والہام است کہ خطا را بوے راہ است درمصداق صحت کشف والہام مطابقت است باعلام اہل سنت اگر سر موئے مخالفت است از دائرہ صواب بیرون است (مکتوبات امام ربانی ص۱۱۶۔ مکتوب صدر دو ازدہم دفتر اول۔ حصہ دوم۔

صوفیہ کی بنا کشف و الہام ہے جس میں خطا کی گنجائش ہے اور اس کا معیار صحت یہ ہے کہ علم اہل سنت کے موافق ہو۔ اگر سر کے ایک بال کے برابر ان کے خلاف ہوا تو دائرہ صواب اور برحق ہونے سے باہر ہے۔

اور خود امام ربانی کی اس عبارت میں ذکر ہوا کہ امام ابو حنیفہ رح کے مجتہدات کو علماء نے قرآن و حدیث کے خلاف کہا ہے اور ایک جگہ لکھتے ہیں کہ

"الہام و کشف بر غیر حجت نیست" (مکتوبات ص۸۶ مکتوب سی و یکم ۲۱ دفتر اول حصہ اول۔ کسی ایک کا الہام یا کشف دوسرے پر حجت نہیں ہے۔

پس امام ربانی کا یہ کشف دوسروں پر کس طرح حجت ہو سکتا ہے۔ اس کشف و الہام تو ستروہ خواب ہیں جو لوگوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیے ہیں۔ مثلاً

۱۔ امام احمد بن الحسن الترمذی کہتے ہیں کہ

کنت فی الروضة فاغفیت فاذا النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد أقبل فقمت إلیه فقلت یا رسول اللہ قد کثر الاختلاف فی الدین فما تقول فی رأی أبی حنیفة فقال أف و نفض یده قلت فما تقول فی رأی مالك فرفع یده و طأطأ و قال أصاب وأخطأ قلت فما تقول فی رأی الشافعی قال بأبی ابن عمی أحیی سنتی (تاریخ بغداد ص۶۹ ج ۲)

میں مسجد نبوی میں تھا۔ مجھے نیند آ گئی خواب میں دیکھتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آ رہے ہیں۔ میں کھڑا ہو گیا۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) بہت اختلاف ہو گیا ہے۔ امام ابو حنیفہ رح کی رائے کے

متعلق آپ کا کیا فرمان ہے۔ آپ نے "اف" فرمایا اور ہاتھ کو جھٹکا۔ میں نے امام مالک رح کی رائے کے متعلق پوچھا تو ہاتھ مبارک کو نیچے اوپر کیا اور فرمایا کچھ صواب کچھ خطاء، دونوں ہیں۔ امام شافعی رح کے متعلق عرض کیا تو فرمایا کہ وہ تو میرا قریب ہے۔ اس نے میری سُنت کو زندہ کیا ہے۔

ناظرین سے! یہ خواب اس مقام پر دیکھا گیا ہے جس کو "روضۃ من ریاض الجنۃ" کہا گیا ہے اور دیکھنے والا مشہور حافظ حدیث ہے۔ تقریب میں اس کو "ثقہ حافظ" اور تذکرۃ الحفاظ میں "الحافظ العلم" کہا گیا ہے۔ کیا اس خواب پر کچھ اعتبار ہے؟ اور امام شافعی رح کو ترجیح دوگے؟

۲ شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ

بلغنا ان رجلاً من الصالحین رأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی منامہ وھو یقول مالك اشتغلت بفقہ محمد بن ادریس وترکت کتابی قال یارسول اللہ وما کتابك قال صحیح البخاری (حجۃ اللہ البالغۃ ص۱۵۱ ج ۱)

ہمیں خبر پہنچی ہے کہ کسی صالح بندہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے اسے فرمایا کہ تجھے کیا ہو گیا ہے کہ فقہ شافعی رح میں مشغول ہو گئے ہو اور میری کتاب چھوڑ دی۔ اس نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کی کونسی کتاب ہے؟ آپ نے فرمایا کہ صحیح بخاری

ناظرین سے:۔ یہ صالح بندہ محمد بن احمد مروزی ہیں اور یہ خواب اس نے حرم بیت اللہ شریف میں "بین الرکن والمقام" دیکھا ہے (اسماء الرجال مشکوٰۃ ص۱۵۱ طبع لاہور و بستان المحدثین مصنفہ شاہ عبدالعزیز دہلوی ص۱۰۳)

ص۳ نیز بستان المحدثین ص۱۰۳ میں اس قسم کا خواب امام الحرمین سے بھی منقول ہے۔
ان خوابوں سے ظاہر ہے کہ صحیح بخاری کو چاروں فقہوں پر ترجیح حاصل ہے۔

ص۴ شاہ ولی اللہ صاحب اپنا ایک مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ

رأیت الشفع الیہ صلی اللہ علیہ وسلم والتوسل لدیہ لعلماء الحدیث والدخول فی عدادھم وبعلم الحدیث وحفظہ علی الناس عروۃ وثقی وحبلا ممدودا لاینقطع فعلیک ان تکون محدثا او متطفلا علی محدث ولاخیر فی ما سوی ذینک فیما أری واللہ اعلم بالصواب۔

(فیوض الحرمین ص۱۲۹ مشہد ۲۴)

میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں شفاعت ہے اور علماء محدثین کے لیے توسل ہے اور وہ حضرات جو ان کے زمرہ میں داخل ہوں۔ اور علم حدیث اور حفظ حدیث شریف ایک عروہ وثقیٰ اور حبل ممدود ہے۔ جو کبھی نہیں ٹوٹ سکتی۔ لہٰذا واجب اور ضروری ہے کہ خود محدث ہو یا محدث کا طفیلی۔ میری رائے میں ان دونوں باتوں کے علاوہ اور کسی چیز میں خیر اور بھلائی نہیں۔ واللہ اعلم (ترجمہ مولانا عبدالرحمٰن صدیق کاندھلوی)

کیا اس مشاہدہ ومکاشفہ کو بھی مانتے ہو۔ اور اہل حدیث یا ان کے طفیلی بنو گے؟ کیا محدثین کو فقہاء پر ترجیح دو گے؟ کیا فقہاء میں خیر جب مانو گے کہ وہ محدثین کے طفیلی ہوں؟ کیا یہ بھی مانو گے کہ محدثین کے طریقہ کے علاوہ کسی اور طریقہ میں خیر نہیں ہے؟

ص۵ محمد بن حماد طہرانی جیسے اپنا مثل نہیں دیکھا۔ (تہذیب ص۱۲۶ ج ۹) اور عارف نبیل تھے

(شذرات الذہب ص۱۲۷ ج ۲) اور تذکرۃ الحفاظ ص۶ ج ۲ طبع ۳ میں اس کو "المحدث الحافظ الثقۃ الجوال فی الآفاق" کہا گیا ہے اور محمد بن فرات نے اس کو عدل و ثقہ کہا ہے۔ (تاریخ بغداد ص۲۷۲ ج ۳) وہ اپنا خواب بیان کرتے ہیں کہ

رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام فقلت یا رسول اللہ ما تقول فی النظر فی کلام ابی حنیفۃ واصحابہ أانظر فیہا واعمل علیہا۔ قال لا۔ لا۔ لا ثلاث مرات قلت فما تقول فی النظر فی حدیثک وحدیث اصحابک قال نعم، نعم، نعم، ثلاث مرات (تاریخ بغداد ص۱۱۸ ج ۳)

میں نے خواب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) امام ابوحنیفہ رح اور اس کے ساتھیوں کے کلام میں نظر کرنے کے متعلق آپ کا کیا ارشاد ہے۔ میں اس کا مطالعہ کروں اور اس پر عمل کروں؟ فرمایا نہیں، نہیں، تین بار فرمایا۔ میں نے عرض کیا آپ کی احادیث اور صحابہ رض کے آثار کو دیکھوں اور عمل کروں۔ فرمایا ہاں، ہاں، ہاں تین بار فرمایا۔"

اس خواب سے معلوم ہوا کہ فقہ حنفی اور چیز ہے اور حدیث نبوی و اقوال صحابہ رض اور چیز۔

ع۱۱۔ امام دارقطنی اپنے استاد ابوجعفر احمد بن اسحاق بن بہلول سے نقل کرتے ہیں کہ

کان مذہبی مذہب اہل العراق فرأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی النوم یصلی فرأیتہ یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم اذا رکع ثم اذا رفع رأسہ من الرکوع (سنن دارقطنی ص۱۱۱)

میں عراقیوں کا مذہب رکھتا تھا پھر میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب

میں دیکھا کہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ اور میں نے دیکھا کہ آپ تکبیر اولی کے وقت اور رکوع کرتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کر رہے تھے۔

ناظرین! یہ شخص حنفی المذہب تھا جیسا کہ خود تصریح کی ہے اور اس کے حنفی ہونے کی تصریح ذہبی نے "العبر" ص۱۷۱ ج ۲ میں اور ابن العماد ی نے "شذرات الذہب" ص۲۷۶ ج ۲ میں اور سیوطی نے بغیۃ الوعاۃ ص۲۸ میں اور یاقوت (وہی نے "طبقات الادباء" ص۸۲ ج ۱ میں کی ہے۔ نیز عبدالقادر قرشی نے بھی "طبقات الحنفیۃ" ص۵۷ ج ۱ میں اس کو ذکر کیا ہے۔ ایسے شخص کے خواب کو آپ ضرور ترجیح دیں گے۔

قولہ ص۱۲۱ "اور ظاہر حال کو بھی اگر ملاحظہ کیا جائے تو اہل اسلام کی سواد اعظم (یعنی روئے زمین کے دو تہائی مسلمان) امام اعظم ابوحنیفہ رح کے تابع و مقلد نظر آتے ہیں۔"

اقول :۔ اس پر کلام ہو چکا ہے۔ نیز اکثریت حجت نہیں۔ ایضاً ظاہر حال میں تو یہ نظر آتا ہے اور کتب چھوڑ کر امام احمد بن حنبل رح کی کتاب "العلل و معرفۃ الرجال" ص۲۵۱ ج ۱ میں ہے کہ "اہل الرائی لا یروی عنہم الحدیث" اور ص۲۳۶ ج ۱ میں ہے کہ :۔ "بلغنی عن عبد الرحمن بن مهدی انه قال أخر علم الرجل ان ینظر فی رأی ابی حنیفة یقول عجز عن العلم" اور ص۱۹۸ میں ہے حدثنا عبد الله بن ادریس قال قلت لمالک بن انس کان عند نا علقمة والاسود فقال قد کان عند کم من قلب الامر هکذا و قلب ابی کفه علی ظهرها یعنی ابا حنیفة"۔ ایضاً اس اکثریت کو شاہ ولی اللہ صاحب یوں ظاہر فرماتے ہیں کہ

وکان جمهور الفقهاء والمحدثین والمفسرین والمتکلمین والصوفیة متمذهبین بمذهب الشافعیة وجمهور الملوک وعامة الیونان متمذهبین بمذهب ابی حنیفة۔

(تفہیمات صـ۲۱۲ ج ۱)

"سو فقہا محدثین مفسرین متکلمین اور صوفیہ تو شافعی المذہب گذرے ہیں اور اس کے برعکس جمہور بادشاہ اور عام یونانی (فلسفہ یونان والے) تو حنفی المذہب گذرے ہیں۔

اور پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ شافعیہ بھی اہل حدیثوں کی ایک جماعت ہے۔ اب شاہ صاحب کے اس کلام کے بعد ہم اور کیا لکھیں۔ صرف یہ کہ ع رضینا قسمۃ الجبار فینا معلوم اکثریت مراد ہے۔ ایضاً سواد اکثر نہیں۔ سواد اعظم ہے۔ نیز سواد اعظم سے حنفیت مراد لینا بڑی دلیری ہے۔ اولاً روایت "اتبعوا السواد الاعظم" جس پر بنا رکھی گئی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ کما فی الاحکام لابن حزم صـ۵۰۴ ثانیاً ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ

قالوا یارسول اللہ ما السواد الاعظم قال من کان علی ما انا علیہ واصحابی (مجمع الزوائد قلمی صـ۱۴۹ باب ما جاء فی المراء)

صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! سوادِ اعظم کیا ہے؟ فرمایا کہ جو اس طریقہ پر ہو جس پر میں اور میرے صحابہؓ ہیں۔

پس اگر یہ روایت صحیح ہے تو پھر سوادِ اعظم سے وہی جماعت مراد ہوگی۔ جو تقلید نہیں کرتی کیوں کہ صحابہؓ کے زمانہ میں تقلید نہیں تھی۔

قولہ صـ۱۳۱ سطر ۱۸ "نیز مذہب حنفی علاوہ اس کے کہ اس کے فرمانبردار بے شمار ہیں۔ اس میں ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ حنفی مذہب کے اصول و فروع تمام مذاہب سے الگ اور جدا ہیں اور اس مذہب میں استنباط کا طریقہ سب سے علیحدہ اور انوکھا ہے۔"

اقول: یہی وجہ ہے کہ اکثر علماء اس کے خلاف ہے اور اس کو قرآن و حدیث کے خلاف کہا۔

جیسا کہ آپ خود کہہ آئے ہیں۔ ایضاً یہ اختلاف تحقیق کا مقتضی ہے کہ کس کا اصل معتبر ہے۔ اور کس کا غیر معتبر۔ اور کس کا فرع صحیح ہے کس کا غلط تقلد اس بات سے بے نصیب ہے۔ باقی فرمانبرداروں کی اکثریت سو شاہ ولی اللہ صاحب کے کلام سے معلوم ہوا کہ یہ اکثریت امراء اور دنیا داروں کی تھی نہ کہ محدثین یا فقہاء یا مفسرین یا صوفیہ کی۔

قولہ صفحہ ۱۳۲ سطر ۴ "اور یہ معنی اس مذہب کی دقیق اور عمیق حقیقت کا پتہ دیتا ہے۔"

اقول :۔ لیکن بے چارہ مقلد اس کو کیسے پہنچے گا؟ ہاں یہ مجتہدوں کا کام ہے۔ سو واقعی وہ پہنچے۔ اسی لیے تو بقول شما اس کے مخالف ہوئے۔ اور اس کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ اور قرآن و حدیث کے مخالف بتایا۔ "لکل فن رجال"۔

قولہ صفحہ ۱۳۲ سطر ۷ "دنیا کا عجیب حال ہے کہ اتباع سُنّت میں امام ابو حنیفہ رحمہ کا قدم سب سے آگے اور پیش پیش ہے (الی قولہ) باوجود اس کے پھر بھی مخالفین ان کو صاحب رائے جانتے ہیں"۔

اقول :۔ صاحب رائے بھی آپ کہتے ہیں، اور اہل الرائے کہتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں، اور اتباع سُنّت کا آپ کو کیسے پتا لگا یہ تو مجتہد ہی جان سکتے ہیں، باقی مراسیل و ضعیف روایات کو ماننا محدثین کا مذہب نہیں ہے۔ حالانکہ آپ خود فرماتے ہیں کہ "ائمہ محدثین کی پابندی اور اتباع واجب ہے" (صفحہ ۱۰۱ سطر ۵) ایضاً ان کو امام اپنے قول پر مقدم سمجھتے ہیں۔ لیکن مقلدین تو برخلاف صحیح احادیث پر بھی آئمہ کے اقوال کو مقدم رکھتے ہیں۔ ایضاً محدثین تو کہتے ہیں کہ "لیس لاحد مع اللہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم کلام" اور اسی بنا پر وہ کسی کا قول حدیث کے مقابلہ میں نہیں مانتے۔ یہی بات ابن ہمام نے فتح القدیر صفحہ ۲۱۲ ج اول میں بھی کہی ہے اور یہ کسی امام نے نہیں کہا کہ میرا قول صحابہؓ کے قول سے بہتر ہے۔ بلکہ اگر اس کو رد کیا ہے تو صریحاً حدیث کے مخالف دیکھ کر اور یہی مسلمان مذہب ہے پس یہ کیسے صحیح ہوا کہ دوسرے اقوال صحابہؓ سے اچھا معاملہ نہیں کرتے۔ اسی طرح مرسل

وغیرہ کو بھی اگر صحیح حدیث سے مؤید ہے تو لے لیتے ہیں۔ ورنہ تو پس یہ کہنا کہ "اور دوسرے ائمہ کے نزدیک حدیث مرسل اور حدیث ضعیف اور اقوال صحابہؓ کے ساتھ یہ معاملہ نہیں، جو کہ امام ابو حنیفہ رح کے ہاں ہے" غلط ہوا کیونکہ ان کی بات اصولی ہے۔

قولہ ص۱۲۳ "اور بہت سی بے ادبی اور خلاف شان الفاظ ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔"

اقول:۔ اہل حدیث بے ادبی کے قائل نہیں۔ لیکن "انزلوا الناس منازلہم" کو ضرور ملحوظ رکھتے ہیں، یہ نہیں کہ جیسا کہ علامہ حالی نے کہا ہے کہ:

نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں

اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں

ایضاً اہل حدیث اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔ بلکہ صرف متقدمین کے اقوال نقل کرتے ہیں ہم آپ کو مشورہ دیتے ہیں کہ یہ کتب مطالعہ کریں۔ التاریخ الکبیر للبخاری کتاب العلل ومعرفۃ الرجال احمد بن حنبل کتاب الضعفاء النسائی الضعفاء للعقیلی الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم تاریخ بغداد للخطیب الکامل لابن عدی الضعفاء لابن الجوزی الطبقات لابن سعد وغیرہا۔

قولہ ص۱۲۳ "حالانکہ ان کے کمال علم اور کمال ورع و تقویٰ کا اقرار کرتے ہیں۔"

اقول:۔ جو سلف سے مروی ہے وہی نقل کرتے ہیں اور حافظ خطیب بغدادی نے دونوں باتیں نقل کی ہیں اور حافظ ذہبی میزان الاعتدال ص۲۳۷ ج ۳ میں امام صاحب کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ

"وترجم له الخطیب فی نصلین من تاریخه استوفی کلام الفریقین معدلیه ومضعفیه اھ۔"

قولہ ص۱۲۳ "اور کمال علم اور کمال ورع و تقویٰ کے بعد باقی ہی کیا رہ گیا۔"

اقول:۔ ابھی بہت باقی ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ

" وتکلم بعض اھل الحدیث فی قوم من اجلۃ اھل العلم وضعفوھم من قبل حفظھم ووثقھم اخرون من الائمۃ بجلالتھم وصدقھم وان کانوا قد وھموا فی بعض ما رووا اُر العلل الملحق باٰخر الجزء الثانی من الترمذی ص۲۳۷۔

بعض اہل حدیث نے بعض اہل علم میں بوجہ کمزوری حافظہ کے ان میں کلام کرکے ضعیف کہا ہے اور بعض نے ان کو باعتبار جلالت کے توثیق کی ہے۔ اگرچہ اسے اپنی بعض مرویات میں وہم بھی ہوگیا ہے۔

اور علامہ علی قاری مرقات میں سید جمال الدین سے نقل کرتے ہیں کہ

لابد فی کون الشخص ثقۃ من شیئین العدالۃ والضبط کما بین فی موضعہ فاذا وجد فی الشخص العدالۃ دون الضبط یجوز ان یعدل باعتبار الصفۃ الاولی ویجوز ان یجرح باعتبار الصفۃ الثانیۃ (ابکار المنن ص۱۲ ج ۱)

کسی شخص کے ثقہ ہونے کے لیے دو چیزوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ ایک عدالت دوسری ضبط جیسا کہ اپنے مقام پر ظاہر کیا گیا پس اگر کسی شخص میں صرف پہلی وصف (عدالت) پائی گئی اور دوسری نہیں تو ہوسکتا ہے کہ وہ باعتبار عدالت اس کی تعدیل کی جاتے اور باعتبار دوسری صفت (ضبط) اسی پر جرح کیا جاتے۔

یہ ساری باتیں تاریخ بغداد کے مطالعہ سے معلوم ہوسکتی ہیں جس کے حوالے آپ نے اس رسالہ میں باربار دیئے ہیں۔

قولہ ص ۲۳۵ "حق تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت اور توفیق دے کہ دین کے سردار اور اسلام کے رئیس کے ساتھ خلاف ادب پیش نہ آئیں اور اسلام کے سوادِ اعظم (دو تہائی اُمت محمدیہ جو امام اعظم کی مقلد ہے) اس کو ایذا نہ پہنچائیں"

اقول:- کسی کو ایذا پہنچانا اسلام میں روا نہیں ہے اور جرح و تعدیل یا تحقیق و تنقید ایذا رسانی نہیں ہے بلکہ امت کی خیر خواہی و بھلائی ہے۔

قولہ ص ۲۳۷ "لوگ اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں"

اقول:- اللہ کا نور تو قرآن و حدیث ہے۔ اس کی بجھانے کی کافر ہی کوشش کرتے ہیں، جیسا کہ نص قرآنی ہے۔ ثانیاً۔ فقہ حنفی تو بزعم شما نورِ الٰہی ہے لیکن باقی تین فقہیں مالکی، شافعی اور حنبلی جو اس کے خلاف ہیں وہ کیا ہیں؟ اگر سب نور ہیں تو تناقض کیوں؟ نور کی نقیض تو ظلمت ہوتی ہے۔ ثالثاً اگر ایک ہی نور ہے تو ہر ایک اسی کا دعویٰ کرتا ہے۔ کیا خبر کون سچا کون کاذب! رابعاً آپ نے باوجود مقلد ہونے کے ایک کا نورِ الٰہی ہونا کیسے معلوم کر لیا۔ خامساً اگر نور بجھانے والوں سے آپ کی مراد وہ لوگ ہیں جو فقہ حنفی پر تنقید کرتے ہیں، تو سب سے پہلے ایذا رسانی کے مرتکب آپ ہیں۔ کیوں کہ یہ صفت قرآن کریم نے کفار و مشرکین کی بیان کی ہے۔ جس کو آپ ان پر چسپاں کر رہے ہیں اس سے زیادہ ایذا رسانی کیا ہوگی؟ "ومن یکسب خطیئۃ او اثما ثم یرم بہ بریئا فقد احتمل بہتانا و اثما مبینا (النساء ع ۱۶)

قولہ ص ۲۳۱ "جو لوگ اکابرین کو اصحاب رائے جانتے ہیں۔ اگر وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ اکابرین صرف اپنی رائے سے حکم اور فتویٰ دیتے تھے اور کتاب و سنت کے متبع اور پیرو نہ تھے تو ان کے اس زعم فاسد اور خیال کاسد کی بنا پر یہ لازم آئے گا کہ اسلام کا ایک سوادِ اعظم گمراہ اور بدعتی ہو بلکہ جرگہ اسلام سے بھی خارج ہو"

اقول :- اہل الرائی بھی آپ ہی ان کو کہتے ہیں اور خود ہی کہتے ہیں کہ علماء ان کے مخالف تھے اور قرآن وحدیث کے مخالف جانتے تھے۔ اور اب خود ہی فتویٰ دینے لگے ہیں۔

قولہ ص ۱۳۳ س ۱۸ "کیونکہ کتاب وسُنّت کو محض اپنی رائے سے حکم دے دینا یہ اسلام سے خروج کرنا ہے"

اقول :- یہی فتویٰ اہلِ اسلام کا ہے لیکن جب آپ خود اجازت دیتے ہیں کہ جن مسائل کے متعلق نص نظر آتی ہے۔ ان میں قیاس کرو۔ کیا یہ اپنی رائے کو استعمال کرنا نہیں ہے۔ کیوں کہ کیا خبر کہ یہ نص کے موافق ہوگا یا خلاف۔

قولہ ص ۱۳۴ س ۱ "اس قسم کا اعتقاد وہ بے وقوف اور جاہل کر سکتا ہے جو اپنی جہالت سے بھی جاہل اور بے خبر ہے"

اقول :- ہم خود کچھ نہیں کہتے بلکہ متقدمین کے اقوال نقل کرتے ہیں، کیا وہ ائمہ مثلاً احمد بن حنبل، بخاری، نسائی، ابن عدی، دارقطنی، عقیلی، ابن المبارک، ابن ابی حاتم وغیرہم، یہ سب معاذ اللہ جاہل و بے وقوف تھے اور بے وقوف بھی ایسے ان کو اپنی بے وقوفی کی بھی خبر نہیں تھی! خطیب بغدادی کی کتاب سے آپ نے ص ۲۶ پر امام ابوحنیفہ رح کی تعریف میں چند روایتیں بھی نقل کی ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ کتاب آپ کے ہاں معتبر اور اس کا مصنف مقبول ہے لیکن اس کتاب میں امام صاحب پر جرح و قدح کی بابت بے شمار روایتیں موجود ہیں۔ کیا اس کو بھی ایسا ہی کہیں گے؟ حاشا وکلا

قولہ ص ۱۳۳ س ۳ "یا یہ اعتقاد وہ زندیق اور بے دین کر سکتا ہے جس کا مقصود یہ ہو کہ اسلام کا نصف حصہ باطل ہو جائے"

اقول :- نصف یا اکثریت کا مسئلہ پہلے بیان ہو چکا ہے باقی یہ فتویٰ آپ کا سب سے پہلے ان محدثین وائمہ پر جا پڑتا ہے جنہوں نے اہل الرائی پر تنقید کی ہے حالانکہ اس تنقید کو تو آپ نے

ص۱۲۱ پر عنوان "وجہ بست و پنجم" کے تحت فخر شمار کیا ہے۔ ایضاً امام احمد بن حنبلؒ نے زندیق اہل حدیث کے دشمن کو کہا ہے۔ چنانچہ امام احمد بن الحسن الترمذی نے امام احمد سے ذکر کیا ہے کہ

ذکروا لابن ابی قتیلة بمکة اصحاب الحدیث فقال اصحاب الحدیث قوم سوء فقام ابوعبد الله وھو ینفض ثوبه فقال زندیق زندیق زندیق ودخل بیته (علوم الحدیث الحاکم ص۴ وشرف اصحاب الحدیث للخطیب ص۷۶ وطبقات الحنابلة لابی الحسین ص۳۸ ج ۱ ومناقب الامام احمد لابن الجوزی ص۱۸۰۔

مکہ مکرمہ میں ابن ابی قتیلہ کے ہاں اہل حدیث کا ذکر ہوا۔ تو اس نے کہا کہ اہل حدیث بری قوم ہے تو امام احمد بن حنبل کپڑا جھاڑ کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور تین بار کہا۔ یہ شخص زندیق ہے زندیق ہے زندیق ہے۔ اسی طرح کہتا گھر داخل ہوا"۔

قولہ ص۱۳۴ سطر ۵ "ان چند ناقصوں نے چند حدیثوں کو یاد کر لیا اور شریعت کے احکام کو اپنی یاد کردہ احادیث میں محض سمجھ لیا ہے"۔

اقول:- "صحاح ستہ اس کے علاوہ کتب حدیث بکثرت طبع ہو چکے ہیں۔ نیز حدیث کی کئی کتابوں کے قلمی نسخہ کتب خانوں میں نظر آتے ہیں جن سے سب مسائل معلوم کر لیے جا سکتے ہیں۔ صرف چند احادیث پہ بنا نہیں رکھی ہے۔ نیز ہر ایک اپنے حسب علم و ادراک اجتہاد کرنے اور اس پر عمل کرنے کا مامور ہے۔ کیا قلت حدیث اجتہاد سے مانع ہے؟ امام ابوحنیفہؒ خود قلیل الحدیث ہیں۔ جیسا کہ اوپر گذرا۔ نیز دیکھو "الضعفاء للنسائی" "تنسیق النظام" للسنبھلی ص۸ تاریخ بغداد ص۴۲۲ / ۴۱۴ ج ۱۳ سیرۃ النعمان للشبلی ص۔۔ مقدمہ عمدۃ الرعایۃ للکھنوی ص۲۴ الجرح

والتعدیل لابن ابی حاتم ص۳۶ ج۴ قسم ۱/ الکامل لابن عدی المیزان الکبریٰ للشعرانی ص۲۲ ج۱ قیام اللیل للمروزی ص۱۲۲ تاویل مختلف الحدیث لابن قتیبہ ص۶۷ نقض المنطق ص۱۴ لابن تیمیہ وغیرہا۔ پھر آپ کو بھی مجتہد نہیں کہیں گے ؟

قولہ ص۱۳۲ شہ "اور اپنی معلوم کے ماسوا معدوم سمجھ لیا ہے" الخ

اقول :۔ یہ تو آپ کا مذہب ہے۔ جبکہ قیاس کے قائل ہیں اور اگر کسی مسئلہ میں کوئی نص نہیں ملتی تو فوراً غیر منصوص ہونے کا فیصلہ دے دیتے۔ اہل حدیث کا تو مسلک یہ ہے کہ اگر نص نہ ملے تو اپنا ہی قصور سمجھیں۔ اور جواب میں "لا ادری" کہیں۔ کما تقدم

قولہ ص۱۳۲ سطر ۱۱ "ترجمہ شعر" الخ

اقول :۔ یہی حال مقلدین کا ہے کہ جو کچھ فقہی کتابوں میں دیکھا اسی کو زمین و آسمان سمجھا اور اہل حدیث تو دلیل کے طالب ہیں چاہے اس کو حاصل کرنے میں کتنی تکلیف کرنی پڑے۔ امام حاکم ان کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں کہ

اصحاب الحدیث خیر الناس کیف لا یکونوا کذالک وقد نبذوا الدنیا بأسرها وراءهم وجعلوا غذاءهم الکتابة وسمرهم المعارضة واسترواحهم المذاکراة وخلوقهم المداد و نومهم السهاد واصطلاءهم الضیاء وتوسدهم الحصی فالشدائد مع وجود الاسانید العالیة عندهم رخاء و وجود الرخاء مع فقد ما طلبوه عندهم بؤس فعقولهم بلذاذة السنة غامرة۔ قلوبهم بالرضاء فی الاحوال عامرة تعلم السنن سرورهم ومجالس العلم حبورهم واهل السنة قاطبة

اخوانهم واهل الالحاد والبدع بأسرها اعداءهم۔

(علوم الحدیث للحاکم ص۳)

سب لوگوں سے اہل حدیث بہتر ہیں کیوں نہ ہوں انہوں نے دنیا ساری کو ترک کیا۔ اور حدیث لکھنے کو غذا سمجھا اور اسکے معارضہ کو رات کی مجلس مذاکرہ حدیث کو استراحت اور کتابت حدیث کی سیاہی کو اپنی خوشبو اور اس کی طلب میں بے خوابی کی نیند اور حدیث لکھتے وقت چراغ کو لینے سے تاپنے کی چیز اور پتھریوں کو اپنے لئے تکیہ جانا اور ہر تکلیف مع وجود اسانید عالیہ ان کے لیے بمنزلہ راحت اور راحت بوجہ نہ ملنے مطلوب حدیث کے ان کے لیے بمنزلہ سخت تکلیف کے ہے۔ حدیث کی لذت سے ان کی عقلیں بھری ہوئی ہیں، اور ہر حال درد کھ وسکھ میں ان کے قلوب رضا سے آباد ہیں۔ حدیثوں کا سیکھنا ان کی خوشی ہے اور مجالس حدیث ان کے آثار ہیں اہل سنت سارے ان کے بھائی اور ملحد اور اہل بدع سب ان کے دشمن ہیں۔

اور علامہ حالی مرحوم ان کا ذکر خیر یوں کرتے ہیں کہ ؎

اسی دھن میں آساں کیا ہر سفر کو
اسی شوق میں طے کیا بحر و بر کو
سنا خازن علم دیں جس بشر کو
لیا اس سے جاکر خبر اور اثر کو
پھر آپ اس کو پرکھا کسوٹی پر رکھ کر
دیا اور کو خود مزا اس کا چکھ کر

قولہ ص۱۴۲ س۱۴ "ان لوگوں کے بے ہودہ تعصبوں اور فاسد نظروں پر ہزاراں ہزار افسوس"

اقول:۔ اس سے زیادہ تعصّب اور کیا ہے کہ اپنے قیاس کو منوانے کے لیے قرآن و حدیث کو ناقص کہا جائے اور روایات میں تاویلیں کر کے اپنے اماموں کے اقوال سے ملائی جائیں۔ جیسا کہ شاہ اسماعیل شہیدؒ کے کلام میں گذرا۔ یا اپنے مذہب کو ثابت کرنے کے لیے قرآن و حدیث میں تحریف تک کی جائے۔ خود مولوی عبدالحئی لکھنوی نے "الفوائد البہیۃ" میں کئی علمائے حنفیہ کو تعصب کا شکار بتایا ہے۔ مثلاً طحاوی اور ابو منصور الاستوائی جنہیں لوگوں کو لڑایا (ص۲۵) اور امیر کاتب العمید جس کی زبان مخالفین کے حق میں کھلی رہتی تھی (ص۵) اور قاضی عبدالرحمٰن بن علی التفہنی اور ابو القاسم عبدالواحد العکبری اور علی بن بلبان علاؤ الدین الفارسی اور عیسیٰ بن سیف الدین الملک اور محمد بن شجاع الثلجی جس نے سُنّت کے باطل کرنے اور حنفی مذہب کی مدد کرنے کے لیے حیلہ سازی کی (ص۱۷۱) اور محمد بن عبدالستار الکردری جس نے امام شافعی کی بُرائی کی ہے (ص۱۷۱) اور ابن الہمام اور بدر الدین عینی مصنف عمدۃ القاری اور ابو القاسم ناصر الدین بن یوسف جس کی زبان ائمہ اور علماء کے حق میں کھلی ہوئی تھی (ص۲۲)

ناظرین! حنفیہ کا تعصب یہاں تک پہنچا ہے کہ محمد بن عبداللہ البلاساغونی الترکی کا قول ہے کہ "لوکان لی أمرٌ لأخذت الجزیۃ من الشافعیۃ" (الجواهر المضیئۃ فی طبقات الحنفیہ ص۱۳۶ ج ۲) یعنی اگر میری حکومت ہوتی تو میں شافعی مذہب والوں پر جزیہ مقرر کرتا۔ لیکن اہل حدیث ہر چیز کا معیار قرآن و حدیث جانتے ہیں۔ جو ان کے موافق ہے قبول کرتے اور جو مخالف ہے اس کو رد کرتے ہیں۔ یہ تعصب نہیں بلکہ احقاق الحق ہے۔

قولہ ص۱۴۲ س۱۵ "کیا یہ نہیں جانتے کہ فقہ کے بانی حضرت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ ہیں۔"

اقول:۔ لیکن فقہ اہل الرائی جیسا کہ خود مصنف رسالہ نے بار بار لکھا ہے اور اہل حدیث

کے لیے فقہ حدیث کافی ہے جو کہ براہ راست چشمۂ نبوت سے منتفرع ہے۔ نہ کہ قیاس ورائے سے۔
جیسا کہ آپ کی عبارت مذکور ہوئی کہ "آپ کو ظاہر بین قرآن وحدیث کے مخالف اور اصحاب الرائے
خیال کرتے ہیں" ص۱۲۹ سے ۵ تا ۱۴۔

قولہ ص۱۳۴ س۱ "اور فقہ کے تین حصے ابوحنیفہ رح کے لیے مخصوص اور مسلم ہیں اور فقہ کے
باقی چوتھے حصے میں تمام فقہا شریک ہیں"۔

اقول:۔ اسی لیے تو آپ کو امام اہل الرأی کہا گیا ہے (میزان الاعتدال ص۲۳۷ ج ۲
حاشیہ تاریخ کبیر بخاری ص۸۱ ج ۴ قسم ۲، تاریخ بغداد ص۳۲۳ ج ۱۳۔ حاشیہ نقض المنطق ص۹
تنسیق النظام للسنبھلی ص۱۱ عمدۃ الرعایۃ ص۲۵ وغیرہ) باقی فقہ الحدیث محدثین کے پاس ہے۔
"لکل فن رجال" فرجال للحرب و للقصعۃ رجال" اور فقہ اہل حدیث اور فقہ اہل الرأی کا
فرق بیان کر دیا گیا ہے۔

قولہ ص۱۳۵ س۲ "فقہ میں ابوحنیفہ ہی صاحب خانہ ہیں اور باقی سب اس کے عیال ہیں" الخ
اقول:۔ لیکن فقہ اہل الرائی۔ اس لیے کہ فقہا محدثین تو آپ کے خلاف تھے کما ذکرناہ
نیز فقہ اہل الرای کی ابتداء تو آپ نے ہی کی۔ اور فقہ محدثین تو قرآن وحدیث ہے جو کہ آسمان سے اترے
اور اہل علم آسمان سے ہی علم لیتے ہیں نہ کہ نیچے زمین سے۔ امام ابن حبان کتاب الثقات طبقہ رابعہ
میں ابوالاحوص محمد بن حیان البغوی کے ترجمہ میں روایت کرتے ہیں کہ

سأل رجل هشيما عن مسئلة فأجاب فيها فقال الرجل إن أبا حنيفة
ومحمد بن الحسن وأصحابه يقولون كذا فقال هشيم يا عبد الله إن العلم
لا يؤخذ من السفل

ایک شخص نے ہشیم بن القاسم بن معاویہ سے کوئی مسئلہ پوچھا۔ آپ نے جواب دیا

تو اس نے کہا کہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد اور اس کے ساتھی تو اس طرح (اسکے خلاف) کہتے ہیں تو ہشیم نے کہا کہ اللہ کے بندے علم نیچے زمین والوں سے نہیں لیا جاتا ہے۔

قولہ ص ۱۲۵ اسطر "باوجود مذہب حنفی کے التزام اور پابندی کے مجھے امام شافعی علیہ الرحمۃ سے محبت ذاتی ہے (الی قولہ) بعض اعمال نافلہ میں ان کے مذہب کی تقلید کرتا ہوں"۔

اقول :۔ معلوم ہوا کہ مجدد صاحب سب مسائل میں امام ابوحنیفہ رح کے مذہب کو راجح نہیں مانتے تھے بلکہ بعض مسائل میں امام شافعی رح کے مذہب کو ترجیح دیتے تھے۔ کیا آپ بھی اس رائے میں ان سے متفق ہیں؟

قولہ ص ۱۲۵ اسطر ۱۱ "دوسرے لوگ باوجود کمال علم اور کمال تقوی کے امام ابوحنیفہ رح کے مقابلہ میں بچوں کی طرح نظر آتے ہیں" الخ

اقول :۔ ع للناس فیما یعشقون مذاھب ۔ آپ کو ایسا نظر آیا لیکن فقیہ اشہب بن عبدالعزیز مصری نے ان ظاہری آنکھوں سے امام ابوحنیفہ رح کو امام مالک رح کے آگے بچے کی طرح بیٹھے ہوئے دیکھا (تذکرۃ الحفاظ ص ۲۰۹ ج ا طبع ۳) اور عبارت پہلے گذر چکی اور امام محمد بن الحسن الشیبانی کو امام مالک رح قرآن و حدیث اور آثار صحابہ رض میں امام ابوحنیفہ رح سے اعلم نظر آیا جیسا کہ اوپر واقعہ گذرا جس میں اس نے امام شافعی رح کے سامنے اقرار کیا۔ اسی طرح امام احمد بن الحسن الترمذی کو خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی اور امام شافعی رح ابوحنیفہ رح سے افضل بہتر نظر آیا اور ابوحسان زیادی کہتے ہیں کہ

ما رأیت محمد بن الحسن یعظم أحدا من أھل العلم تعظیمہ للشافعی (التاج المکلل ص ۱۰)

ہیں نے امام محمد (امام ابوحنیفہ رح کا خاص تلمیذ اور رسالتی) کو امام شافعی رح کے برابر کسی عالم کی تعظیم کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

اور قاضی ابوبکر احمد بن محمد الرملی الفقیہ کو یہ نظر آیا چنانچہ وہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ

دخلت أهل العراق فكتبت كتب[1] فمن كثرة اختلافهما لم أدر بأيهما آخذ فصرت من باب الطاق وأنا أريد الكرخ وقطيعة الربيع فحضرت صلاة المغرب فدخلنا المسجد فلما قلت الله أكبر تفكرت في قول أهل العراق من كان له إمام فقراءة الامام له قراءة وقول اهل الحجاز لا صلاة إلا بفاتحة الكتاب[2] قال فمن كثرة اختلافهما تركت الجماعة وخرجت فأصابني غم وبت مغموما فلما كان في جوف الليل قمت وتوضأت وصليت ركعتين قلت اللهم اهدني لما تحب وترضى ثم أويت إلى فراشي فرأيت النبي صلى الله عليه وسلم فيما يرى النائم دخل من باب بني شيبة مسند ظهره إلى الكعبة ورأيت الشافعي وأحمد بن حنبل على يمين النبي صلى الله عليه وسلم يتبسم اليهما ورأيت بشر المريسي على يسار النبي صلى الله عليه وسلم مكلح الوجه فقلت يا رسول الله من كثرة اختلاف هذين الرجلين لم أدر بأيهما آخذ فأومأ إلى الشافعي وأحمد بن حنبل وقال أولئك الذين آتيناهم الكتاب والحكم

(حاشیہ: [1] أهل العراق و [2] كتب أهل الحجاز)

---

[1] اس روایت کو امام بخاری نے جزء القراءۃ ص۵ طبع دہلی میں باتفاق علماء حجاز و عراق غیر ثابت بتایا ہے منہ عفی عنہ

[2] یہ صحیحین کی حدیث ہے اس کو امام بخاری نے جزء القراءۃ ص۲ طبع دہلی میں متواتر کہا ہے منہ عفی عنہ۔

والنبوة" ثم أومأ إلى بشر المريسي وقال: فان يكفر بها هؤلاء فقد وكلنا بها قوما ليسوا بها بكافرين" قال أبوبكر والله لقد رأيت هذه الرؤيا وتصدقت من الغد بألف دينار وعلمت أن الحق مع الشيخين (تهذيب تاريخ ابن عساكر ج۲ ص۲۵ ومناقب الإمام أحمد بن حنبل لابن الجوزي ص۴۲۳)

یعنی عراقیوں اور حجازیوں دونوں کی کتابیں لکھیں اور ان کے کثرت اختلاف کی وجہ سے پتہ نہیں لگتا تھا کہ کس کی بات کروں۔ ایک مرتبہ مسجد میں مغرب نماز شروع ہوئی۔ میں نے بھی تکبیر تحریمہ کہی لیکن فکر میں پڑ گیا کہ عراقی کہتے ہیں کہ امام کی قرات مقتدیوں کی قراءت ہے (وہ خاموش رہیں) اور حجازی کہتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں (لہذا ہر نمازی مقتدی ہو یا دوسرا سب کو فاتحہ پڑھنی ہے) اس اختلاف کی بناء پر میں حیران تھا کہ کیا کروں (فاتحہ پڑھوں یا نہ) بالآخر جماعت کو چھوڑ کر نکل گیا اور غمگین ہوا۔ اور غم کی حالت میں سو گیا۔ آدھی رات کو اٹھا وضو کر کے دو رکعت پڑھیں اور اللہ سے دعا کی کہ یا اللہ! مجھے وہ راہ بتلا جس کو تو پسند کرتا ہو۔ اور تو اس پر راضی ہو۔ پھر آکر بستر پر سو گیا۔ خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی دیکھتا ہوں کہ آپ حرم شریف میں باب بنی شیبہ سے داخل ہوئے اور آپ بیت اللہ شریف کو ٹیک لگا کر بیٹھے۔ آپ کے دائیں طرف امام شافعی اور امام احمد بن حنبل بیٹھے ہیں آپ ان کو دیکھ کر مسکرا رہے ہیں۔ اور آپ کے بائیں طرف بشر مریسی (حنفی مذہب کا بڑا عالم اور امام یوسف کا خاص ساتھی" الجواہر المضیئة" ص۱۶۴ ج۱ الفوائد البہیة ص۵۴) بیٹھا ہے اس کا منہ پھرا

ہوا ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دو یاریوں کے اختلاف کی وجہ سے میں نہیں جانتا کہ کس کی بات لوں۔ آپ نے امام شافعی رح اور امام احمد رح کی طرف اشارہ کرکے یہ آیت پڑھی (ترجمہ) یہ وہ ہیں جس کو ہم نے کتاب حکم اور نبوت عطا کی (نبوی وارث ہیں) پھر آپ نے بشر مریسی کی طرف اشارہ کرکے یہ آیت تلاوت کی (ترجمہ) اگر یہ ان کتاب حکم اور نبوت سے کفر کریں گے تو ہم ان پر ایسی قوم کو مؤکل کریں گے جو کہ ان سے کفر کرنے والے نہیں۔ ابو بکر رض نے کہا خدا کی قسم میں نے یہ خواب دیکھا اور صبح کو ایک ہزار اشرفیاں خیرات کیں۔ اور جان گیا کہ انہی دو استادوں (شافعی و احمد) کے پاس حق ہے۔

بلکہ خود مجدد صاحب ایک جگہ تسلیم کرتے ہیں کہ مبلغین امت میں محدثین افضل ہیں دیکھو مکتوب پنجاہ وہفتم دفتر دوم حصہ ہفتم صا۲۱۔

قولہ ۱۳۵ ”جس طرح مجتہد اپنی رائے اور اجتہاد کا تابع ہوتا ہے اسی طرح اولیاء اور عارفین معارف اور توحید میں اپنی فراست اور الہام کے تابع ہوتے ہیں“۔

اقول:۔ لیکن خطاء کا امکان دونوں میں ہے اور معیار قرآن وحدیث ہیں اور دونوں میں سے کسی کی بلا دلیل اتباع درست نہیں۔ خود مجدد صاحب الہام وکشف کو حجت نہیں مانتا ہے جیسا کہ ان کی عبارتیں ہم نے ذکر کیں۔ خود اسی مکتوب (جس سے آپ نے یہ عبارت نقل کی ہے) آخر میں بھی ایسا ذکر کیا ہے۔

قولہ ۱۳۶ ”الہام دین کے پوشیدہ اسرار ومعارف کو ظاہر کرنے والا ہے۔ نہ کہ دین میں زیادہ کمالات ثابت کرنے والا ہے“۔

اقول: شرح عقائد نسفیہ ص۱۸ میں ہے کہ

والالهام المفسر بالقاء معنى فى القلب بطريق الفيض ليس من أسباب المعرفة بصحة الشئ عند أهل الحق۔

الہام یا القا اہل حق کے نزدیک کسی چیز کی صحت کی معرفت کے اسباب میں سے نہیں ہے۔"

ناظرین! یہ کتاب درسی ہے اور عقائد حنفیہ کا مجموعہ ہے دھکذا فی الکتب الأخرىٰ۔

قولہ ص۱۲۶ "جس طرح اجتہاد اور استنباط شریعت کے پوشیدہ احکام کا مظہر ہے۔

اقول:۔ لیکن وہ اجتہاد قطعی نہیں، بلکہ تحقیق کا محتاج ہے۔ کما مضیٰ۔ اسی طرح الہام وغیرہ بھی سند نہیں ہے۔

قولہ ص۱۲۶ "اسی طرح الہام ان پوشیدہ اسرار و معارف کا مظہر ہے۔"

اقول: لیکن اگر قرآن و حدیث میں ان کا ذکر ہے تو وہ ظاہر ہوئے اور بصورت دیگر اگر ان میں نہیں ہے۔ تو وہ باطل ہے۔ چاہے آپ ان کو اسرار سمجھو یا اضرار

قولہ ص۱۲۶ "جو اکثر لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتے۔"

اقول:۔ محدثین تو سمجھ سکتے ہیں کیوں کہ ان کے سامنے ہر وقت قرآن و حدیث موجود ہیں اگر ان کے موافق ہیں تو فبہا ورنہ مردود سمجھیں گے لیکن مقلدین واقعی نہیں سمجھ سکتے کیوں کہ وہ تحقیق سے محروم ہیں۔ پھر کیا خبر یہ جو سر بتایا جا رہا ہے، حق ہے یا باطل؟ ایک جگہ تو مجدد صاحب صاف لکھتے ہیں کہ

در احکام اجتہادیہ بعد از ثبوت اجتہاد مستنبطاں و اختلاف آرائے ایشاں

حکم از نزد حق جل و علا نازل مے گردد کہ صواب را از خطاء جدا سازد و امتیاز دہد
بحق از باطل نماید (مکتوب سی و ششم دفتر دوم حصہ ششم ص۶۶)
احکام اجتہادیہ میں جہاں مجتہدین اور مستنبطان کی آراء میں اختلاف ہو۔
وہاں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم فرمایا ہے کہ خطاء و صواب کو الگ کیا جائے۔
یہ امتیاز کیا جائے کہ ان مجتہدین میں کون حق پر ہے اور کون باطل پر۔
بعینہٖ یہی مفہوم آیت "فإن تنازعتم فی شئ فردوہ إلی اللہ والرسول" کا ہے ثابت
ہوا کہ اختلاف کے وقت اجتہاد کا حکم ہے اور اس طرح تقلید باطل ہوئی نیز قیاس بھی سند نہ
رہا بلکہ حق و باطل کے امتیاز کرنے کا حکم ہے جو کہ قرآن و حدیث ہی سے ہو سکتا ہے۔ اللھم
فاطر السموات والارض عالم الغیب والشھادۃ انت تحکم بین عبادک
فیما کانوا فیہ یختلفون وأفضل الصلوٰۃ والسلام سید المرسلین وعلی
آلہ وصحبہ ومن تبعھم أجمعین۔

وأنا العبد

أبو محمد بدیع الدین شاہ عفی عنہ

کتابت: محمد نواز عابد گیلانی
ضلع گوجرانوالہ

فہرست مضامین

تأثرات

(شارح سنن نسائی، استاذ العلماء محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ تعالیٰ)

''تقلید اور عمل بالحدیث'' کے مباحث صدیوں پرانے ہیں۔ تقلید جامد کے رسیا اور اُمت کا درد رکھنے والے مصلحین اس موضوع پر سیر حاصل بحثیں کر کے خوب خوب داد تحقیق دے چکے ہیں۔

خیر القرون کے سیدھے سادھے دور کے مدتوں بعد ایجاد ہونے والے مذاہب اربعہ کے بعض مُقلد فقہا نے اپنے اپنے مذہب کی ترجیح میں کیا کیا گل نہیں کھلائے حتیٰ کہ اپنے مذہب کے جنون میں اپنے مخالف امام تک کو نیچا دکھانے سے بھی دریغ نہیں کیا گیا جیسا کہ ساتویں آٹھویں صدی کے شافعی اور حنفی فقیہوں کی بعض کتابیں جن لوگوں کی نظر سے گزری ہیں وہ اس سے بخوبی واقف ہیں۔

گذشتہ قریبی سالوں میں ''اجتہاد و تقلید'' کے عنوان سے لاہور کے ایک حنفی دیوبندی مرحوم بزرگ نے بے ضرورت کاوش فرمائی تھی جس میں ترکِ تقلید کا ہی رونا رویا گیا ہے اسی کتاب کا تنقیدی جائزہ زیر تالیف ۔۔۔۔ تنقیدِ سدید بر رسالۂ اجتہاد و تقلید ۔۔۔۔ میں لیا گیا ہے۔ تقلید جامد کی حمایت میں لکھی گئی اس کتاب میں کوئی نئی بات نہیں، وہی عامۃ الورود مغالطات جو علمائے دیوبند کی کتابوں اور رسالوں میں آج تک آتے رہے ہیں یعنی حنفی مذہب کے جذبات پر مبنی فضائل، مذاہب اربعہ پر اس کی ترجیح کا سفسطہ، متبوع و مقلد ہونے کی حیثیت سے حضرت امام ابوحنیفہ کے مناقب میں غلو اور مبالغہ آرائی، اصحاب الحدیث پر اہل الرائے کے تفوّق کا طنطنہ، محدثین پر مقلد ہونے کا الزامِ بے ثبوت، مذاہب اربعہ میں حق کے انحصار کا دعوائے بلا دلیل، ترکِ تقلید کے مزعومہ مفاسد اور یہ کہ اجتہاد کا دروازہ اب مدتوں سے بند ہے وغیرہ وغیرہ۔

ہماری جماعت کے فاضل محقق اور سندھ کے نامور راشدی خاندان کے گلِ سرسبد حضرت مولانا سید بدیع الدین شاہ صاحب (پیر آف جھنڈا) دامت برکاتہم وعمت فیوضہم [1] نے ''تنقیدِ سدید'' میں مقلدین احناف کے ان سب متمسکات پر مدلل و مبرہن اور سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے۔ انداز ایسا متین اور دل نشین ہے کہ اہل ذوق مطالعہ شروع کریں تو چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ طعن و تشنیع سے احتراز کیا گیا ہے، بس نفس موضوع کو سامنے رکھا ہے، غیر ضروری باتوں سے اجتناب ہے اور ہر بات با حوالہ ہے، اہل علم اور عوام دونوں کے لئے یکساں مفید ہے، یقین افروز اور بصیرت افزا۔ اُمید ہے کہ یہ کتاب دلچسپی سے پڑھی جائے گی واللہ الموفق

ھذا وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلّم

خادم الحدیث وأھلہ

ابو الطیّب محمّد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی [1]

9 ربیع الاوّل 1403ھ ——— 26 دسمبر 1982ء

[1] اللہ عزوجل دونوں کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ دے! آمین۔